قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا (آل عمران ۳۱)

ایک مجلس کی تین طلاق

از محمد جاوید عثمان میمن

خلیفہ مجاز

شفیق الامت حضرت مولانا شاہ محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ النور

ایک مجلس کی تین طلاق

از

محمد جاوید عثمان میمن

خلیفہ مجاز

شفیق الامت حضرت مولانا شاہ محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ النور پوسٹ بکس نمبر ۱۳۰۱۲
کراچی ۷۵۳۵۰ پاکستان

تصانیف

محمد جاوید عثمان میمن

خلیفہ مجاز

شفیق الامت حضرت مولانا شاہ محمد فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

○ مناجات مصطفیٰ ﷺ (زیر طبع)

○ تیجہ اور چالیسویں کی شرعی حیثیت

○ نماز جنازہ کے بعد دعا کا حکم

○ درود و سلام پر مفصل گفتگو

○ قرآن و سنت کی روشنی میں ایصال ثواب کی اہمیت

○ ایک مجلس کی تین طلاق

○ مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت

○ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت

○ اسلام اور نکاح (زیر طبع)

○ شعبان کی پندرھویں رات کی حقیقت

—— ملنے کا پتہ ——

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی نمبر ۵

کتاب ⇚ ایک مجلس کی تین طلاق
تالیف ⇚ محمد جاوید عثمان میمن
طبع اول ⇚ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۱ء
تعداد ⇚ ۱۰۰۰
ناشر ⇚ مکتبہ النور کراچی
قیمت ⇚
رابطہ ⇚ محمد جاوید عثمان میمن، فون: ۲۹۴۳۱۶۰۲۴
مطبوعہ ⇚ ایجوکیشنل پریس، پاکستان چوک۔

ملنے کے پتے

- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- مکتبہ عمر فاروق، جامعہ فاروقیہ، کراچی
- ادارہ بیت القرآن، اردو بازار، کراچی
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مکتبہ تھانوی، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان
۴۳	حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
۴۳	حضرت امام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
۴۴	حضرت امام محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
۴۴	حضرت امام حافظ ابن القیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
۴۵	حضرت امام بدر الدین ابو عبداللہ محمد بن علی البعلی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
۴۵	حضرت قاضی محمد بن علی امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
۴۵	حلالہ شرعی کا تشریح
۴۶	حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت
۴۷	محلل اور محلل لہٗ پر رسول پاک ﷺ کی طرف سے لعنت

حافظ عصر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب غوریؒ

کلامِ مجذوب

دنیا سے اس طرح ہو رخصت غلام تیرا
ہو دل میں یاد تیری ہو لب پہ نام تیرا

ہر ماسوا سے غافل شوقِ لقا میں تیرے
ہو جان و دل سے حاضر سن کر پیام تیرا

بے خوف ہو وہ عالم اک حسنِ خاتمہ پہ
کرتا ہے اس جہاں کا اہل ہے کام تیرا

رگ رگ میں تیرے دم ہو صدقِ یقیں کے باعث
تیرے نبی کی وقعت اور احترام تیرا

منکر نکیر آکر دے جائیں یہ بشارت
تجھ کو رہے مبارک حسنِ ختام تیرا

رحمت سے بخش دینا میرے گناہ سارے
روزِ جزا نہ دیکھوں میں انتقام تیرا

ہوں اولیں خلائق اشرف کا واسطہ ہو
شافع ہو جو نبی ہے خیر الانام تیرا

اپنے کرم سے کرنا مجھ کو بھی ان میں شامل
جن پہ عذاب یا رب ہوگا حرام تیرا

اوروں کے آگے رسوا کرنا نہ مجھ کو مولا
آگے ترے ذلیل ہے عاصی غلام تیرا

دینا جگہ مجھے بھی بندوں میں خاص اپنے
جب منعقد ہو یا رب دربارِ عام تیرا

محشر میں ہو پہنچ کر اس تشنہ لب کو حاصل
تیرے نبی کے ہاتھوں کوثر کا جام تیرا

جنت میں چشمِ حیرت ہو شاد کام میری
جلوہ رہے میسر اس کو مدام تیرا

ہو جملہ انبیاء پہ اصحاب و اولیاء پہ
دائم صلوٰۃ تیری پیہم سلام تیرا

دونوں جہاں کا دکھڑا مجذوب رو چکا ہے
اب آگے فضل کرنا یا رب ہے کام تیرا

کشکولِ مجذوب صفحہ ۸۸، ۸۹

مخدومی و محترمی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم
مفتی و مدرس جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد!

طلاق ایک ناپسندیدہ مباح چیز ہے جب کہ کبھی کبھی اس کی اشد ضرورت بھی پیش آتی ہے اس لئے اس ناپسندیدہ چیز کو بوقت ضرورت استعمال کرنے کے لئے شریعت نے کچھ ضابطے بھی مقرر کیے ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ طلاق تب ہی استعمال کرے کہ جب اس کی ضرورت درپیش ہو جذباتی اقدام کے طور پر نہ ہو۔ دوم یہ کہ اگر طلاق دینی ہو تو ایک پر اکتفاء کیا جائے اور اگر تین طلاقیں دینی ہوں تو ایک طلاق پاکی کے زمانہ میں دی جائے۔ پھر دوسرے ماہ کی دوسری پاکی میں دوسری طلاق، پھر تیسری پاکی میں تیسری طلاق دے۔ اس طرح سے فریقین کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے، بیک وقت تین طلاق دینے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے طلاق تو تینوں ہو جاتی ہیں مگر عام طور پر لوگ نادم ہی ہوتے ہیں اور یہ طریقہ شریعت کے ساتھ مذاق بھی ہے۔

لیکن کیا کہا جائے ان مسلمان بھائیوں کے بارے میں کہ ایک تو وہ ضروری اور بقدر فرض دینی معلومات حاصل نہیں کرتے اور پھر خود غلطی اور حماقت کر کے بیک وقت تین طلاق دیکر دربدر پھرتے رہتے ہیں کہ کہیں سے کوئی گنجائش کا پروانہ مل جائے اور پھر شریعت اور اہل شریعت پر تنقید کرتے ہوئے نہیں شرماتے کہ دین میں گنجائش کیوں نہیں، حتی کہ اپنے مذہب کو خیرباد کہہ کر غلط مذہب اختیار کرنے میں بھی

خدا کا خوف نہیں کرتے۔

"برادرم جناب مولانا محمد جاوید عثمان میمن صاحب" نے اس موضوع پر روشنی ڈالی اور اس اہم مسئلہ پر کتابچہ لکھا ہے جو "ایک مجلس کی تین طلاق" کے نام سے معنون ہے ماشاء اللہ انہوں نے محنت سے اس موضوع پر بعض غلط فہمیوں کا کافی وشافی جواب دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور امت مسلمہ کے لئے نافع بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و الہ

وصحبہ اجمعین

العبد

محمد عبد القادر

۱۵ر ۷ر ۱۴۲۱ھ

14-10-2000

حرف آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، ولا عدوان الا علی الظالمین، والصلوة والسلام علی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین

جب کسی مسلمان مرد کا کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح ہو جائے تو اس کے بعد زندگی بھر ایک دوسرے کو چاہنے اور نباہنے کی کوشش کرنی چاہئے اس لئے کہ میاں بیوی کا تعلق یہ زندگی بھر کا تعلق ہے، دم دم کا ساتھ ہے ایک ایک لمحہ کی رفاقت ہے اور نکاح زندگی بھر نباہنے کے لئے ہوتا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو کئی طرح سے سمجھایا ہے اور نباہنے کا حکم دیا ہے، ایک حدیث میں ہے کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بالکلیہ بغض نہ رکھے یعنی یہ نہ کرے کہ اس کو بالکلیہ "کنڈم" قرار دے دے اور یہ کہے کہ اس میں تو کوئی اچھائی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس کی کوئی بات ناپسند ہے تو اس کی دوسری کوئی بات پسند بھی ہو گی۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ ص ۲۸۰)

قرآن کریم میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا و یجعل اللّٰہ فیہ خیرا کثیرا﴾

"یعنی اگر تمہیں وہ عورتیں پسند نہیں جو تمہاری نکاح میں آگئیں، تو اگرچہ وہ تمہیں ناپسند ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت خیر رکھی ہو۔"

اس لئے حکم یہ ہے کہ اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو اس سے تمہارے دل کو تسلی بھی ہو گی اور طلاق کا راستہ بھی بند ہو گا، کیونکہ طلاق دینا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔

جب نباہنا اسلام کا مزاج ٹھہرا تو عورت کی جانب سے طلاق کا سوال اٹھانا سراسر غیر اسلامی فعل ہو گا۔

میاں بیوی کے آپس میں اگر نا اتفاقی ہو جائے اور اختلافات شروع ہو جائیں تو اس موقع پر قرآنی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے جہالت پر اتر آتے ہیں قرآن کریم نے صلح صفائی کے ذریعہ اختلافات ختم کرنے کا جو حکیمانہ نظام وضع کیا ہے اس کو چھوڑ کر فوراً انتہائی قدم اٹھا لیتے ہیں بس تین طلاق دے دی اور سمجھتے ہیں کہ غصہ ٹھنڈا کرنے کا یہی موثر نسخہ ہے اس کے بعد جب علم ہوتا ہے کہ اس سے بیوی حرام ہو چکی ہے اب بیوی کو اپنے پاس روکنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اب ہوش آتا ہے کہ کتنی بڑی غلطی کر بیٹھا پھر پریشانی کے عالم میں بھاگے بھاگے مفتیان کرام کے پاس آتے ہیں کہ جناب غصہ میں تین طلاقیں دے دی ہیں، بچے چھوٹے چھوٹے ہیں ان کو کوئی سنبھالنے والا نہیں۔ ہم دونوں میاں بیوی میں اتنی محبت ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے کوئی راستہ بتائیے اس کا کیا کفارہ ہے؟ مفتیان کرام اب فتویٰ دیتے ہیں کہ اب کوئی راستہ نہیں رہا آپ نے خود ہی اپنی جہالت سے تمام راستے ختم کر لئے اور تین طلاقیں دے دیں۔ اب لوگوں کے کہنے پر یہ شخص غیر مقلدین اور

ماڈرن قسم کے مولویوں اور مفتیوں کے پاس جاکر اپنا ایمان خراب کرتا ہے اور یہ غیر مقلدین جو غلط فتویٰ دے کر تین طلاقیں دینے والے کی مطلقہ بیوی (جو اس کے لئے قطعی حرام ہو جاتی ہے) کو پھر طلاق دینے والے کی طرف لوٹا کر ہمیشہ کے لئے اس فعل حرام کے مرتکب ہونے کا موقع فراہم کر کے طلاق دینے والے مردوں اور مطلقہ بیویوں پر ظلم عظیم کرتے ہیں یاد رکھئے کہ اس فعل حرام کا وبال جس کا کہ یہ غیر مقلدین اور ماڈرن (جدت پسند) مولوی باعث بنتے ہیں) ان پر بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا فاعلین پر بلکہ فاعلین کے فعل حرام سے وجود میں آنے والی نسل حرام اور پھر نسل در نسل اس تمام سلسلے کا وبال بھی ان غیر مقلدین مفتیوں پر ہی ہوتا ہے کیوں کہ انہوں نے ہی منسوخ حدیث سے استدلال کر کے اور دوسری احادیث کا مفہوم غلط سمجھ کر امت میں حرام کاری کا دروازہ کھولا اور خود اس کے تمام ذمہ دار ٹھہرے۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

جاننا چاہیئے کہ موجودہ دور فتنہ و فساد کا دور ہے، کفر و الحاد بے دینی کی ہوش ربا آندھیاں چل رہی ہیں۔ بد مذہبی، الادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے۔ وہ شخص ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہو۔ دور حاضر کے فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت (نام نہاد اہل حدیثوں) کا ہے۔ غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف کی بیان کردہ حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں، انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں "منکرین حدیث" پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں صرف قرآن کو مانو۔ نیز مقام تعجب یہ ہے کہ غیر مقلدین اپنے آپ کو اہلحدیث تو کہتے ہیں مگر حقیقت میں یہ منکرین حدیث کی فوٹو اسٹیٹ ہے۔ غیر مقلدین نے ۱۸۸۸ء میں

اپنے لئے انگریز سے اہلحدیث کا نام الاٹ کرایا تھا۔

(رسالہ اشاعت السنہ، جنگ آزادی ص ۲۶)

بچو گے تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی، تو ڈوبو گے سارے

مگر ساتویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی بناء پر آج یہ مسئلہ ایک "اختلافی" ونزاعی مسئلہ بن گیا ہے۔ اگر یہ دونوں حضرات اپنے دور میں جمہور امت سے اختلاف نہ کرتے تو آج کسی کو اس متفقہ مسلک کے خلاف لب کشائی کی جرأت ہی نہ ہوتی۔

علامہ ابن قیمؒ کو خاص اس طلاق کے مسئلہ پر حکومت وقت نے اونٹ پر بٹھا کر درے مار مار کر شہر میں گشت کرا کے سخت توہین کے بعد سزائے قید بھی دی تھی کیونکہ اس وقت تک تین طلاق کو ایک قرار دے کر شوہر کے لئے مطلقہ بیوی کو حلال قرار دینا نہ صرف جمہور اکابرین ائمہ اہلسنت والجماعت کے خلاف تھا بلکہ یہ شیعوں کا شعار بھی تھا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں حضرات بہت بڑے امام اور مجدد تھے۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ان کی ہر رائے اور ہر فیصلہ کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا جائے۔ کیونکہ کوئی بھی بات محض دلائل کی قوت کی بناء پر تسلیم کی جاسکتی ہے، نہ کہ کسی کی شخصیت کی بناء پر۔ اور یہ ایک ایسا اصول ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ ہر امام اور مجتہد غلطی کر سکتا ہے اور غلطی سے پاک صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات بابرکات ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا شرعی مسائل میں شخصیت پرستی کے بجائے دلائل کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ورنہ سر رشتہ حیات گم ہو جائے گا۔۔۔

مکافات عمل سے گر یہ غافل ہیں تو بیشک ہوں
ہمارا کام ہے، نیک اور بد کا ان کو سمجھانا

احقر اس رسالہ کا نام ''ایک مجلس کی تین طلاق'' رکھتا ہے، آخر میں تمام قارئین، ناشرین، قائمین و معاونین سے خلوص دل سے درخواست ہے کہ وہ اس رسالہ کو پڑھتے ہوئے اپنی مقبول دعاؤں میں احقر کو ضرور یاد رکھیں، یہ محض آستانہ شفیق الامت حضرت اقدس عارف باللہ سیدی و مرشدی و محبوبی حضرت مولانا شاہ محمد فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کرم اور قلم کی کرامت اور قلب مبارکہ کی تاثیر اور فیض عام کے برکات ہیں جس سے احقر نا آشنا تھا۔ چشم بصیرت کی ایک ادنی جھلک حاصل ہونے کے بعد دل و زبان بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ سب کچھ میرے آقا سیدنا و مولانا شفیق الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک قدموں میں بیٹھنے کی برکتیں ہیں جس کے سبب آج احقر کی یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہٗ و عم نوالہ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے اور اس کا ثواب میرے محبوب شیخ شفیق الامت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پہنچائے۔ (آمین ثم آمین)

وباللہ التوفیق

خاک زیر نعلین شفیق الامت

عاصی و خاطی محمد جاوید عثمان میمن عفی عنہ

۱۵/ شعبان ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۱ء

گذارش:۔ اس کتاب کو حفاظت سے رکھیں ضائع نہ کریں

اگر ضرورت پوری ہو جائے تو کسی دوسرے شخص کو دے دیں۔

تصانیف

شفیق الامۃ حضرت مولانا محمد فاروق صاحب دامت برکاتہم

خلیفۂ مجاز

عارف باللہ مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

① بہشتی ثمر کامل (ترتیب جدید)
② خلاصہ شریعت و تصوف (انگریزی)
③ ذکر مسیح الامتؒ
④ مومن کے لیل ونہار
⑤ افادات فاروقی
⑥ ہماری نماز
⑦ نظام اعتکاف
⑧ نظام عرفات
⑨ نظام زیارت
⑩ رہنمائے حجاج
⑪ مواعظ اربعہ
⑫ طمانیت النفس
⑬ مقبول دعوات
⑭ معمولات نافعہ
⑮ مجلس ذکر
⑯ مسلم کامل
⑰ بدن صابیہ
⑱ استغفار اللہ کو پسند ہے
⑲ تواضع اہم المحاسن ہے
⑳ دار العلوم زکریا کے طلبہ سے گفتگو
㉑ سہ ماہی مجلہ "مسیح الامت انٹرنیشنل"

ملنے کا پتہ

مکتبہ النور پوسٹ بوکس: ۱۳۰۱۲ - کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک مجلس کی تین طلاق

قرآن کریم کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان﴾

(البقرہ آیت ــ ۲۲۹)

"وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدے کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔" (بیان القرآن)

گویا دو طلاقوں کے بعد مرد کو اختیار ہے۔ اگر وہ اس کو پھر اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے تو معروف طریقہ سے روک لے۔ مثلاً طلاق رجعی ہے اور عدت باقی ہے تو رجوع کر لے اور اگر طلاق رجعی کی عدت ختم ہو گئی۔ یا طلاق بائن ہے تو عورت کی رضا مندی سے دوبارہ اس سے نکاح کر لے اور اگر یہ نہ چاہے تو اس کو جانے دے۔ لیکن اگر مرد نے تین طلاقیں دے دیں تو ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ﴾

(البقرہ آیت ــ ۲۳۰)

"پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دے دے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے

حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند
کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے۔" (بیان القرآن)

اس لئے "ائمہ اربعہ" چاروں اماموں کا اتفاق ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ اب جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پھر وہ طلاق دے تو اس کی عدت گذار کر پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن غوث پاک پیران پیر حضرت قدس شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہودی مذہب میں تین طلاق کے بعد بھی بیوی سے رجوع کا حق ہے۔ یہود سے یہ مسئلہ روافض (شیعہ) نے لے لیا۔ (غنیۃ الطالبین)

نام نہاد اہل حدیث غیر مقلدوں نے ایک نئی تقسیم کر لی کہ اگر خاوند تینوں طہروں کے زمانے میں تین طلاقیں دے، پھر تو حلالہ شرعی کے بغیر عورت پہلے خاوند کے پاس نہیں جا سکتی لیکن اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دے تو وہ ایک طلاق گنی جائے گی اور خاوند کو رجوع کا حق ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اہل اسلام کہتے ہیں کہ امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفی ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ مگر مرزائیوں یعنی قادیانی نے ایک تقسیم کر لی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد شریعت والا نبی تو نہیں آ سکتا البتہ غیر تشریعی نبی آ سکتا ہے اسی طرح غیر مقلدین نے تین طلاق کے مسئلہ میں تقسیم کر لی کہ بعض قسم کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں۔ اور بعض قسم کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ یہودیوں کے ہاں طلاق کی کوئی تحدید نہیں جتنی طلاقیں چاہے خاوند دیتا رہے اور رجوع کرتا رہے۔ نہ بیچاری عورت کو بسائے نہ آزاد کرے غیر مقلدین مسئلہ طلاق میں یہودیوں اور رافضیوں (شیعہ) سے متفق ہیں۔

چھپتا تو ہے ظالم کہاں سے لباس تو
مذہب کے نام پہ یہ حادثہ ہوا تو ہے

طلاق کے معنی

لغت میں طلاق کے معنی ہیں: "کھولنا، چھوڑنا" لیکن اصطلاحِ شریعت میں "مرد کا عورت کو نکاح سے حاصل ہونے والی پابندیوں سے آزاد کر دینا طلاق کہلاتا ہے۔"

طلاق کی قسمیں

یہ بات جاننی چاہئے کہ وقت و محل کے اعتبار سے نفسِ طلاق کی تین قسمیں ہیں (۱) احسن (۲) حسن (جس کو سنی بھی کہتے ہیں) (۳) بدعی۔

(۱) طلاق احسن

طلاق احسن کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی پاکی کی حالت میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑ دے (یعنی پھر نہ تو اس کو اور طلاق دے اور نہ اس سے جماع کرے) یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ طلاق کی یہ پہلی قسم سب سے بہتر ہے۔

(۲) طلاق حسن

طلاق حسن کی یہ صورت ہے کہ ایک طلاق رجعی پاکی کی حالت میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بشرطیکہ عورت مدخول بہا ہو اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو اس کے لئے ایک طلاق حسن ہے نیز اس کو حیض کی حالت میں بھی طلاق دی جا سکتی ہے اور آئسہ، صغیرہ اور حاملہ عورتوں کے لئے طلاق حسن یہ ہے کہ ان کو تین مہینے تک (ہر ماہ میں) ایک طلاق دی جائے نیز ان عورتوں کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے۔ طلاق کی یہ دوسری قسم بھی بہتر ہے۔

③ طلاق بدعی

طلاق بدعی کی صورت یہ ہے کہ مدخول بہا کو پاکی کی حالت میں ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دیدے یا ایسی دو طلاقیں دے جس میں رجعت کی گنجائش نہ ہو یا اس کو اس پاکی کی حالت میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو اس طرح اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ بھی طلاق بدعی کے حکم میں ہے اور اگر وہ عورت کہ جس کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے مدخول بہا ہو تو صحیح تر روایت کے مطابق اس سے رجوع کرنا واجب ہے جبکہ بعض اہل علم نے رجوع کرنے کو مستحب کہا ہے، پھر جب وہ پاک ہو جائے اور اس کے بعد دوسرا حیض آئے اور پھر اس سے بھی پاک ہو جائے تب اگر طلاق دینا ہی ضروری ہو تو اس دوسری پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے۔ طلاق کی یہ تیسری قسم شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے گو طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔

وقوع کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں:

① رجعی ② بائن۔

① طلاق رجعی

طلاق رجعی کی صورت تو یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایک بار یا دو صریح الفاظ میں یوں کہے کہ انت طالق یا طلقتک یا اردو میں یوں کہے "تجھ پر طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی" اس طرح طلاق دینے سے طلاق دینے والا ایام عدت میں بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے یعنی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا اس کو ہاتھ لگائے یا مساس کرے اور یا اس سے جماع کرے تو اس سے رجوع ہو جاتا ہے جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۲ طلاق بائن

طلاق بائن کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے الفاظ کے ذریعے طلاق دی جائے جو اگرچہ صراحۃً طلاق کے لئے استعمال نہ ہوتے ہوں مگر کنایۃً وہ طلاق کا مفہوم بھی ادا کرتے ہوں علاوہ ان تین الفاظ کنایات کے جن کو حضرات فقہاء کرام رحمہ اللہ نے صریح طلاق کے لئے تسلیم کرلیا ہے۔ طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نکل جاتی ہے تجدید نکاح کے بغیر اس عورت کو بیوی بناکر رکھنا حرام ہے۔

حکم اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی طلاق کی دو قسمیں ہیں:

۱ مغلظہ ۲ مخففہ۔

۱ طلاق مغلّظہ

طلاق مغلظہ کی صورت یہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دی جائیں (مثلاً یوں کہے کہ میں نے تین طلاق دی) یا الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں (مثلاً یوں کہے کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی) اس طلاق کے بعد طلاق دینے والا اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں بغیر حلالہ نہیں لا سکتا حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور دوسرا مرد اس سے جماع کرکے اس کو طلاق دے دے، اور پھر جب اس کی عدت پوری ہوجائے تو پہلا شوہر اس سے نکاح کرلے۔

۲ طلاق مخففہ

طلاق مخففہ کی صورت یہ ہے کہ یک بارگی یا الگ الگ دو طلاقیں یا ایک طلاق دے پھر اگر یہ دو طلاقیں یا ایک طلاق الفاظ صریح کے ساتھ ہو تو عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر الفاظ کنایہ کے ساتھ ہو تو تجدید نکاح

کے بعد اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاق

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے خواہ الگ الگ نشست میں دے یا بیک وقت۔ خواہ گواہوں کے سامنے دے یا تنہائی میں دے ہر صورت میں اس مرد کو اپنی بیوی مطلقہ سے بغیر حلالہ کے نکاح کرنا اور اس کو اپنی بیوی سمجھنا اور جماع کرنا قطعاً حرام اور زنا ہے اور ایسا شخص عنداللہ بڑا فاسق اور ظالم ہے اور جو لوگ خلاف نصوص قطعیہ کے ہوتے ہوئے غلط فتویٰ دیتے ہیں وہ حضرات اس بدفعل کے معاون ہوتے ہیں اور حکم اس کا یہ ہے کہ اس عورت کو اس سے علیحدہ کردیا جائے اور وہ شخص نکاح کرنے والا اور اس کے معاونین جو اس نکاح میں شریک ہوئے یا جس نے نکاح پڑھایا وہ گناہ گار ہوئے۔ سب توبہ کریں اور آئندہ ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں۔

واضح ہو کہ تین طلاق اگر شوہر ایک دفعہ دے وہ تینوں طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جمہور صحابہ کرام ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کا اجماعی مذہب ہے۔ جب یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ اب اس کے خلاف کرنا گمراہی اور ضلالت ہے۔ پس بعد اس کے یعنی بعد اس اجماع صحابہ و من بعدہم کے کسی کا خلاف معتبر نہیں ہے۔

طلاق دینے کا شرعی طریقہ

طلاق دینے کے تین طریقے ہیں:

❶ ایک یہ کہ بیوی ماہواری سے پاک ہو تو اس سے جنسی تعلق قائم کئے بغیر ایک "رجعی طلاق" دے اور پھر اس سے رجوع نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے۔ اس صورت میں عدت کے اندر اندر رجوع کرنے کی گنجائش ہوگی۔ اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ یہ طریقہ سب سے بہتر ہے۔

❷ دوسرا طریقہ یہ کہ الگ الگ تین طہروں میں تین طلاقیں دے۔ یہ صورت زیادہ بہتر نہیں، اور بغیر شرعی حلالہ کے آئندہ نکاح نہیں ہو سکے گا۔

❸ تیسری صورت "طلاق بدعت" کی ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ بیوی کو ماہواری کی حالت میں طلاق دے یا ایسے زمانے میں طلاق دے جس میں صحبت کر چکا ہو۔ یا ایک ہی لفظ سے یا ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی زمانے میں تین طلاقیں دے ڈالے۔ یہ "طلاق بدعت" کہلاتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس طریقہ سے طلاق دینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر ایک دی تو ایک واقع ہوئی۔ اگر دو طلاقیں دیں تو دو واقع ہوئیں اور اگر تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہو گئیں خواہ ایک لفظ میں دی ہوں یا ایک مجلس میں یا ایک زمانے میں دیں یا الگ الگ الفاظ میں الگ الگ نشست میں دیں۔

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی کا فتویٰ

سوال: زید نے اپنی بیوی کو حالت غضب میں کہا کہ میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، اس تین مرتبہ کہنے سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں، اگر حنفی مذہب میں طلاق واقع ہو، اور مثلاً شافعی مذہب میں واقع نہ ہو تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت میں عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہو گئی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہو گا، مگر بوقت ضرورت، اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو، اور احتمال مفاسد زائد کا ہو، تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ مضائقہ نہ ہو گا۔ نظیر اس کی جواز نکاح زوجہ مفقود وعدۃ ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورۃ قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں۔ (مجموعہ فتاوی ج ۲ ص ۶۸)

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی کے فتویٰ کی تشریح

حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بغیر حلالہ کے نکاح شوہر اول کا اس عورت مطلقہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور دوسرے کسی امام کا مذہب اس کے خلاف بھی نہیں کہ فلاں امام کے نزدیک حلالہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مفقود الخبر کی بیوی کا مسئلہ اور ممتدۃ الطہر کا مسئلہ کہ جس سوال جواب دونوں مسئلوں میں حضرات فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کیا جائے مگر مطلقہ ثلاثہ میں حلالہ کی ضرورت نہ ہو کسی امام کا مذہب حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل نہیں کیا کہ یہ کس کا مذہب ہے اور کس کی تقلید کی جائے۔ اصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں چونکہ نص قطعی سے حلالہ ثابت ہے اس لئے اس کا خلاف کرنا کسی کو درست نہیں ہے اور باجماع یہ مسئلہ ثابت ہے اور اجماع کے بعد کوئی مخالف اس مسئلہ میں نہیں رہا اور جس کا خلاف تھا وہ پہلے تھا پھر سب نے بالاتفاق حکم وقوع تین طلاق کا ایسی صورت میں کیا ہے اور غیر مقلدین کی جماعت خارج عن المذہب جو اس زمانہ میں نص قطعی کی اور اجماع سلف کا خلاف کر رہی ہے وہ صریح گمراہی پر ہے۔

غیر مقلدوں کا فتویٰ

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ تین طلاق مذکورہ بالا ایک ہی کے حکم میں ہے لہٰذا رجوع کر سکتا ہے چنانچہ مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے۔

﴿عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان الطلاق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طلاق الثلث واحدة﴾

"حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ طلاق رسول پاک ﷺ کے زمانہ مبارک میں اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی دو سال تک ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی ایک مجلس میں تین طلاق دیتا تو وہ ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھی پھر حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے جلدی کرنا شروع کر دیا ہے طلاق کے معاملے میں اور جو ان کو مہلت دی گئی سو ہم اس کو اگر جاری کر دیتا تو مناسب ہے پھر آپ نے جاری کر دیا یعنی حکم دے دیا کہ جو ایک مجلس میں تین طلاق دے تو تینوں واقع ہو گئیں۔"

(مسلم شریف کتاب الطلاق ج۱ ص۴۷۷)

محررہ عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ مطلع العلوم

غیر مقلدوں کے فتویٰ کا جواب

یہ فتویٰ بالکل غلط اور آیت قرآنیہ احادیث صحیحہ جمہور صحابہ کرام اور جمہور ائمہ اسلام کے اجماعی مذہب کے خلاف ہے۔ اصل صورت مذکورہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں اب بغیر حلالہ کے وہ عورت شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره﴾

(پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۱۳)

"پھر اگر کوئی طلاق دے دے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے

گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔" (بیان القرآن)

مذکورہ واقعہ میں اگرچہ اُمت کے لئے عمل کی راہ یا جماع صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہو گئی تین طلاقیں بیک وقت دینا اگرچہ غیر مستحسن اور رسول پاک ﷺ کی ناراضگی کا سبب ہے، مگر اس کے باوجود جس نے اس غلطی کا ارتکاب کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، اور بغیر دوسرے شخص سے نکاح وطلاق کے اس کے لئے حلال نہ ہو گی۔

لیکن علمی اور نظری طور پر یہاں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں:

پہلا اشکال:

اول اشکال تو یہ کہ سابقہ تحریر میں متعدد روایات حدیث کے حوالے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تین طلاق بیک وقت دینے والے پر رسول پاک ﷺ نے بھی تین طلاق کو نافذ فرمایا ہے، اس کو رجعت یا نکاح جدید کی اجازت نہیں دی، پھر اس واقعہ میں حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس کلام کا کیا مطلب ہو گا کہ رسول پاک ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اور دو سال تک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے اندر تین طلاق کو ایک ہی مانا جاتا تھا، حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین طلاق کا فیصلہ فرمایا۔

دوسرا اشکال:

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر واقعہ اسی طرح تسلیم کر لیا جائے کہ رسول پاک ﷺ کے زمانے میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تین طلاق

کو ایک مانا جاتا تھا، تو حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فیصلہ کو کیسے بدل دیا، اور بالفرض ان سے کوئی غلطی بھی ہوگئی تھی تو تمام حضرات صحابہ کرام ﷺ نے اس کو کیسے تسلیم کرلیا؟

جواب: حضرات فقہا کرام ومحدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب صاف اور بے تکلف دیا ہے فرماتے ہیں کہ!

حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان اور اس پر حضرات صحابہ کرام ﷺ کا اجماع طلاق ثلاث کی ایک خاص صورت کے متعلق قرار دیا جائے وہ یہ کہ کوئی شخص تین بار یہ کہے کہ تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق یا یوں کہے کہ میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی۔

یہ صورت ایسی ہے کہ اس کے معنیٰ میں دو احتمال ہوتے ہیں، ایک یہ کہ کہنے والے نے تین طلاق دینے کی نیت سے یہ الفاظ کہے ہوں، دوسرے یہ کہ تین بار محض تاکید کے لئے مکرر کہا ہو، تین طلاق کی نیت نہ ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ نیت کا علم کہنے والے ہی کے اقرار سے ہوسکتا ہے، رسول پاک ﷺ کے زمانہ مبارک میں صدق ودیانت عام اور غالب تھی، اگر ایسے الفاظ کہنے کے بعد کسی نے یہ بیان کیا کہ میری نیت تین طلاق کی نہیں تھی، بلکہ محض تاکید کے لئے یہ الفاظ مکرر بولے تھے تو رسول پاک ﷺ اس کے حلفی بیان کی تصدیق فرمادیتے اور اس کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے۔

اس کی تصدیق حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے دی تھی، یہ لفظ عربی کے عرف عام میں تین طلاق کے لئے بولا جاتا تھا، مگر تین اس کا مفہوم صریح نہیں تھا،

اور حضرت سیدنا رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری نیت تو اس لفظ سے تین طلاق کی نہیں تھی بلکہ ایک طلاق دینے کا قصد تھا، رسول پاک ﷺ نے ان کو قسم دی انہوں نے اس پر حلف کر لیا، تو رسول پاک ﷺ نے ایک ہی طلاق قرار دے دی۔

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی شریف میں مختلف سندوں اور مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے، بعض الفاظ میں یہ بھی ہے کہ حضرت سیدنا رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھیں مگر ابوداؤد شریف نے ترجیح اس کو دی ہے کہ دراصل حضرت سیدنا رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ البتۃ سے طلاق دی تھی، یہ لفظ چونکہ عام طور پر تین طلاق کے لئے بولا جاتا تھا اس لئے کسی راوی نے اس کو تین طلاق سے تعبیر کر دیا ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات باتفاق ثابت ہے کہ حضرت سیدنا رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلاق کو رسول پاک ﷺ نے ایک اس وقت قرار دیا جب کہ انہوں نے حلف کے ساتھ بیان دیا کہ میری نیت تین طلاق کی نہیں تھی، اس سے بھی یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے تین طلاق کے الفاظ صریح اور صاف نہیں کہے تھے ورنہ پھر تین کی نیت نہ کرنے کا کوئی احتمال ہی نہ رہتا، نہ ان سے سوال کی کوئی ضرورت رہتی۔

اس واقعہ نے یہ بات واضح کر دی کہ جن الفاظ میں یہ احتمال ہو کہ تین کی نیت کی ہے یا ایک ہی کی تاکید کی ہے ان میں رسول پاک ﷺ نے حلفیہ بیان پر ایک قرار دے دیا، کیونکہ زمانہ سچائی و دیانت کا تھا، اس کا احتمال بہت بعید تھا کہ کوئی شخص جھوٹی قسم کھا لے۔ امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے مبارک میں اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی زمانے میں دو سال تک یہ ہی طریقہ جاری رہا، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ مبارک میں یہ محسوس کیا کہ اب سچائی و دیانت کا معیار گھٹ رہا ہے اور آئندہ حدیث کی پیشن گوئی کے مطابق اور گھٹ جائے گا، دوسری طرف ایسے واقعات کی کثرت ہو گئی کہ تین

مرتبہ الفاظ طلاق کہنے والے اپنی نیت صرف ایک طلاق کی بیان کرنے لگے تو یہ محسوس کیا گیا کہ اگر آئندہ اسی طرح طلاق دینے والے کے بیان نیت کی تصدیق کر کے ایک طلاق قرار دی جاتی رہی تو بعید نہیں کہ لوگ شریعت اسلامیہ کی دی ہوئی اس سہولت کو بے جا استعمال کرنے لگیں، اور بیوی کو واپس لینے کے لئے جھوٹ کہہ دیں کہ نیت ایک ہی کی تھی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست اور انتظام دینا میں دور بینی کو بھی حضرات صحابہ کرام ﷺ نے درست سمجھ کر اتفاق کیا، یہ حضرات صحابہ کرام ﷺ رسول پاک ﷺ کے مزاج شناس تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ اگر ہمارے اس دور میں رسول پاک ﷺ موجود ہوتے تو یقیناً وہ بھی اب دلوں کی مخفی نیت اور صاحب معاملہ کے بیان پر مدار رکھ کر فیصلہ نہ فرماتے، اس لئے قانون یہ بنا دیا کہ اب جو شخص تین بار لفظ طلاق کا تکرار کرے گا، اس کی تین ہی طلاقیں قرار دی جائیں گی، اس کی یہ بات نہ سنی جائے گی کہ اس نے نیت صرف ایک طلاق کی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ الصدر واقعہ میں جو الفاظ منقول ہیں وہ بھی اسی مضمون کی شہادت دیتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ!

﴿ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضینا علیهم﴾

"لوگ جلدی کرنے لگے ہیں ایک ایسے معاملہ میں جس میں ان کے لئے مہلت تھی، تو مناسب رہے گا کہ ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں۔"

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان اور اس پر حضرات صحابہ کرام ﷺ کے اجماع کی یہ وجہ جو بیان کی گئی ہے اس کی تصدیق روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے، اور اس سے ان دونوں اشکال کا خود بخود حل نکل آتا ہے روایات حدیث میں رسول پاک ﷺ سے تین طلاق کو تین ہی قرار دے کر نافذ کرنا

متعدد واقعات سے ثابت ہے تو حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے زمانہ مبارک میں تین کو ایک ہی مانا جاتا تھا کیونکہ معلوم ہوا کہ ایسی طلاق جو تین کے لفظ سے دی گئی یا تکرار طلاق تین کی نیت سے کیا گیا اس میں عہد رسالت میں بھی تین ہی قرار دی جاتی تھیں، ایک قرار دینے کا تعلق ایسی طلاق سے ہے جس میں تین کی تصریح نہ ہو یا تین طلاق کا اقرار نہ ہو، بلکہ تین بطور تاکید کے کہنے کا دعویٰ ہو۔

اب یہ اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جب رسول پاک ﷺ نے تین کو ایک قرار دیا تھا تو حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مخالفت کیوں کی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق کیسے کر لیا کیونکہ اس صورت میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول پاک ﷺ کی دی ہوئی سہولت کے بے جا استعمال سے روکا ہے، معاذ اللہ! رسول پاک ﷺ کے کسی فیصلہ کے خلاف کا یہاں کوئی شائبہ نہیں۔

اس طرح تمام اشکالات رفع ہو گئے۔ الحمد للہ! اس جگہ مسئلہ تین طلاق کی مکمل بحث اور اس کی تفصیلات کا احاطہ مقصود نہیں، وہ شروح حدیث میں بہت مفصل ہے، اور بہت سے علماء نے اس کو مفصل رسالوں میں بھی واضح کر دیا ہے۔

سمجھنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔ (واللّٰہ الموفق والمعین)

① پہلی حدیث:

﴿قال سمعت محمود بن لبید قال اخبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن رجل طلق امراتہ ثلاث تطلیقات جمیعا فقال غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب اللّٰہ وانا بین اظہر کم حتی قام رجل وقال یا رسول اللّٰہ الا اقتلہ﴾

"حضرت سیدنا محمود لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے خبر دی گئی رسول پاک ﷺ کو کسی شخص کی کہ اس نے طلاق دی اپنی عورت کو تین طلاق بیک وقت یہ سن کر رسول پاک ﷺ کھڑے ہو گئے اور غصے میں فرمانے لگے کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیل ہوتا ہے حالانکہ میں ابھی تم میں موجود ہوں یہ بات سن کر ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ اس کو قتل کر ڈالوں۔" (سنن نسائی شریف کتاب الطلاق ج۲ ص۳۴۹)

۲ دوسری حدیث

﴿عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن ابیہ عن جدہ انہ طلق امراتہ البتۃ فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما اردت قال واحدۃ قال اللہ قال اللہ ما اردت﴾

"حضرت سیدنا رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تو رسول پاک ﷺ کے پاس آیا آپ نے سوال کیا قصہ کیا تھا؟ بولا ایک طلاق کا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم بولا اللہ تعالیٰ کی قسم آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو ایک ہی طلاق پڑی۔" (ابوداؤد شریف کتاب الطلاق ج۲ ص۱۸۱)

۳ تیسری حدیث

﴿ان سھل بن سعد الساعدی ان عویمرا العجلانی جاء الی عاصم بن عدی الانصاری فقال لہ یاعاصم ارایت رجلا وجد مع امراتہ رجلاً ایقتلہ فتقتلونہ ام کیف یفعل؟ سل لی یا عاصم

عن ذلک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فسال عاصم عن ذلک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المسائل و عابہا حتی کبر علی عاصم ما سمع من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلما رجع عاصم الی اھلہ جاء عویمر فقال یا عاصم ماذا قال لک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال عاصم لم تاتنی بخیر قد کرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المسئلۃ التی سالتہ عنہا قال عویمر واللّٰہ لا انتہی حتی اسالہ عنہا فاقبل عویمر حتی اتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسط الناس فقال یارسول اللّٰہ ارایت رجلاً وجد مع امراتہ رجلاً ایقتلہ فتقتلونہ ام کیف یفعل؟ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد انزل اللّٰہ فیک وفی صاحبتک فات بہا قال سھد فتلا عنا وانا مع الناس عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلما فرغا قال عویمر کذبت علیہا یارسول اللّٰہ ان امسکتہا فطلقہا ثلاثا قبل ان یا مرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ابن شہاب فکانت تلک سنۃ المتلاعنین ﴾

''حضرت سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ عویمر العجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے عاصم، تمہارا کیا خیال ہے، اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے تو کیا اسے وہ قتل کر سکتا ہے۔ لیکن پھر تم (شرعی قانون کی رو سے) اسے (شوہر کو) قتل کردو گے۔ یا پھر وہ کیا کرے گا؟ عاصم میرے لئے یہ مسئلہ رسول پاک ﷺ سے پوچھ دیجئے۔ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب رسول پاک ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا تو

رسول پاک ﷺ نے ان سوالات کو ناپسند فرمایا اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کے کلمات کا عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ اور جب واپس اپنے گھر آئے تو حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر ان سے پوچھا کہ بتایئے۔ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر فرمایا تم نے میرے ساتھ کوئی اچھی بات نہیں کی (کہ اس طرح کا سوال آپ ﷺ سے کرایا) جو سوال تم نے پوچھا تھا اس پر آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بخدا یہ مسئلہ آپ ﷺ سے پوچھے بغیر میں باز نہیں آؤں گا۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، آپ ﷺ لوگوں کے درمیان تشریف رکھتے تھے حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، آپ ﷺ کا یہ خیال ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پالیتا ہے تو آپ ﷺ کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ اسے قتل کردے؟ لیکن اس صورت میں آپ اسے قتل کردیں گے یا پھر اسے کیا کرنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیوی کے بارے میں وحی نازل کی ہے اس لئے تم جاؤ اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لاؤ۔ حضرت سیدنا سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ پھر دونوں (میاں بیوی) نے لعان کیا لوگوں کے ساتھ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت موجود تھا۔ لعان سے دونوں فارغ ہوئے تو حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! اگر اس کے بعد بھی میں اسے اپنے پاس رکھوں تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) میں جھوٹا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے پہلے ہی اپنی بیوی کو طلاق دی۔ ابن شہاب نے بیان کیا ہے کہ پھر لعان کرنے والوں کے لئے یہی طریقہ

جاری ہو گیا۔"

(بخاری شریف ج ۳ ص ۱۲۴ کتاب النکاح سنن نسائی کتاب الطلاق ج ۲ ص ۲۹)

④ چوتھی حدیث

﴿عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قالت جائت امراۃ رفاعۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالت کنت عند رفاعۃ فطلقنی فبت طلاقی فتزوجت عبدالرحمٰن ابن الزبیر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وانما معہ مثل ھدبۃ الثوب فتبسم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقال اتریدن ان ترجعی الی رفاعۃ لا حتی تذوقی عسیلتہ ویذوق عسیلتک قالت و ابوبکر عندہ و خالد ابن سعید بالباب ینتظر ان یوزن لہ فنادی یا ابابکر لا تسمع ھذہ ماتجھر بہ عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم﴾

"حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رسول پاک ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی کہ میں رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھی اور اس نے مجھے تین طلاق دیں، تب میں نے حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا اور ان کے پاس کچھ نہیں سوا کپڑے کے سرے کے مانند (یعنی قابل جماع نہیں ہے) سو رسول پاک ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو ارادہ رکھتی ہے کہ رفاعہ کے نکاح میں پھر جائے؟ یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی جب تک تو اس کی لذت جماع نہ چکھے اور وہ تیری لذت نہ چکھے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ امیر المومنین

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس وقت موجود تھے اور حضرت سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازے پر منتظر تھے کہ اجازت ہو تو میں بھی خدمت اقدس ﷺ میں آجاؤں! سو حضرت خالد بن سعید نے پکارا کہ اے ابوبکر! آپ سنتے نہیں کہ یہ عورت رسول پاک ﷺ کے سامنے کیا کہہ رہی ہے۔" (مسلم شریف کتاب النکاح ج ۳ ص ۵۲، ۵۳/ ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۵/ ترمذی شریف کتاب النکاح ج ۱ ص ۲۱۲/ بخاری شریف کتاب النکاح ج ۳ ص ۱۲۵)

⑤ پانچویں حدیث

﴿عن فاطمة بنت قيس رضى الله تعالى عنها قالت طلقني زوجي ثلاثا فاردت النقلة فاتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقال انتقلي الى ابن عمك عمر و ابن ام مكتوم فاعتدى عنده﴾

"حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میرے شوہر نے تین طلاق دیں اور میں نے وہاں سے آنا چاہا، اور رسول پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے ابن عم عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چلی جاؤ۔" (مسلم شریف کتاب الطلاق ج ۴ ص ۱۵/ ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۵/ ترمذی شریف کتاب الطلاق ج ۱ ص ۲۳۲)

⑥ چھٹی حدیث

﴿عن مالک انه بلغه ان رجلاً جآء الى عبدالله بن مسعود فقال

انی طلقت امراتی بمائتی تطلیقات فقال ابن مسعود فما ذا قیل لک قال قیل لی انہا قد بانت منی فقال ابن مسعود صدقوا من طلق کما امرہ اللّٰہ فقد بین اللّٰہ لہ ومن لبس علٰی نفسہ لبسا جعلنا لبسہ بہ لا تلبسوا علٰی انفسکم ونتحملہ عنکم ہو کما یقولون﴾

"ایک شخص حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو دو سو طلاق دیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لوگوں نے تجھ سے کیا کہا وہ بولا مجھ سے یہ کہا کہ عورت تیری تجھ سے بائن ہو گئی ابن مسعود نے کہا سچ ہے جو شخص طلاق دے گا اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تو اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت بیان کر دی اور جو گڑبڑ کرے گا اس کی بلا اس کے سر لگا دیں گے۔ مت گڑبڑ کرو تاکہ ہم کو مصیبت اٹھانا پڑے۔ وہ لوگ سچ کہتے ہیں عورت تیری تجھ سے جدا ہوگی۔" (موطا امام مالکؒ ص ۲۴۵)

⑦ ساتویں حدیث

﴿عن ابن شہاب ان مراون بن الحکم کان یقضی فی الذین یطلق امراتہ البتۃ انہا ثلاث بطلیقات﴾

"حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مروان طلاق بتہ میں تین طلاق کا حکم کرتا تھا۔" (موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۴۵)

⑧ آٹھویں حدیث

﴿عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا ان رجلاً طلق امراتہ ثلاثا

فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتحل للاول؟ قال لا حتی یزوق عسیلتھا کما ذاق الاول﴾

"حضرت سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی۔ ان کی بیوی نے دوسری شادی کر لی پھر دوسرے شوہر نے بھی (ہم بستری سے پہلے) انہیں طلاق دے دی۔ رسول پاک ﷺ سے سوال کیا گیا کہ پہلا شوہر اب ان کے لئے حلال ہے (کہ ان سے دوبارہ شادی کر لیں) رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، یہاں تک کہ وہ یعنی شوہر ثانی، اس کا مزہ چکھے جیسا کہ پہلے شوہر نے مزہ چکھا ہے۔"

(بخاری شریف ج ۲ کتاب الطلاق ص ۷۹۱)

⑨ نویں حدیث

﴿عن عائشۃ قالت طلق رجل امراتہٗ فتزوجت زوجًا غیرہٗ فطلقھا وکانت معہٗ مثل الھدبۃ فلم تصل منہ الی شئی تریدہٗ ولم یلبث ان طلقھا فاتت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالت یارسول اللّٰہ ان زوجی طلقنی وانی تزوجت زوجًا غیرہٗ فدخل بی ولم یکن معہٗ الا مثل الھدبۃ فلم یقربنی الاھنۃً واحدۃً لم یصل منی الی شئی فاحل لزوجی الاول فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تحلین لزوجک الاول حتی یذوق الاخر عسیلتک وتذوقی عسیلتہٗ﴾

"حضرت سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت

ہے کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر ایک دوسرے صاحب سے ان کی بیوی نے نکاح کیا، لیکن انہوں نے بھی اس خاتون کو طلاق دے دی اس دوسرے شوہر کے پاس کپڑے کے پلو کی طرح تھا (یعنی وہ نامرد تھے) چنانچہ ان دوسرے شوہر سے یہ جو چاہتی تھیں اس میں سے کچھ بھی انہیں نہ مل سکا اسی لئے انہوں نے انہیں جلد ہی طلاق دے دی۔ پھر وہ خاتون رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تھی پھر میں نے ایک دوسرے مرد سے نکاح کیا۔ وہ میرے پاس تنہائی میں آئے لیکن ان کے پاس تو کپڑے کے پلو کی طرح کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس لئے وہ میرے پاس صرف ایک مرتبہ آئے اور اس میں بھی مجھے ان سے کچھ نہیں ملا۔ تو کیا میرے پہلے شوہر میرے لئے حلال ہو جائیں گے (کہ میں دوبارہ ان سے نکاح کرلوں) رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پہلے شوہر تم پر اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتے جب تک تمہارے دوسرے شوہر تمہارا مزہ نہ چکھ لیں اور تم ان کا مزہ نہ چکھ لو۔"

(بخاری شریف کتاب الطلاق ج ۳ ص ۱۲)

⑩ دسویں حدیث

﴿عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل تکون له المراة فیطلقها فیتزوجها رجل فیطلقها قبل ان یدخل بها اترجع الی الاول قال لا حتی یذوق العسیلة﴾

"حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اس مسئلہ میں اگر مرد کی ایک بیوی ہو

جس کو وہ طلاق دے دے (یعنی تین طلاق) پھر اس عورت سے ایک دوسرا مرد نکاح کرے اور وہ جماع سے پہلے اس کو طلاق دے دے تو ہو پہلے شوہر کے پاس پھر جا سکتی ہے فرمایا ہرگز نہیں پھر جا سکتی جب تک دوسرے شوہر کا مزانہ چکھے۔" (ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۲)

صحیح بخاری شریف و مسلم شریف میں مروی ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رسول پاک ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی کہ میں رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھی اور اس نے مجھے تین طلاق دیں۔ تب میں نے حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا اور ان کے پاس کچھ نہیں سوائے کپڑے کے سرے کے مانند (یعنی قابل جماع نہیں ہے) سو رسول پاک ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو ارادہ رکھتی ہے کہ رفاعہ قرظی کے نکاح میں پھر جائے؟ یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی جب تک تو اس کی لذت جماع نہ چکھے اور وہ تیری لذت نہ چکھے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس وقت موجود تھے اور حضرت سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازے پر منتظر تھے کہ اجازت ہو تو میں بھی خدمت اقدس ﷺ میں آجاؤں سو حضرت خالد بن سعید نے پکارا کہ اے ابوبکر! آپ سنتے نہیں کہ یہ عورت رسول پاک ﷺ کے سامنے کیا کہہ رہی ہے۔

حدیث پاک میں بھی صراحت موجود ہے، اس طرح کی صریح حدیثوں کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

الحاصل یہ ہے کہ تین دفعہ مطلقاً یہ کہا کہ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی اور کوئی نیت نہیں تھی تو اس میں اختلاف ہے کہ تین واقع ہوں گی یا ایک۔ حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس صورت میں امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک ایک مراد کی جاتی تھی، یہ سمجھ کر کہ تاکید کے لئے تین بار کہا ہے، مگر خلافت عمر میں عموماً از سرنو متعدد طلاق ہی مراد ہونے لگی تھی، اس لئے اس ایک طلاق کی صورت میں اسے تین طلاق قرار دیدیا اس روایت کا یہ مطلب ہے کیونکہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ بھی تین طلاق کا ہی ہے۔

امام دارالہجرت سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ''موطا امام مالک'' میں روایت کرتے ہیں۔

حضرت محمد بن ایاس بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں قبل جماع کے پھر اس سے نکاح کرنا چاہا پھر گیا مسئلہ پوچھنے میں بھی اس کے ساتھ گیا اس نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ پوچھا دونوں حضرات نے فرمایا کہ تجھ کو نکاح کرنا اس عورت سے درست نہیں جب تک وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس سے جماع نہ کرلے، وہ شخص بولا میری ایک طلاق سے وہ عورت بائن ہوگئی حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تونے تو اپنے ہاتھوں سے خود اختیار کھودیا (یعنی ایک طلاق کافی تھی) تین طلاق بے فائدہ دی اب جب دے دی تو کیا ہوسکتا ہے بدوں حلالہ کے درست نہیں مطلقہ ثلاثہ کو بغیر حلالہ کے حلال کرنا گویا قرآن کریم کا مقابلہ کرنا ہے کہ قرآن کریم میں تین طلاق کے بعد صاف حکم ہے خواہ تین طلاق ایک دفعہ دی ہوں یا متفرق طور سے پس معلوم ہوا کہ غیر مقلدوں کا یہ فتویٰ جواز نکاح کا بلا حلالہ کے صورت مذکورہ میں دینا عین ضلالت اور گمراہی ہے۔ اس فتویٰ دینے والے غیر مقلدین خارج من المذہب کے فتویٰ کو ہرگز اہلسنت و الجماعت مقلدین ائمہ اربعہ کو نہ ماننا چاہئے۔

اب حضرات صحابہ کرام و فقہاء عظام اور محدثین کی عبارات پر بھی نظر ڈال لیجئے تاکہ مسئلہ واضح طور پر سامنے آجائے۔

امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ

''کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدے تو وہ بائنہ ہو جائے گی، اب دوسرے شوہر سے نکاح کئے بغیر پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی''۔ (الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۱۳۲)

حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جملہ اہل بیت کا فتویٰ

''کہ آل رسول ﷺ کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جو شخص ایک کلمہ سے تین طلاقیں دے گا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی خواہ اس سے ہمبستری کی ہو یا نہیں۔

بلکہ تمام اہل بیت کے علماء حضرت سیدنا امام حسینؓ، زید بن علی، محمد بن علی الباقر، محمد بن عمر بن علی، جعفر بن محمد، عبداللہ بن حسنؒ، اور حضرت محمد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، سب کے نزدیک تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں''۔ (الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۸۵)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ

''کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میں اگر ایک

بار گی تین طلاقیں دے دیتا پھر اس پر کیا فیصلہ ہوتا رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر تم اپنے رب کی نافرمانی کرتے اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہو جاتی"۔ (فتح القدیر ج۳ ص ۳۳۰ دار قطنی)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ

"کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں اس پر حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں بعض لوگ اپنی ناک کو گندگی سے آلودہ کرتے ہیں پھر میرے پاس آتے ہیں مسئلہ پوچھنے کے لئے، جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی"۔ (کتاب الآثار ص ۱۰۵)

حضرت امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

بعض غیر مقلدین خارج عن مذہب نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تین طلاقیں ایک واقع ہونے کی نسبت کی ہے وہ غلط اور جھوٹ ہے کیونکہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ اوپر گذر چکا ہے اب ان کے خاص شاگرد حضرت امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کہ جو ان کی طرف تین طلاقیں ایک ہونے کے قول کی نسبت کرتے ہیں وہ جھوٹ کہتے ہیں۔" (الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۳۶، ۳۷)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ قرآن کریم کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا

ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں عام اس سے کہ اس نے اس سے ہم بستری کی ہو یا نہ کی ہو تو وہ عورت اب اس شخص کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے"۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۱۶۵ و سنن الکبری ج ۷ ص ۳۳۲)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"جس شخص نے ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دے دیں تو بے شک اس نے جہالت کا ارتکاب کیا مگر اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور اس کے لئے وہ کبھی حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے"۔ (کتاب الصلوۃ ص ۳۷)

حضرت محمد بن اسماعیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"اہل علم نے فرمایا کہ اگر تین طلاقیں ایک کلمہ میں دی جائیں تو اس سے حرمت غلیظہ آجاتی ہے بیوی حرام ہو جاتی ہے"۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۹۲)

حضرت امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی رحمہ کا فتویٰ

"امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب لوگوں سے اس بارے میں خطاب فرمایا اور ان میں جناب رسول پاک ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے جو بخوبی جانتے تھے کہ اس سے قبل رسول پاک ﷺ کے زمانے مبارک میں اس کے متعلق کیا ہوتا رہا؟ لیکن ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی نے حضرت سیدنا عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حکم کو نہیں ٹالا تو یہ ایک بہت بڑی حجت ہے کہ اس کے خلاف جو پہلے ہوتا رہا وہ منسوخ ہے کیونکہ جب رسول پاک ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ایک عمل پر متفق ہو جائیں تو وہ لازماً حجت ہے اور جس طرح نص پر ان کا اجماع کرنا سہو و خطا سے پاک ہے اسی طرح رائے پر بھی ان کا اجماع سہو و خطا سے بری ہے" (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۹)

حضرت امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"جمہور علماء اہلسنت والجماعت کا جن میں حضرات تابعین کرام، تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اور بعد کے حضرات بھی شامل ہیں یہ مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور یہی امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ کا مذہب ہے" (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۹ ص ۵۳۷)

حضرت امام ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"جمہور حضرات صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ مسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اس بات پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے" (فتح القدیر ہدایہ ج ۳ ص ۳۲۵)

حضرت علامہ آلوسی سید محمود بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے تو بغیر کسی نص کے توبہ نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء اہلسنت والجماعت کا بھی

اسی پر اتفاق ہے"۔ (ردالمحتار ج ۲ صفحہ [illegible])

حضرت امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"جمہور علماء اہلسنت والجماعت تین طلاقوں کے نافذ ہونے کے قائل ہیں اس پر اجماع ہے اور ان کے خلاف قول شاذ ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا"۔ (زرقانی شرح موطا امام مالک ج ۳ صفحہ [illegible])

حضرت ابو زکریا بن یحییٰ بن شرف امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"جس شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھ پر تین طلاق ہے تو امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی"۔

(شرح مسلم شریف جلد اول صفحہ [illegible])

حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"مقلدین ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ جو تین طلاقیں دفعۃً دی جائیں تو وہ تین ہی شمار ہوتی ہیں"۔ (اعلام مسلک الحنفاء صفحہ [illegible])

حضرت امام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ کا فتویٰ

"تحریم متعہ اور اسی طرح تین طلاقوں کے تین ہونے پر امیرالمومنین

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اتفاق و اجماع واقع ہو چکا تھا اور ان کا اجماع خود اس بات پر دال ہے کہ ان کو ناسخ کا علم ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے بعض کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو۔ اب جو شخص اس اجماع کے بعد اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اجماع کا منکر اور اس کا تارک ہے اور جمہور اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ اجماع کے بعد اختلاف پیدا کرنا مردود ہے"۔ (فتح الباری شرح بخاری شریف ج ۹ ص ۲۹۳)

حضرت امام محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی شافعیؒ کا فتویٰ

"حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو بحالت حیض طلاق دی گئی ہو جب کہ اس سے ہم بستری ہو چکی ہو یا ایسی حالت میں طلاق دی گئی ہو جس میں اس سے ہم بستری کی گئی ہو تو یہ کارروائی تو حرام ہے مگر بلاشک طلاق واقع ہو جائے گی اور اسی طرح تین طلاقوں کا جمع کرنا بھی حرام ہے لیکن واقع ہو جائیں گی"۔

(رحمۃ الامۃ برحاشیہ میزان الشعرانی ج ۲ ص ۷۹)

حضرت امام حافظ ابن القیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے پیشوا امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کے معاملہ میں دفعۃً تین طلاقیں دے کر حماقت کا ثبوت پیش کرنا شروع کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ راشد اور ان کے دیگر رفقاء کی زبان پر شرع اور تقدیر کی رو سے یہ حکم جاری اور ساری کر دیا کہ جو چیز لوگوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے اس کا اجراء اور نفاذ کر دیا جائے" (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۷)

حضرت امام بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی البعلی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"تین طلاقیں جو بیوی کو ہمبستری سے پہلے دی جائیں یا بعد کو دی جائیں دونوں صورتوں کا حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک ایک ہی ہے۔ وہ یہ کہ وہ بیوی اس شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اور جمہور علماء اہلسنت والجماعت کا یہ قول ہے۔" (مختصر الفتاویٰ ص۲۳۶)

حضرت قاضی محمد بن علی امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

"کہ جمہور تابعین اور حضرات صحابہ کرام ﷺ کی اکثریت اور ائمہ اربعہ اور اہل بیت کا ایک طائفہ جن میں امیر المومنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں یہی مذہب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں"۔ (نیل الاوطار ج۶ ص۲۳۵)

حلالہ شرعی کی تشریح

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اگر شوہر بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی، یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح (صحیح) کرے (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے یہ شرط ہے) پھر مر جائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گذر جائے، تب عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی (اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا) یہ حلالہ شرعی ہے۔

تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کر دینا کہ وہ صحبت کے بعد

طلاق دے دے گا، یہ شرط باطل ہے اور حضور رسول پاک ﷺ نے ایسا حلالہ کرنے والے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اور اگر وہ صحبت کئے بغیر طلاق دے دے تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو گی۔

اور اگر دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا، لیکن اس شخص کا اپنا خیال یہ ہو کہ وہ اس عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت یہ ہو کہ وہ دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کر کے پہلے شوہر کے گھر میں آباد ہونے کے لائق ہو جائے گی تب بھی گناہ نہیں۔

حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت

ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حلالہ کو زبان سے مشروط کیا گیا ہو یعنی محلل اس عورت سے کہ جس کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے چکا ہو یہ کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ تمہیں اس شوہر کے لئے کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے، حلال کر دوں (یعنی میں تم سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ میں جماع کے بعد تمہیں طلاق دے دوں تاکہ تمہارے پہلے شوہر کے لئے تم سے دوبارہ نکاح کرنا حلال ہو جائے) یا وہ عورت محلل سے یوں کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں حلالہ مکروہ تحریمی ہو گا۔ ہاں اگر زبان سے یہ نہ کہا جائے مگر نیت میں یہ بات ہو تو پھر محلل نہ قابل مواخذہ ہو گا اور نہ لعنت کا مورد ہو گا کیونکہ اس صورت میں یہ ہی کہا جائے گا کہ اس کا مقصود دراصل اصلاح احوال ہے۔

حضرت امام کمال الدین ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس عورت نے کہ جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہیں غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ جماع بھی کرلیا۔ تو اس صورت میں پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، چنانچہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔

محلل اور محلل لہٗ پر رسول پاک ﷺ کی طرف سے لعنت

﴿عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہٗ﴾

"حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے محلل اور محلل لہٗ پر لعنت فرمائی ہے۔"

(نسائی شریف کتاب الطلاق ج ۲ ص ۷۹)

اب یہاں "المحلل والمحلل لہٗ" میں دو باتیں سمجھنے کی ہیں!

پہلی بات:

پہلی بات یہ ہے کہ بشرط حلالہ نکاح کرنا کیسا ہے، تو یہ بات بالاتفاق مذموم ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

دوسری بات:

اگر اس طرح بشرط حلالہ کسی نے نکاح کرلیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

بغیر شرط حلالہ کے نکاح کیا صرف اس کے دل میں تھا کہ میں جماع کرنے کے بعد

طلاق دے دوں گا تو اس مسئلہ کے بارے میں حضرات آئمہ احناف رحمہم اللہ کی کتب فقہ میں تحریر ہے کہ یہ صورت مذموم نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس پر ثواب بھی مل جائے۔

دوسری صورت:

اگر بشرط حلالہ نکاح کیا کہ جماع کے بعد اس کو طلاق دوں گا اس صورت میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح منعقد ہو گا یا نہیں پھر اگر نکاح منعقد ہو گیا تو یہ شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی یا نہیں۔

حضرات ائمہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اگرچہ یہ شرط باطل ہے اور اگر شوہر ثانی نے جماع کر کے طلاق دے دی یا انتقال ہو گیا تو یہ عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی اس کی دو دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل:

پہلی دلیل یہی حدیث ہے اگر نکاح ثانی منعقد نہ ہوتا تو نکاح ثانی محلل اور شوہر اول محلل لہ نہیں بنے گا۔

دوسری دلیل:

حضرت محدث عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بشرط حلالہ نکاح کیا تھا حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ تم اس نکاح پر قائم رہو یا طلاق دو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔

حضرات ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا استدلال یہ ہے کہ جب دوسرے شوہر کو نکاح پر قائم رہنے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ یہ بات علامت ہے اس بات کی کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکاح کو جائز سمجھتے تھے تو اس عورت سے جماع بھی جائز ہے تو طلاق دینے سے شوہر اول کے لئے حلال بھی ہو جائے گی۔

جمہور اہلسنت والجماعت سلف وخلف رحمہم اللہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تو اس شخص کی بیوی پر طلاق مغلظہ ہو جائے گی چاہے وہ تین طلاقیں متفرق دی ہو یا مجتمع طور پر دی گئی ہو چاہے ایک لفظ کے ساتھ دی ہو یا کئی الفاظ کے ساتھ چاہے ایک مجلس میں دی گئی ہو یا کئی مجلسوں میں بہر حال رجوع کی اب کوئی گنجائش نہیں اب یہ عورت بغیر حلالہ کے شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوگی جب دوسرے شوہر سے نکاح کیا تو پھر دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

دوسرے شوہر نے بعد جماع طلاق دی یا بعد جماع انتقال ہو گیا تو یہ پھر شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

دوسری صورت:

دوسرے شوہر نے قبل جماع طلاق دی یا قبل جماع انتقال ہو گیا تو حلال نہیں ہوگی اس صورت کے متعلق اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر اول کے لئے حلال ہونے کی شرط جماع ہے۔ یہ جمہور اہلسنت والجماعت سلف وخلف رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ تمام مسلمانوں کو صحیح صحیح دین کے احکامات کو سمجھنے کی اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

اور ہر قسم کی ضلالت و گمراہی سے بچنے اور بچانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد

وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

وباللّٰہ التوفیق

خاک زیر نعلین شفیق الامتؒ

عاصی و خاطی محمد جاوید عثمان میمن عفی عنہ

۱۵/ شعبان ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۱ء

تصانیف

محمد جاوید عثمان میمن

خلیفہ مجاز

شفیق الامت حضرت مولانا شاہ محمد فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

- مناجات مصطفیٰ ﷺ (زیر طبع)
- تیجہ اور چالیسویں کی شرعی حیثیت
- نماز جنازہ کے بعد کی دعا کا حکم
- درود و سلام پر مفصل گفتگو
- قرآن و سنت کی روشنی میں ایصال ثواب کی اہمیت
- ایک مجلس کی تین طلاق
- مدینہ منورہ کی عظمت و محبوبیت
- فرض نمازوں کی بعد اجتماعی دعا کا ثبوت
- اسلام اور نکاح (زیر طبع)
- شعبان کی پندرھویں رات کی حقیقت

ملنے کا پتہ

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی نمبر ۵

مجموعہ مقالات علمیہ
در بارہ
ایک مجلس کی تین طلاق
مشتمل بر
کارروائی سیمینار
منعقدہ نومبر ۱۹۷۳ء۔ احمد آباد
شبہات کا حل
دعوت فکر و نظر
از مولانا کرم شاہ ازہریؒ آف بھیرہ

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (القرآن الحکیم)

مجموعہ مقالاتِ علمیہ

در بارہ

ایک مجلس کی تین طلاق

مشتمل بر

- کارروائی سیمینار منعقدہ نومبر ۱۹۷۳ء۔ احمد آباد (ہندوستان)
- شبہات کا حل
- دعوت فکر و نظر۔ از مولانا کرم شاہ ازہری آف بھیرہ

ناشر

فہرستِ مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

مسلمانوں جن معاشرتی مسائل سے دوچار ہیں ان میں سب سے اُبھرا ہوا مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاق کا ہے جس کو ایک طرف عوام کی جہالت اور نادانی نے اور دوسری طرف علماء کے فقہی اختلافات نے کافی مشکل و پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں اور بعد میں جب اسے معلوم ہوا کہ طلاق مغلظہ ہوگئی ہے تو وہ پچھتانے لگا کہ اس سے یہ کیسی حرکت سرزد ہوگئی۔ خاص طور سے جب وہ اپنے بیوی بچوں کے مستقبل پر غور کرتا ہے تو اسے بڑی پریشانی ہوتی ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ کسی وقت غصہ میں تین طلاق کے الفاظ زبان سے نکل جانے پر طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے تو وہ ہرگز یہ الفاظ زبان سے نہ نکالتا۔ یہ صورت حال کم و بیش ہر جگہ پائی جاتی ہے اور ایک وقت کی تین طلاقوں کے نتیجہ میں کتنی ہی زندگیاں تباہ اور کتنے ہی خاندان برباد ہو جاتے ہیں یا پھر حلالہ کرنے کا ناجائز اور گھناؤنا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس لئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ سنجیدہ غور و فکر، تحقیق اور شریعت کے دائرہ میں موزوں حل کا متقاضی ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر طلاقِ ثلاثہ کے موضوع پر [illegible] نومبر [illegible] کو اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کی طرف سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔

سیمینار میں جو مقالات پیش کئے گئے تھے ان کو بحث و تمحیص کے بعد مجلس مذاکرہ متفقہ طور پر جس نتیجہ پر پہنچی تھی اسے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ مسئلہ کے مختلف پہلو مدلل طور پر سامنے آ سکیں اور لوگوں کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچنا آسان ہو جائے۔ اس کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ کسی کی تحقیق، رائے یا مسلک کو زبردستی لوگوں پر تھوپ دیا جائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ملت جن مسائل سے دوچار ہے ان کا حل نکالنے اور اختلافات کی خلیج کو کم کرنے کے لئے تحقیق کا انداز اختیار کرنے، مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء

اور صفحہ دین کو ایک مکمل شجر کرنے اور بحث و تحقیق کے ذریعہ کسی متفقہ تجویز پر پہنچنے کے طریقہ کو نظرِ استحسان سے دیکھا جائے گا اور اس کی پوری طرح حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

آخر میں ایک مضمون "طلاق دینے میں اصلاح در حقیقت طلاق کی ضرورت" کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ اس سے عام شرعی اصلاح میں مدد ملے جس کی شدید ضرورت کا اظہار جلسہ مذاکرہ نے بھی اپنے متفقہ بیان میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کے لئے افادیت کا ذریعہ بنائے۔

حبیب الرحمٰن
(فاضل دیوبند) (ایڈووکیٹ)
کنوینر، ملّت ریسرچ سنٹر، احمد آباد

نوٹ: ترجمان کے طلاق نمبر میں مقالات کے شائع ہو جانے کے بعد جو اعتراضات سامنے آئے ان کا مدلل جواب چند مقالہ نگار حضرات نے دیا ہے، ان کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

پیش لفظ

از شمس پیرزادہ

تین یکجائی طلاقوں کے ایک یا تین واقع ہونے کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو فروعات دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مسائل میں اختلاف کا پیدا ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں ہے اور نہ اس سے کسی قسم کی کمزوری لازم آتی ہے بشرطیکہ یہ اختلافات شرعی دلائل پر مبنی ہوں اور خواہشات کا ان میں کوئی دخل نہ ہو۔ ایک وقت کی تین طلاقوں نے جو معاشرتی مسائل پیدا کر دیے ہیں اور اسلام کے معاشرتی نظام کی جو غلط تصویر دنیا والوں کے سامنے پیش کر دی ہے اس کے پیش نظر اس اختلافی مسئلہ پر از سر نو غور کرنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا اصل حل تلاش کرنا دین و ملت کے مصالح کا صریح تقاضا ہے۔

اسی تقاضے کے پیش نظر "ایک مجلس کی تین طلاق" کے موضوع پر احمد آباد میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا تھا تاکہ اجتہادی طور پر اہل علم کی ایک مختصر سی مجلس باہمی مذاکرہ، دریافت و تحقیق کے ذریعہ مذکورہ مسئلہ کا حل تلاش کر سکے۔ الحمد للہ! اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کی یہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی۔ سیمینار کے ذریعہ مسئلہ کے مختلف گوشے، موافق و مخالف دلائل اور مجلس کی متفقہ رائے جو اس اختلافی مسئلہ کے حل کی حیثیت رکھتی ہے سامنے آگئی۔ تمام حلقوں نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس تاثر کا اظہار کیا کہ اس قسم کے سیمینار دیگر اہم دینی و ملی مسائل مثلاً رؤیت ہلال کا مسئلہ، انشورنس کا مسئلہ وغیرہ پر بھی منعقد ہونے چاہئیں۔ لیکن جو حضرات اپنے مخصوص مزاج اور انداز فکر کی بنا پر وسعت ظرفی کا ثبوت نہیں دے سکتے انہوں نے حسب معمول اس مسئلہ کو بھی بحث و جدال کا موضوع بنا کر مناظرانہ انداز کی بحث شروع کر دی۔ ہمیں اس بحث میں الجھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کیونکہ جو مقالات سیمینار میں پیش کیے گئے تھے ان کا منشا تحقیق کرنا اور نتیجے تک پہنچنا تھا نہ کہ اپنی بات اُلٹے سیدھے طریقے سے منوانا۔ اس لیے اعتراضات سے ہم نے صرف نظر کرنا چاہا ہے البتہ جہاں تک کہ مسئلہ کی تنقیح کے لئے تعرض کرنا ضروری ہے۔

مجلس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ:

ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاق مغلظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ اجماعی اور قطعی نہیں ہے۔ اس میں

سلف ہی کے زمانہ سے اختلاف موجود ہے۔

اس پر بعض لوگوں سے یہ اعتراض سامنے آیا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی نہیں بلکہ اجماعی ہے۔ لیکن مسئلہ سے متعلق جب ایسی ہوئی بحثیں، محدثین کی جرح و قدح، اور نصوص کی تعبیر و تشریح میں علماء و فقہاء کے اختلافات سامنے آتے ہیں تو اجماع کے دعوے کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے اور یہ اسی طرح یا مانند ہو جاتا ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے جس میں رایوں کے اختلاف کے لئے پوری گنجائش موجود ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض ہے کہ مقالہ نگار حضرات کو جو سوالنامہ بھیجا گیا تھا اس میں ایک سوال اجماع کے بارے میں بھی تھا:

"کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے منعقد ہونے پر امت کا اجماع ہے؟"

اس سوال کا جواب مفصل طور پر ہر مقالہ نگار نے دیا ہے۔ ان جوابات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں سلف ہی کے زمانہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ لہٰذا اجماع کا دعویٰ کر کے لوگوں کو مرعوب تو کیا جا سکتا ہے لیکن اجماع ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کتنے ہی مسائل میں اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ اجماعی نہیں ہوتے۔ چنانچہ امام احمدؒ سے یہ قول منقول ہے کہ:

وما يدعى فيه الرجل الاجماع هو الكذب، من ادعى الاجماع فهو كاذب لعل الناس قد اختلفوا ما يدريه ولم ينته اليه فليقل لا نعلم الناس اختلفوا۔

جس مسئلہ میں آدمی اجماع کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹ ہوتا ہے۔ جو شخص بھی اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ ممکن ہے لوگوں نے اختلاف کیا ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو۔ اس کو چاہئے کہ یوں کہے کہ لوگوں کے کسی اختلاف کا ہمیں علم نہیں۔

(اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۳۰)

امام شوکانیؒ نے بھی امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

من ادعى وجود الاجماع فهو كاذب۔ جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

(ارشاد الفحول ص ۶۳)

پھر اجماع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجماع صریح اور دوسرا اجماع سکوتی۔ اجماع صریح یہ ہے کہ وقت کے تمام مجتہدین کسی بات پر متفق ہو جائیں، یعنی ان میں سے ہر مجتہد صریح طور سے اپنی رائے کا اظہار کرے اور اجماع سکوتی یہ ہے کہ وقت کے بعض مجتہدین اپنی رائے کا صراحۃً اظہار کریں اور باقی مجتہدین سکوت اختیار کریں۔

کشف الاسرار (زبدۃ الانوار ص ۲۴۹) اسی طرح ثابت ہوگا جس طرح کہ اکثریت کا اتفاق ثابت ہوتا ہے

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

"اگر ایک مجتہد نے بھی اختلاف کیا ہو تو جمہور کے نزدیک نہ اجماع ہوگا اور نہ حجت۔ (ارشاد الفحول ص [illegible])

پھر حجیت اجماع کے لئے جمہور کے نزدیک شرط یہ ہے کہ تواتر سے ثابت ہو ، اخبار آحاد کے اجماع کو بھی جمہور حجت تسلیم نہیں کرتے۔

ان تصریحات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مسئلہ پر اجماع ثابت کر دکھانا آسان نہیں ہے ، اور اگر کسی اجتہادی مسئلہ میں اجماع سکوتی کا ثبوت مل بھی جائے تو اس کے حجت ہونے ہی پر جب اجماع نہیں ہے تو اس سے شرعی حجت کس طرح قائم ہوگی؟

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ تین یکبارگی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر نہ قرآن کی کوئی واضح نص ہے نہ کوئی ایسی حدیث جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی ، اور نہ کوئی اجماع ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ قرآن و سنت کے نصوص کی تعبیر اور اجتہاد و استنباط سے تعلق رکھتا ہے ، اسی وجہ سے اس میں اختلاف چلا آ رہا ہے اور ایک مسلک مستقل اہل حدیث کے نام سے موجود ہے جو ایک وقت کی تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق تسلیم کرتا ہے۔ اگر چار مسلکوں کو برحق تسلیم کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پانچویں مسلک کو بھی برحق تسلیم نہ کیا جائے جبکہ اس کی پشت پر علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ جیسے مجتہدین ہوں۔ لہٰذا ہر قسم کی تنگ نظری اور مسلکی عصبیت کو طاق پر رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے اس مسئلہ کو اس طور سے پیش کیا جانا چاہئے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور دلائل دونوں طرف ہیں۔ اگر کوئی شخص تین یکبارگی طلاقوں کو ایک قرار دینے والے مسلک کو اختیار کرتا ہے تو اس کی پوری گنجائش اسلام کے اندر موجود ہے اور اس سے کوئی گمراہی ہرگز لازم نہیں آتی۔

ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ پر مجلس مذاکرہ کی متفقہ رائے

اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد (گجرات) کی دعوت پر احمد آباد میں ۲، ۳ نومبر ۱۹۷۳ء کو ایک مجلس میں تین طلاق، کے موضوع پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ اس مجلس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے فرمائی۔ مفتی صاحب موصوف کے علاوہ اس مجلس میں درج ذیل علماء کرام نے شرکت فرمائی:-

(۱) مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب (فاضل دیوبند) مہتمم مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں

(۲) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی، مدیر برہان۔ دہلی

(۳) مولانا مختار احمد صاحب ندوی ناظم جمعیۃ اہل حدیث بمبئی

(۴) مولانا عبد الرحمٰن صاحب ابن شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی

(۵) مولانا سید احمد صاحب عروج قادری مدیر ماہنامہ زندگی رامپور (یوپی)

(۶) مولانا سید حامد علی صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند دہلی

(۷) مولانا شمس پیرزادہ صاحب امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر اسٹیٹ

اسلامک ریسرچ سنٹر نے ان حضرات کے علاوہ متعدد دوسرے علماء کرام کو بھی مدعو کیا تھا مگر وہ اپنی مختلف مصروفیتوں کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔

اسلامک ریسرچ سنٹر نے ان حضرات کی خدمت میں ایک سوالنامہ بھی ارسال کیا تھا جو صفحۂ مقابل پر درج ہے۔

یہ مجلس مذاکرہ گجرات چیمبر آف کامرس ہال، احمد آباد میں منعقد ہوئی جس میں مذکورہ بالا سات حضرات نے اپنے تحقیقی مقالے پیش فرمائے۔ ان مقالات میں مسئلہ مذکورہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب و سنت کی روشنی میں مدلل بحث کرتے ہوئے اپنا اپنا نقطۂ نظر واضح کیا گیا تھا۔ مقالات میں مختلف فقہی نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی تھی۔

صدر مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اپنی مصروفیات کے باعث

مقالہ ترتیب نہ کر سکے تھے، اس لئے انھوں نے مقالات کی خواندگی کے اختتام پر تقریر کی شکل میں اپنے خیالات پیش فرمائے جس میں دوسرے قیمتی مشوروں کے علاوہ نقطۂ اتفاق تلاش کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ تقریر کے بعد مسئلہ مذکور پر بحث و تمحیص کا آغاز ہوا جس کے بعد مجلس مذاکرہ متفقہ طور پر حسب ذیل نتیجہ پر پہنچی :-

۱۔ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاق مغلظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ اجماعی اور قطعی نہیں ہے۔ اس میں سلف ہی کے زمانے سے اختلاف موجود ہے۔

۲۔ فقہی جزئیات و تفصیلات سے قطع نظر مندرجہ ذیل دو صورتوں کے بارے میں مجلس مذاکرہ کی رائے یہ ہے:

(الف) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے طلاق، طلاق، طلاق کہتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی میں نے طلاق کا لفظ تاکید کے لئے دہرایا تھا، تو اس کی یہ بات قبول کی جائے گی اور یہ طلاق، طلاق مغلظہ بائنہ شمار نہ ہوگی۔

(ب) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے: تجھے تین طلاق۔ مگر وہ حلفیہ بیان دیتا ہے کہ میری نیت تین طلاقیں دینے کی نہیں تھی بلکہ میں یہ سمجھتا تھا کہ تین طلاق کا لفظ کہے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے میں نے تین طلاق کے الفاظ استعمال کئے تھے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور یہ طلاق طلاق مغلظہ بائنہ شمار نہ ہوگی۔

۳۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو طلاق کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا طریقہ بدعت و معصیت اور عورت کے حق میں ظلم و زیادتی ہے۔ طلاق کے اس غلط طریقے سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہئے اور طلاق دینا ضروری ہی ہو تو ایک طلاق پر بس کرنا چاہئے اور یہ طلاق بھی عورت کی پاکی کی حالت میں دینی چاہئے جس میں شوہر نے اس سے مقاربت نہ کی ہو۔

دستخط

۱۔ محفوظ الرحمن ۳۔ سعید احمد اکبرآبادی ۴۔ مختار احمد ندوی ۵۔ سید احمد عروج قادری ۶۔ عبدالرحمن حقانی

۲۔ حامد فیصلی ۷۔ شمس پیرزادہ ۸۔ عتیق الرحمن عثمانی (صدر مجلس مذاکرہ)

تطلیقات ثلاثہ

سوالنامہ

[سیمینار میں حصہ لینے والوں کی خدمت میں ایک سوالنامہ روانہ کیا گیا تھا تاکہ بعض مخصوص سوالات کی روشنی میں مقالے مرتب فرمائیں۔ مذکورہ سوالنامہ کا مضمون درج ذیل ہے۔]

عام طور سے لوگ جہالت اور شرعی احکامات سے ناواقفیت کی وجہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں جب طلاق کے مغلظہ ہونے کا فتویٰ ملتا ہے تو وہ پچھتانے لگتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ میری نیت تین طلاق دینے کی نہیں تھی، محض تاکید کے طور پر طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرایا تھا اور کوئی کہتا ہے کہ تین طلاق کے الفاظ میں نے اس لئے استعمال کئے تھے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

پھر ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو مغلظہ قرار دینے کے بعد حلالہ کرنے کی قبیح صورتیں تجویز کی جاتی ہیں اور ناروا حیلے تلاش کئے جاتے ہیں۔ اس صورت حال نے ایک طرف تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں مشکلات پیدا کردی ہیں اور دوسری طرف مسلم پرسنل لا اور اسلامی نظام معاشرت کے مخالفین اس صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ وہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کا سہارا لے کر دین پر حرف زنی کرتے ہیں۔ اس لئے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مسئلہ کا کوئی حل تلاش کرنا ہے۔

مجلس مذاکرہ کے لئے جو ۳، ۴، ۵ اور ۶ نومبر ۱۹۸۹ء کو احمد آباد میں منعقد ہو رہی ہے، آپ جو مقالہ مرتب فرمائیں گے اس میں اپنے نقطۂ نظر کو مدلل طور پر پیش کرنے کے ساتھ درج ذیل سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمائیں تو مناسب ہوگا۔

(۱) کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرانے سے یعنی بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہو کہ

میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی؟

(۲) کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے ۔ لفظ "تین" کی صراحت کے ساتھ لیکن وہ کہتا ہے کہ میں مجبور ہوا تھا کہ تین کا لفظ جب تک استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں۔ اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک؟

(۳) کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر امت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو ان علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔

(۴) آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلہ کا کیا حل ہے؟ اسے ایک شمار کیا جانا چاہیے یا تین؟

محمد حبیب الرحمٰن
اقبال مرتقی والا ایڈوکیٹ
کنوینر اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد

سیمینار کی کارروائی

ستمبر گذشتہ میں اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر طلاقات ثلاثہ کے موضوع پر ایک سیمینار کرنے کا فیصلہ کیا اور ملک کے سلجھے ہوئے علمائے کرام کو دعوت نامے جاری کر دیے جن کے جوابات بہت حوصلہ افزا موصول ہوئے۔ متعدد علماء نے اراکین سنٹر کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے جدید حالات و ضروریات زمانہ کے پیش نظر فقہی مسائل میں غور و فیصلہ کی شدید ضرورت کا اظہار کیا۔

سیمینار کے لئے ۱۴، ۱۵، ۱۶ نومبر گذشتہ کی تاریخیں مقرر کی گئیں۔ جوں جوں تاریخیں قریب آتی گئیں احمد آباد کے نوجوان مستعدی سے انتظامات میں لگ گئے اور ایک ٹیم ورک کی طرح کام شروع کر دیا۔ سیمینار کے لئے گجرات چیمبر آف کامرس کا شاندار ہال مخصوص کیا گیا تھا جہاں نشست کا نہایت معقول انتظام اور پرسکون ماحول تھا اللہ کا شکر ہے کہ مقررہ تاریخ کو مدعو علماء حضرات تشریف لے آئے جن کا قیام احمد آباد کی نہایت مخیر اور علم دوست شخصیت جناب مفضل صاحب کے وسیع مکان میں رہا۔

سیمینار ۱۴، ۱۵، ۱۶ نومبر کو انعقاد پذیر ہوا جس میں حصہ لینے والوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب — صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت
۲۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب — ایڈیٹر ماہنامہ برہان، دہلی
۳۔ مولانا سید احمد عروج قادری صاحب — ایڈیٹر ماہنامہ زندگی، رامپور
۴۔ مولانا مختار احمد ندوی صاحب — صدر جمعیت اہل حدیث، بمبئی
۵۔ مولانا سید حامد علی صاحب — سکریٹری جماعت اسلامی ہند
۶۔ مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی صاحب — استاذ مدرسہ بیت العلوم، مالیگاؤں
۷۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب
۸۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب — امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر

صدارت کے فرائض مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے انجام دیئے۔ مذاکرہ کا افتتاح مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جناب حبیب الحق صاحب امیر جماعت اسلامی احمد آباد نے مذاکرہ کی غرض و غایت بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ یوں تو متعدد مسائل ہیں جو جدید حالات و ضروریات زمانہ کے پیش نظر مسلم عوام کے لئے الجھن اور پریشانی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہم نے ایک مجلس میں تین طلاق کے مسئلہ کو فوقیت دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ کی صحیح واقفیت نہ ہونے اور مناسب رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے مسلم معاشرے میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جس کی مثالیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں لوگ جذبات سے مغلوب ہو کر تین طلاق دے بیٹھتے ہیں اور جب پریشانی ہوتی ہے تو مختلف حیلوں بہانوں سے اپنی مطلب براری کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ شریعت کے اس مختلف فیہ مسئلہ پر بحث و گفتگو کے لئے ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی جائے جس میں ملت کے مختلف مکاتب فکر کے اصحاب علم اور صاحب الرائے علماء کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ جدید معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر زیر بحث مسئلہ میں اتفاق رائے سے کوئی فیصلہ کریں چنانچہ اسی غرض کے لئے اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد نے آپ حضرات کو تکلیف دی ہے۔ میں سنٹر کی طرف سے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خلوص کے ساتھ اتحاد و اتفاق کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی صاحب نے اپنی تقریر میں مذاکرہ کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ "اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کے ذمہ داران قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے وقت کے ایک اہم مسئلہ پر امت کے مختلف مکاتب فکر کے علماء کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ مسئلہ واقعتاً ہماری اولین توجہ کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کے مناسب حل کے سامنے نہ ہونے کے باعث مسلم معاشرہ میں طرح طرح کی خرابیاں رونما ہو رہی ہیں" جس کی چند مثالیں مولانا نے پیش کیں۔

مولانا سید احمد عروج قادری صاحب نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: "دین اسلام کے معاشرتی مسائل جڑے ہوئے ہیں اس کے عقائد سے۔ لہٰذا توحید، آخرت اور رسالت کی حقیقت کو اچھی طرح مسلمانوں کے ذہن نشین کرا دیا جائے تو اس طرح کے معاشرتی مسائل بھی آسانی کے ساتھ

حل ہوں گے۔ مذکورہ بنیادی حقائق اور ان کے تقاضے اچھی طرح ذہن نشین ہوں تو طلاق کے
معاملہ میں بھی ترک تعصب، اسلامی طریقہ طلاق کو اختیار کریں گے اور اس طریقے کو چھوڑ دیں گے جو آج کل
معاشرہ میں رواج پا چکا ہے اور جس کے بعد پشیمانی ہوتی ہے۔

مولانا مختار احمد ندوی صاحب نے بھی موضوع زیر بحث پر سیمینار منعقد کرنے پر
احمد آباد کے لوگوں کی تحسین فرمائی اور علمائے کرام سے اپیل کی کہ وہ مسالک کے اختلافات سے
ہٹ کر امت کا جو مسئلہ ہو اس کو حل کی راہ متعین فرمائیں۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا
شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک مختلف فیہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے امت کے مختلف الخیال علماء
جمع ہو گئے ہیں اور اس سلسلہ میں اسلامک شریعہ کونسل مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے ایک مختلف فیہ
مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک بہت اچھی تجویز رکھی اور علمی طریقہ اختیار کرنے کی داغ بیل
ڈالی ہے۔ آپ نے معاشرتی خرابیوں کے چار اہم اسباب کا ذکر کیا (۱) روایت پرستی
(۲) فقہی موشگافیاں (۳) اجتہاد کا دروازہ بند کرنا (۴) کسی ایک فقہی مسلک سے چمٹ کر
رہ جانا۔ آپ نے کہا ہمارے علماء جب تک کھلے ذہن کے ساتھ اور براہ راست قرآن و سنت کی
روشنی میں مسائل پر غور نہیں کریں گے ملت کے پیچیدہ مسائل کا کوئی حل نہیں نکل سکے گا۔

سیمینار کی اس افتتاحی نشست میں مہمان علمائے کرام کے علاوہ شہر کے پڑھے لکھے
باشعور حضرات نے بھی شرکت کی اور اہل علم کی تقاریر کو غور سے سنا۔ اس کے بعد دوپہر سے
مقالات کی خواندگی کا دور شروع ہوا جو دوسرے دن تک جاری رہا۔ پہلا مقالہ مولانا محفوظ الرحمٰن
قاسمی (مالیگاؤں) نے پیش کیا۔ اس کے بعد علی الترتیب مولانا عروج قادری صاحب، مولانا شمس
پیرزادہ صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب، مولانا مختار احمد ندوی صاحب، مولانا
عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب اور مولانا حامد علی صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے پیش فرمائے
ان مقالات میں مسئلہ مذکورہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب و سنت کی روشنی میں مفصل بحث
کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر واضح کیا گیا تھا اور مختلف فقہی مذاہب کے نظریہ کی ترجمانی
کی گئی تھی۔

صدر مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اپنی مصروفیات کے باعث مقالہ مرتب نہ کر سکے تھے، لہٰذا موصوف نے مقالات کی خواندگی کے اختتام پر تقریر کی شکل میں اپنے خیالات پیش فرمائے۔ صدارتی تقریر کے بعد مسئلہ مذکور پر بحث و تمحیص کا آغاز ہوا اور درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(۱) مولانا سید حامد علی صاحب (۲) مولانا عروج قادری صاحب (۳) مولانا شمس پیرزادہ صاحب

مذکورہ کمیٹی نے اپنی نشست میں بحث کے بعد بیان کا مسودہ تیار کیا جو ۱۰ نومبر کے صبح کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ شرکائے اجلاس نے اس پر غور و بحث اور ترمیم و اضافہ کے بعد اسے آخری شکل میں متفقہ طور پر منظور کیا اور اس پر تمام شرکائے مجلس نے اپنے دستخط ثبت کئے۔ مجلس کا یہ بیان صفحہ ۹ پر درج ہے۔

اس کے بعد شرکاء کی طرف سے آئندہ مجلس مذاکرہ کے سلسلہ میں مشورے سامنے آئے۔ مسائل حاضرہ پر کتاب و سنت کی روشنی میں اجتماعی طریقے سے غور و بحث کے ذریعہ نقطۂ اتفاق تلاش کرنے کو علماء حضرات نے پسند کیا اور اس خیال کا اظہار فرمایا کہ آئندہ جو سیمینار منعقد کئے جائیں وہ درج ذیل موضوعات پر ہوں:-

۱۔ رویت ہلال کا مسئلہ

۲۔ سرکاری اداروں سے سود پر قرض حاصل کرنے کا مسئلہ

۳۔ نسبندی اور تحدید نسل کا مسئلہ

۴۔ فوٹو کا مسئلہ

اس کے بعد جناب حبیب الرحمٰن صاحب کنوینر اسلامک ریسرچ سنٹر نے شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور دعا پر اجلاس ختم ہوا۔

مرتب

عبدالرحمٰن شفیع

تطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ

از

مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی

فاضل دیوبند، مدرس مدرسہ بیت العلوم، مالیگاؤں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلاق ثلاثہ کے موضوع پر غور و فکر کرنے کے لئے میرے نزدیک چار بنیادیں ہیں جن پر غور کرنے کے بعد ہمیں فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہمارے لئے موجودہ حالات میں کون سا راستہ زیادہ قابل قبول اور قابل عمل ہے۔

۱۔ کیا تین طلاق کو ایک سمجھنے کا خیال دورِ نبوت سے ہی آرہا ہے؟ اور کیا احادیث میں اس کے لئے کوئی بنیاد موجود ہے یا نہیں؟ اگر اس کی بنیاد موجود ہے اور دورِ نبوت سے ہی بحث و گفتگو کی گنجائش چلی آرہی ہے تو اب ہمارے لئے اور مسئلوں کی طرح یہاں بھی دیکھنا ہوگا کہ ہمارے معاشرے کے لئے کونسی صورت زیادہ مناسب ہے اس کو اختیار کر لیا جائے۔

۲۔ غور و فکر کی دوسری بنیاد یہ کہ کیا تین طلاقیں ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شئے ہے؟ اگر نہیں تو کیوں نہ ایسی شکل پر غور و فکر کیا جائے جو سنت کے مطابق اور شریعت کے منشا کے عین مطابق ہو۔

۳۔ غور و فکر کی تیسری بنیاد کیا فقہ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اقوال سے ہٹ کر کسی دوسرے امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا جائے۔

۴۔ غور و فکر کی چوتھی بنیاد ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہمیں کون سی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ قانون کی عمدگی کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس میں معاشرہ کے لئے زیادہ سے زیادہ خیر و فلاح کی ضمانت ہو۔

آیئے اب ہم پہلی بنیاد پر غور کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہے اور اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ ہمیشہ سے تسلیم کرتا آیا ہے۔ اس کے لئے ہم مختصراً چار احادیث نقل کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ابو صہبا نے ابن عباس سے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین طلاقیں دورِ نبوت، اور دورِ ابو بکرؓ اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی برسوں میں ایک ہی مانی جاتی تھیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں یہ بات مجھے معلوم ہے۔ مسلم، ابو داؤد، نسائی، حاکم، بیہقی میں ہے: ابن عباس سے

فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور ابوبکرؓ کے زمانے میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاق ایک ہی گنی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ لوگ اس معاملہ میں جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں جس میں ان کے لئے ترجیح تھا۔ لہٰذا ہم اس کو جاری کر دیں، سو آپ نے جاری کر دیا۔ ابوداؤد کی روایت ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اذا قال انت طالق ثلاثا بفم واحد فھی واحدۃ (کسی نے اگر ایک ہی جملہ سے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہے)۔ یہ بیہقی میں ہے۔ مسند احمد جلد اول میں واقعہ مذکور ہے کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور حضورؐ نے ان کو مراجعت کرنے کا اختیار دیا۔ ان احادیث میں سے اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو یا محل کلام ہو تو اور متعدد طریقوں سے جو مرویات آتی ہیں وہ اس ضعف کی تلافی کر دیتی ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی عمدۃ الرعایہ جلد دوم صفحہ ۷۱ پر تحریر فرماتے ہیں: والقول الثانی انہ اذا طلق ثلاثا تقع واحدۃ رجعیۃ وھذا ھو المنقول عن بعض الصحابۃ وبہ قال داؤد الظاھری واتباعہ وھو احد القولین لمالک ولبعض اصحاب احمد (یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دے تب بھی ایک رجعی ہوگی اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہؓ سے منقول ہے۔ داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام احمدؒ کے بعض اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں) علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں: طاؤس، ابن اسحٰق، حجاج ابن ارطاۃ، نخعی، ابن مقاتل اور ظاہریہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدے تو ایک واقع ہوگی۔ ان لوگوں نے ابوصہبا کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو مسلم شریف میں ہے۔ آپ ناموں کی فہرست پر نگاہ ڈالئے، یہ حضرات اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کی فہرست میں آتے ہیں۔ حضرت طاؤس زبردست فقیہ ہیں، محمد بن اسحٰق امام المغازی ہیں، حجاج بن ارطاۃ کوفہ کے مشہور فقیہ ہیں، ابراہیم نخعی امام ابوحنیفہ کے استاد ہیں اور محمد بن مقاتل رازی امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ علامہ عینیؒ کی جو عبارت اوپر منقول ہوئی قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی لکھا ہے۔ امام نوویؒ شارح مسلم نے صفحہ ۴۷۸ جلد اول میں بھی قریب قریب یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۴۵ پر علامہ شوکانی لکھتے ہیں: اور اہل علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ تین طلاق کے پیچھے واقع نہیں

جو تین اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے۔ صاحب بحر نے اس کو ابو موسیٰ اشعری سے اور ایک روایت حضرت علی سے اور ابن عباس سے طاؤس، عطاء، جابر بن زید، ہادی، قاسم، باقر، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کیا ہے۔ اسی طرف متاخرین کی ایک جماعت گئی ہے جس میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے۔ اور ابن منذر نے اس کو اصحاب ابن عباس، عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اور مشائخ قرطبہ محمد بن بقی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا فتویٰ اس قول پر نقل کیا ہے۔ ابن مغیث نے اس کو عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ ان کے جد امجد ابو البرکات مجد الدین عبدالسلام حرانی بھی کبھی کبھی طلاق ثلاثہ کے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر ص ۲۴۸ جلد دوم میں "ھو اختیار کثیر من علماء الدین" کا لفظ نقل کیا ہے۔ یعنی یہی مسلک بہت سے علماء دین کا پسندیدہ ہے۔ روح المعانی جلد ۲ ص ۱۳۶ میں ہے: "وخالف فی ذلک الامامیۃ وبعض من اھل السنۃ کالشیخ احمد بن تیمیۃ ومن تبعہ" یعنی اس مسئلہ میں امامیہ اور بعض اہل سنت والجماعت کے افراد جیسے شیخ ابن تیمیہ اور ان کے متبعین اس کے خلاف ہیں۔ امام طحاوی نے بھی معانی الآثار ص ۲۹ جلد ۲ میں ابن عباس کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "فذھب قوم الی ان الرجل اذا طلق امرأتہ ثلاثا معا وقعت علیہا واحدۃ" امام طحاوی نے بھی لفظ قوم سے کثیر افراد ہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ ابتداء ہی سے یہ مسئلہ اجتہادی رہا اور کوئی واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ معاملہ حضور تک پہنچا ہو اور آپ نے اس کی کوئی ایک شکل متعین فرما دی ہو۔ وہ لکھتے ہیں "وبعضھم ان المسئلۃ اجتہادیۃ کانت علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یوقف علی التعیین انہا رفعت الیہ فقال فیہا شیئا" ہمارے احناف میں سے شامی اور طحطاوی وغیرہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صدر اول میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی۔ طحطاوی در مختار ص ۱۰۵ جلد ۲ کے حاشیے میں اس کو نقل فرماتے ہیں "انہ کان فی الصدر الاول اذا ارسل الثلاث جملۃ لم یحکم الا بوقوع واحدۃ"

إن عمر رضي الله عنه لم يحكم بوقوع الثلاث سياسة لكثرته بين الناس :

قہستانی نے جامع الرموز صفحہ [illegible] اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر صفحہ [illegible] میں تقریب قریب وہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ لہٰذا اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔

عصرِ حاضر کے علماء میں علامہ شبلی نعمانی نے بھی الفاروق میں طلاق ثلاثہ کو تین ماننا حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا ہے۔ آخر مسلم شریف میں یہی تو موجود ہے کہ عمرؓ نے اس کو جاری کر دیا۔ اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ دورِ اوّل میں تین کا تین سمجھنا عمومی طور سے نہ تھا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی! علامہ ابن تیمیہ نے اپنے اس خیال کو کہ تین طلاق لفظِ واحد سے ہو تو ایک ہی گنی جائے گی، اس کی نظیر پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شریعت لعان میں چار قسموں کو ضروری قرار دیتی ہے۔ مگر ایک ہی لفظ سے کوئی چار قسمیں کھائے تو ہمارے فقہاء اس کو ناکافی سمجھتے ہیں۔ وہ الگ الگ چار قسموں کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر شریعت تین طلاق کو مباح کرتی ہے اور یکجا استعمال کو معصیت بھی بتلاتی ہے تو ضروری ہے کہ ان کو الگ الگ رکھا جائے اور ایک جملے سے ادا کی جانے والی تین طلاق کو ایک ہی سمجھا جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سے رمی جمار کے لئے سات کنکریوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک ہی دفعہ میں سات کنکریاں مارے تو وہ ایک ہی سمجھا جائے گا۔ جس طرح کسی نے قسم کھایا کہ وہ حضور پر ایک لاکھ درود شریف پڑھے گا۔ اب اگر اس نے صلی اللہ علیہ وسلم مائۃ الف کہہ دیا تو یہ ناکافی سمجھا جائے گا، بلکہ الگ الگ ایک لاکھ درود پڑھنا پڑیں گے، تب جا کر وہ قسم پورا کرنے والا کہلائے گا۔ ہمارے علماء ان قیاسات کو قیاس مع الفارق بتلاتے ہیں۔ مگر ان تاویلوں کی حیثیت اتنی قوی نہیں کہ اس میں گفتگو کی گنجائش نہ ہو۔

ان تمام تحریرات پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تین کو ایک کہنے کا خیال کوئی بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد عہدِ نبوت اور دورِ صحابہؓ ہی میں ملتی ہے اور اس کے حق میں بھی نقلی اور عقلی دلائل ہیں اور شروع ہی سے علماء اہلِ سنت والجماعت کا ایک طبقہ اسی کو مانتا آرہا ہے۔ لہٰذا طلاق ثلاثہ کو ایک بار کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اگر ترجیح

نہیں تو صحیح ضرور ہے، واقع نہیں تو مرجوح کہہ لیجیے مگر لغو اور باطل تو نہیں کہا جا سکتا۔
غور و فکر کی دوسری بنیاد یہ تھی کہ کیا تین طلاق ایک ساتھ دے دینا کوئی محمود اور پسندیدہ شئے ہے؟ — اس کا جواب بالکل نفی میں ہے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ناپسندیدہ ہی نہیں سخت معصیت کا موجب بھی ہے۔ نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ حضورؐ یہ سن کر غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم؟ (کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟) اس حرکت پر حضورؐ کے غصہ کی کیفیت دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا کیا میں اُسے قتل نہ کر دوں۔
امام طحاوی نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: إن عمك عصى الله فأثم وأطاع الشيطان۔ (تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی، گناہ کا مرتکب ہوا اور شیطان کی پیروی کی)
عبداللہ بن عمرؓ کے قصے میں دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے یہ تفصیل لکھی ہے کہ حضورؐ نے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اُن کی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے پوچھا اگر میں اس کو تین طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا تھا؟ فرمایا: لا، كانت تبين منك وتكون معصية (نہیں، وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ فعل معصیت ہوتا)۔ علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جو شخص ایسا آتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں اُسے وہ مارتے تھے اور اس کی طلاقوں کو نافذ کر دیتے تھے۔ سعید بن منصور نے یہی بات صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ کی عام رائے وہ ہے جس کو صاحب فتح القدیر نے جلد ۳ صفحہ [illegible] پر نقل کیا ہے کہ امام محمد نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے: إن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض (صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی بیوی کو صرف ایک طلاق دے اور اُسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اسے تین حیض آ جائیں)۔ یہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں۔ خود امام محمد کے اصل الفاظ یہ ہیں: كانوا يستحبون أن لا يزيدوا

فی الطلاق علی وجہ یمتد حتی تنقضی العدۃ " (ان کو یہ سمجھ طریقہ تھا کہ طلاق کے معاملہ میں ایک سے زیادہ نہ جھیں یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔) اسی لئے ہمارے فقہائے کرام اس طلاق ثلاثہ کو طلاق بدعی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بدعت کہنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ طلاق حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ وہ مانتے ہیں کہ یہ ثابت ہے صرف مرغوب عنہ ہے۔ وہ معصیت ہونے کی وجہ سے اس کو مغلظہ اور طلاق بدعت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۲ جلد دوم میں فرمایا "کرہ ایضاً جمع الطلقات الثلاث فی طہر واحد" (ایک ہی طہر میں تینوں طلاقوں کا جمع کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔) اور یہ فعل شرعی حکمتوں اور مصالح کو باطل کرنے والا ہے۔

سابقہ تصریحات سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا شریعت کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو نفس طلاق ہی کو ابغض الحلال کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما احل اللہ شیئاً ابغض الیہ من الطلاق۔ (اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا ہے جو طلاق سے بڑھ کر اسے ناپسند ہو۔) اسی لئے ہمارے فقہاء کی تصریح ہدایہ اولین میں موجود ہے: "الاصل فی الطلاق ھو الحظر" شریعت نے کچھ عظیم مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے طلاق کو مشروع کیا ہے جو غور کیا ہے کہ بوقت شدید ضرورت اس کا استعمال درست ہے۔ اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے ما ثبت بالضرورۃ فھو یتقدر بقدر الضرورۃ۔ (جو چیز کسی خاص مجبوری اور ضرورت کے لئے مباح کی جائے گی وہ صرف اتنی مقدار مباح ہوگی جس سے ضرورت پوری ہو جائے۔) مثلاً بوقت ضرورت مردار حلال کیا گیا ہے تو اس میں قید لگا دی گئی ہے کہ صرف اتنی مقدار میں مردار حلال ہے جس سے رشتہ زندگی کو باقی رکھا جاسکے۔ غیر باغ ولا عاد۔ اب اگر کوئی شخص ایک ہی دفعہ میں تین طلاق کا استعمال کرتا ہے تو وہ سخت معصیت کا کام کرتا ہے۔ امام مالک تو دو طلاق کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ہدایہ اولین میں ہے: "وقال مالک انہ بدعۃ ولا یباح الا واحدۃ لان الاصل فی الطلاق ھو الحظر والاباحۃ لحاجۃ الخلاص وقد اندفعت بالواحدۃ" (دو طلاق بھی بدعت ہے صرف ایک مرتبہ یا ایک ہی مباح ہے۔ کیونکہ نفس طلاق خود اصلاً ناپسندیدہ شے ہے اور طلاق کی اجازت ایک ضرورت کے تحت تھی اور وہ ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے۔)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق بیک وقت معصیت ہے۔ تو کیوں نہ اس معصیت کے روکنے کا انتظام کیا جائے اور اس کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے اور شریعت کی مصلحتوں کو طلاق کے سلسلہ میں باقی رکھا جائے۔ علامہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے: "ثم القائلون اختلفوا على قولين. الأول وهو اختيار كثير من علماء الدين أنه لو طلقها اثنين أو ثلاثا لا يقع إلا واحدة وهذا القول هو الأقيس لأن النهي يدل على اشتمال المنهي عنه على مفسدة راجحة، والقول بالوقوع سعي في إدخال تلك المفسدة في الوجود وأنه غير جائز فوجب أن يحكم بعدم الوقوع" (یعنی بہت سے علماء دین کا کہنا ہے کہ جو بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہ قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور خرابی پر مشتمل ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ و خرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے اور یہ بات ناجائز ہے لہٰذا عدم وقوع کا حکم لگانا واجب ہے)

بالکل یہی بات تفسیر نیشاپوری میں بیان ہوئی ہے۔ الفاظ یکساں ہونے کی وجہ سے ہم اسے نقل نہیں کر رہے ہیں اور یہی رائے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی ظاہر کی ہے۔ انھوں نے اپنی معروف مشہور تفسیر مظہری میں "الطلاق مرتان" کے تحت لکھا ہے: "وكان القياس أن لا يكون الطلقتان المجتمعتان معتبرة شرعا، وإذا لم يكن الطلقتان المجتمعتان معتبرة لم يكن الثلاث مجتمعة معتبرة بالطريق الأولى لوجود معنى الجمع فيها مع زيادة" (یعنی قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دو طلاقیں بھی معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاقیں بھی معتبر نہ ہوں گی تو بیک وقت تین طلاقیں بطریق اولیٰ معتبر نہ ہوں گی کیونکہ جمع کا معنی ان کے اندر مع ایک زیادتی کے موجود ہے)۔ اس رائے کی وجہ سے انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھ دی ہے جو اوپر ملاحظہ فرما لیا جائے۔

اس پہلو پر اسی طرح بھی غور کیجئے کہ اللہ پاک نے مسلمانوں کو نکاح کرنے کا حکم چند شرائط کی پابندی کے ساتھ دیا ہے۔ ان میں ایک شرط یہ ہے کہ ایام عدت میں نکاح نہ ہو پس جو شخص ایام عدت میں عورت سے نکاح کرے تو اس کا نکاح منعقد نہ ہوگا اور یہ نکاح ایسا ہوگا جیسے نکاح کیا ہی نہیں۔ پس اسی طرح اگر کوئی شخص ایام ممنوعہ میں اور اوقات ممنوعہ

میں طلاق دینا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ مولانا شیخ محمد تھانوی جو حضرت تھانوی مرحوم کے استاد بھی تھے لکھتے ہیں: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ معناہ مرۃ بعد مرۃ فالتطلیق الشرعی علی التفریق دون الجمع والارسال مرۃ واحدۃ (حاشیہ نسائی جلد ۲) آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے۔ پس طلاق شرعی وہ ہے جو متفرق طور پر متفرق طہروں میں دی جائے نہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں۔) مولانا موصوف اس طلاق ثلاثہ کو صراحۃً غیر شرعی طلاق قرار دیتے ہیں۔ اور علامہ سندھی حنفی بھی قریب قریب یہی تحریر فرماتے ہیں۔ بحوالہ سابق معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاق بہرحال معصیت اور گناہ ہے۔

خود مسلک کی تیسری بنیاد بھی کہ فقہ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے مجتہدین کی آراء پر عمل کیا جا سکتا ہے: اس کے متعلق میں واضح الفاظ میں عرض کر دوں کہ عرف ومصلحت اور حالات کی جتنی رعایت فقہ حنفی میں ملحوظ رکھی گئی ہے شاید دوسری جگہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملاً فقہ حنفی کو تنفیذ احکام سے ایک مدید وطویل مدت تک واسطہ رہا ہے۔ ہمارے فقہاء ان احکام کو جن میں مصالح عصر کے پیش نظر حکم لگایا گیا ہے استحسان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ ان مسائل میں شرعی دلائل کچھ اور ہیں، مگر شریعت کا عمومی مزاج اور جس کا عمومی قانون یسیر اور لوگوں کے حالات کسی اور بات کے متقاضی ہیں۔ لہٰذا اس کی مناسبت سے ایک دوسرا قابل عمل طریقہ اختیار کیا گیا، اسی کو استحسان کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فقہ کی دنیا میں علامہ شامی کو کون نہیں جانتا۔ عالم اسلام میں جو شہرت و مقبولیت ان کو حاصل ہوئی اس سے شاید کوئی دوسرا بہرہ ور ہوا ہو۔ انہوں نے خاص اسی عنوان پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف۔ یہ رسالہ ۱۳۰۱ھ میں دمشق سے شائع ہو گیا ہے۔ اس میں علامہ نے بڑی تفصیل سے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں عرف اور مصلحت نیز زمانہ کے تقاضوں کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان مسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ایک زمانہ میں حرام اور ممنوع تھے مگر دوسرے زمانے میں وہ ال شدید ضرورت بن گئے، لہٰذا ان کا حکم بدل گیا۔ دراصل یہ بات قانون کے لیے خصوصاً اس قانون کے لیے بہت ضروری ہے جو ابدی ہو۔ دنیا میں کوئی قانون جس کو قانون

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں جانا ثابت ہے۔ مگر متاخرین نے
حالات زمانہ کی رعایت سے اسے ممنوع قرار دیا:

"بہت سے مسائل میں احناف نے ابو حنیفہؒ کے اقوال کو ترک کر کے دوسرے ائمہ
کے اقوال پر فتویٰ دیا ہے۔ مثلاً وہ عورت جس کا شوہر لاپتہ ہو اس میں امام مالکؒ کے قول
پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ چار سال تلاش و تجسس اور انتظار کے بعد نکاح فسخ کر دیا جائے اور اس عورت
کو شادی کی اجازت دے دی جائے۔ امام صاحب کا مسلک تھا کہ گواہ بظاہر ثقہ ہو تو شہادت
دے سکتا ہے۔ مگر امام محمد و ابو یوسف رحمہما اللہ ظاہری عدالت کو ناکافی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ
امام صاحب کے زمانہ میں اکثر لوگ ثقہ عادل ہوتے تھے اور صاحبین کے زمانہ میں یہ بات نہ رہی۔
مزارعت، معاملت اور وقف میں امام ابو حنیفہؒ کا قول معمول بہ نہیں ہے بلکہ امام محمد و ابو یوسف
رحمہما اللہ کے اقوال پر فتویٰ ہے۔ ماء مستعمل کو امام صاحب نجاست غلیظہ فرماتے ہیں اور امام محمد
طاہر غیر مطہر کہتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۱۶ پر یہ عبارت ملے گی: لو
کان الامام انتقل الی آیۃ اخری تفسد صلوٰۃ الفاتح وتفسد صلوٰۃ الامام لو اخذ بقولہ۔
(اگر امام نماز میں بھول گیا اور بھولنے کے بعد دوسری آیت شروع کر دی اب کسی نے لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو لقمہ دینے
والے کی نماز فاسد ہو جائے گی) مولانا عبد الحی لکھنوی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: یہ عام مشائخ کے
خلاف ہے جیسا کہ صاحب محیط نے ذکر کیا ہے آگے لکھتے ہیں: والصحیح انہ لا تفسد صلوٰۃ
الفاتح ولا صلوٰۃ الامام (صحیح بات یہ ہے کہ اس سے نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ امام کی۔ سب کی
نماز ہو جائے گی)۔

"تمام فقہاء کے نزدیک وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق حاصل نہ تھا مگر
متاخرین اس کو جائز بتلاتے ہیں۔ علامہ شامی نے نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف
میں لکھا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر آٹا پیسنے کو دے کہ اجرت
کے بدلہ میں تہائی آٹا اس کا ہوگا تو جائز نہ ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر
کوئی شخص کسی کپڑا بننے والے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اس کا کپڑا بن دے، اور معاوضہ
میں ایک تہائی کپڑا لے لے تو یہ معاملہ جائز نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ بلخ میں یہ طریقہ عموماً معمول ہے

اس لئے بلخ کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہ قرار دیا ہے کہ عمل ہی کی بناء پر حدیث میں تخصیص کردی جائے گی یعنی یہ حدیث ٹڈے کی صورت تک ہی محدود سمجھی جائے۔ علامہ شامی کے خاص الفاظ یہ ہیں: "ومشائخ بلخ کنصیر بن یحییٰ ومحمد بن سلمۃ وغیرهما کانوا یجیزون هذه الاجارة فی الثیاب لتعامل اهل بلدهم، والتعامل حجۃ یترک به القیاس ویخص به الاثر" اور مشائخ بلخ مثلاً نصیر بن یحییٰ، محمد بن سلمہ وغیرہ اس اجارہ کو کپڑے میں جائز کہتے تھے کیونکہ اُن کے شہر میں یہ چیز عام ہوچکی تھی اور لوگوں کا کسی شے کو معمول بنالینا ایک ایسی حجت ہے جس سے قیاس کو ترک کیا جائے گا اور حدیث میں تخصیص کردی جائے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ تعامل کی وجہ سے تبدیلی کی کوئی حد ہوگی یا نہیں؟ اس طرح تو فرائض و ارکان تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ علامہ شامی نے خود اس سوال کو نقل کرکے اس کا مفصل جواب دیا ہے اور وہ حدود بتلائے ہیں جہاں تک مختلف تبدیلیوں کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "نقول فی جواب هذا: لا نسلم ان التعارف زمان مشائخ بلخ ... منهما انما ان یوافق الاثر بین الشریعۃ وتخصیص علیه ..... الیٰ قوله ..... یترک به القیاس:"
چونکہ یہ بات بہت مفصل ہوجائے گی اس لئے ہم عرض کریں گے کہ اس بحث کو براہ راست اسی کتاب میں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

اوپر کی مثالیں دینے سے ہمارا مقصد یہ بتلانا ہے کہ فقہ حنفی میں بہت توسع ہے۔ فقہ حنفی صرف ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال ہی کا نام نہیں بلکہ بوقت ضرورت دیگر فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے اور کیا گیا ہے۔ احناف کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے آپ کو ایسے الفاظ کثرت سے مل جائیں گے "والفتوی علی قولهما" (فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے) یا "علیه الفتویٰ"۔ بلکہ ہمارے اس سے اکثر ہیں۔ امام محمد کے متعلق تو شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسلک اقتدا میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام محمد نے مدینہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جس کنویں سے انھوں نے غسل فرمایا ہے اس میں چوہا مرا ہوا ہے جس سے پانی ناپاک ہوگیا۔ امام محمد نے فرمایا کہ ہم نے اپنے بھائی مالکیوں کے مسلک پر نماز پڑھ لی ہے۔
یہ بات فقہ حنفی کے لئے عیب نہیں بلکہ اس کی بڑی خوبی اور دور اندیشی کی بات ہے

کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فقہ حنفی ناقص ہوتا۔ لہٰذا اس بنیاد پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے
کہ طلاقِ ثلاثہ والے مسئلہ میں اگر دیگر فقہاء کے مسلک پر فتویٰ دے دیا جائے تو کوئی حرج کی
بات نہ ہوگی کیونکہ ضرورت اس کی شدید متقاضی ہے جیسا کہ ہم پچھلے بیانات میں اس پر گفتگو
کر چکے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض احناف اور بعض اہلِ التقلید علماء یہ خیال رکھتے ہیں
مفتیِ اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی سے کسی سائل نے اسی طلاقِ ثلاثہ کے متعلق پوچھا
گیا تھا۔ سائل کے گاؤں میں ایک واقعہ ایسا ہوا تھا کہ ایک حنفی شخص نے تین طلاق دینے کے
بعد کسی اہلِ حدیث عالم سے فتویٰ پوچھ کر رجوع کر لیا۔ اب گاؤں کے لوگوں نے اس کا بائیکاٹ
کر دیا۔ مفتی صاحب نے یہ جواب دیا: ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جانے کا
مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے
ضرور قائل ہیں کہ اس طرح ایک ہی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہلِ حدیث حضرات نے بھی
اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ، طاؤس، عکرمہ اور ابن اسحٰق سے منقول ہے۔ پس کسی
اہلِ حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابلِ مقاطعہ ہیں۔ تحریری اجرائی از کہ
ہے۔ ہاں حنفی کا اہلِ حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا یہ باعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔
لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہو تو قابلِ درگذر ہے۔ دفتر الجمعیۃ دہلی
مورخہ ۲ شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۳۳ء (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی)

ہمارے علماء احناف میں سے مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا فتویٰ مجموعۂ فتاویٰ صفحہ ۱۴۳ پر
موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق ہوں گی اور بغیر حلالہ کے
نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقتِ ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور
احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نظیر اس کی مسئلہ
نکاح زوجہ مفقود اور عدۃ ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورۃ قول امام مالک پر
عمل کر لینے کو درست رکھتے ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار میں تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔"

مدرسہ امینیہ دہلی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کرتے چلئے۔ "اور بعض سلف صالحین اور
علماء متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں اگرچہ ائمہ اربعہ میں سے بعض نہیں ہیں۔ لہٰذا جن

مولوی صاحب نے مُفتی اہل حدیث پر جو فتویٰ دیا ہے یہ غلط ہے اور مفتی کا اہل حدیث پر اس اختلاف کی بناء پر تکفیر و مقاطعہ و اخراج از مسجد کا فتویٰ غیر صحیح ہے۔ بوجہ شدید ضرورت اور خوف مفاسد اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک اس واقعہ مرقومہ میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے تو وہ خارج از مذہب حنفی نہ ہوگا کیونکہ فقہاء حنفیہ نے بوجہ شدت ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز رکھا ہے۔"

(تحفہ حبیب المرسلین [illegible] مجموعہ [illegible] مرتب مولانا [illegible])

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں بھی یہ پڑھا ہے کہ جن اُمور میں علماء نے حیلۂ ناجزہ تصنیف فرمائی اور اس میں نکاح مفقود الزوج کے سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا تو کسی نے کہا کہ آپ لوگ تقلید ابوحنیفہ پر بہت زور دیتے ہیں لیکن امام مالک کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں تو تقلید جا رہی ہے۔ فرمایا، تم تقلید کو لئے پھرتے ہو یہاں سے وہاں اسلام ہی بچ رہا ہے۔ درحقیقت اُن کا اشارہ اس طرف تھا کہ شریعت کی مصلحت کُل کو باقی رکھنے کے لئے کسی ایک امام کی تقلید کرکے دوسرے امام کی رائے پر عمل درست ہے۔

اس پوری تفصیل سے آپ کو یہ اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ اکثر اوقات بوقت ضرورت اور زمانہ کی اقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے مجتہدین و ائمہ کی آراء پر عمل کو جائز رکھتے ہیں۔ لہٰذا طلاق ثلاثہ والے مسئلہ میں ہم غور و فکر کرکے دیکھیں کہ واقعی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ تین طلاقیں واحد شمار کی جائیں یا نہیں؟ اگر ضرورت شدید ہے تو اسے قبول کرلیں۔

غور و فکر کی چوتھی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات بھی کسی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارا ہندی معاشرہ کچھ اس طرح پر چل رہا ہے کہ اس میں دینی قدریں ماند پڑ گئی ہیں۔ ہمارے عوام دین کا آشنا تک بھی حاصل نہیں کرتے جو اُن پر فرض عین ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو دنیاوی تعلیم اونچی سے اونچی رکھتے ہیں اور دینی تعلیم اُن کی نسبت سے کم ہے۔ مولانا اسحٰق جلیس ندوی، مدیر تعمیر حیات نے ابھی حال ہی میں

اپنے ایک اداریہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر سے گفتگو کے دوران حضرت
عمرؓ و عثمانؓ کا تذکرہ آیا تو وہ سادگی سے پوچھتے ہیں مولانا! ان دونوں میں کس کی خلافت پہلے ہوئی
کس کی بعد میں ہے؟ ـــ یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کا مشاہدہ کر
سکتا ہے۔ اسی جہالت کے باعث جب ایسے لوگ طلاق دینا چاہتے ہیں تو انہیں یہ تک نہیں
معلوم کہ اللہ کے رسول نے کونسا طریقہ بتایا اور پسند فرمایا ہے اور کسے معصیت بتایا ہے۔
بلکہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ایسے مل جائیں گے جنہیں یہ مسئلہ معلوم ہے کہ ایک طلاق
کے بعد رجوع کا اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایک طلاق کو کامل طلاق ہی نہیں سمجھتے اور جب وہ
دینی ناواقفیت اور جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر تین طلاق دے دیتے ہیں تو صحیح حکم کے ظاہر ہونے
کے بعد سخت نادم ہوتے ہیں اور دنیا بھر کی حیلہ جوئی اور چارہ گری تلاش کرتے ہیں۔ ایسی غلط
تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ پھر وہ عورت اس کے نکاح میں بغیر تحلیل کے آجائے یا باقی رہ جائے۔
اس سے متعدد خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اگر طلاق دینے والا احمق مسلک رکھتا ہے
اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لا محالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے۔ شرط لگا کر دوسرے
سے نکاح کرتا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا۔ اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے
ترمذی شریف کی روایت ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن المحلل والمحلل لہ۔ (یعنی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ حدیث
نسائی میں بھی موجود ہے اور ابن ماجہ میں عقبہ بن عامر کی روایت اس طرح ہے۔

"الا اخبرکم بالتیس المستعار قالوا بلی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو المحلل، لعن اللہ المحلل والمحلل لہ۔"

کیا میں تم کو کرائے کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے اور اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے

حضرت عمرؓ کا فتویٰ ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: لا اوتی
بمحلل ولا محلل لہ الا رجمتہما جو میرے پاس حلالہ کرنے والا اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو لایا گیا
تو میں ان کو سنگسار کر دوں گا (ابن ابی شیبہ) امام بیہقی نے جلد ۷ صفحہ ۲۰۸ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عمرؓ
سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے اور کوئی شخص

اُس کی بیوی کو اُس کے لئے حلال کر دے تو کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا: [illegible] یعنی صرف رغبت کے ساتھ جائز ہے ہم اللہ کی کتاب کا استہزاء نہیں کرتے تھے۔ یہ فتویٰ امام طحاوی نے بھی معانی الآثار میں صفحہ ۳ جلد ۲ پر نقل کیا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے: والمحلل لا یقیم علیها مع من حال بازدواجه بالنکاح التحلیل (یعنی حلالہ کے ساتھ میاں بیوی میں تفریق کر دی جائے گی کیونکہ اس کا ارادہ تحلیل کا ہے۔)

ہمارے ائمہ میں سے صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تحلیل سے بیوی زوجِ اوّل کے لئے حلال ہوتی ہے۔ ورنہ امام محمد و ابو یوسف کے نزدیک دیگر ائمہ کی طرح عقد بغرض التحلیل کیا ہو تو نکاح غلط ہے اور اس سے عورت زوجِ اوّل کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے۔ ویسے خود امام صاحب بھی تحلیل کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں چنانچہ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۷ میں ہے: اذا تزوجها بشرط التحلیل فالنکاح مکروہ لقوله علیه السلام لعن الله المحلل والمحلل له۔ موطا امام مالک کے حاشیہ میں ہے: قال الشافعی و ابو یوسف اذا نکح بشرط انه اذا وطیها طلقها یبطل (امام شافعیؒ و ابو یوسفؒ کا مذہب ہے کہ اگر اس شرط پر نکاح کیا گیا کہ ہمبستری کے بعد اس عورت کو طلاق دے دیا جائے تو نکاح باطل ہے) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا ایک فتویٰ ملاحظہ کرتے چلئے۔ (اخبار الجمعیۃ دہلی، [illegible] شعبان [illegible]ھ مطابق [illegible]) میں تحریر فرماتے ہیں: حلالہ مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور پھر اس سے طلاق یا موت زوج کی وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوج کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام حلالہ ہے۔ لیکن زوجِ اوّل یا زوجہ یا اس کے کسی ولی کی طرف سے زوجِ ثانی سے یہ شرط کر لی کہ وہ طلاق دے دے اور زوجِ ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے اس سے نکاح کرنا یہ حرام ہے اور اس پر فریقین پر لعنت کی گئی ہے۔

اب آپ غور کر کے دیکھئے کہ ہمارے معاشرہ میں کون سی شکل رائج ہے بالکل متعۃ النساء کی طرح مشروط نکاح کیا جاتا ہے اور لگے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے۔ اس شکل میں بعض ایسے شرمناک اور حیا سوز قصے سننے میں آتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب ہی تو حضرت

عمرؓ نے فرمایا تھا ایسے لوگوں کو میں سنگسار کردوں گا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا تو اس طرح اس قضیے میں نزاع و فساد کا ایک دوسرا قضیہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

ان تمام قباحتوں کا ارتکاب تو اس شکل میں ہوتا ہے جب طلاق دینے والا حنفی مسلک پر قائم رہتا ہے لیکن اگر یہ شخص مسلک پر مستعد نہیں تو فوراً ایسی شکل میں وہ تبدیلی مسلک پر غور کرتا ہے اور یہاں بھی ایسا شخص مجرم ہوتا ہے کیونکہ ہمارے علماء اس کو شریعت کی اتباع نہیں بلکہ خواہش نفس کی پیروی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح کی تبدیلی کو غلط اور ناجائز بتاتے ہیں چنانچہ علامہ شاطبی نے الموافقات جلد ۴ صفحہ ۱۴۲ بیان مفاسد اتباع رخص المذاھب میں اس کو وضاحت سے لکھا ہے۔ اور خود طلاق دینے والے کیلئے یہ دشواری ہے کہ اگر وہ صرف اس مسئلہ کی حد تک اہل حدیث مسلک پر عمل کرتا ہے اور باقی سب مسئلوں میں اہل حدیث کی مخالفت کرکے ابو حنیفہ کو مانتا ہے تو یہ کھلی خواہش نفس کی پیروی ہے۔ ایسا رجحان شرعی معاملات میں ایک خطرناک رجحان ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ مذاہب کی رخصتوں کا متلاشی ہوگا۔ اور اگر وہ اس ایک مسئلہ کی وجہ سے مکمل اہل حدیث مسلک اختیار کرلے تو اپنے ذہن و قلب کے خلاف کرتا ہے کہ بہت سے مسئلوں میں امام ابو حنیفہ کو برحق مانتے ہوئے جن پر وہ اب تک پوری زندگی عمل کرتا رہا ہے اب صرف ایک مسئلہ کی وجہ سے اُن کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہے۔

مزید یہ کہ اس طرح عورت کو غصہ اور جذبات کی شدت میں الگ کر دینے کے نتائج بہت سنگین شکل میں برآمد ہوتے ہیں۔ خصوصاً عورت کی زندگی کے لئے تو انتہائی تباہ کن بھی ہو سکتے ہیں، فوری طور سے بچوں کی نگہداشت اور اُن کی پرورش و تربیت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے حقیقی ماں جس طرح اپنی اولاد کی ساخت و پرداخت پر اپنا خون جگر صرف کرسکتی ہے، دوسری عورت نہیں۔ پھر اس مطلقہ عورت کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس کو کس طرح معاشرہ میں جذب کیا جائے۔ ۲۰۔ ۲۵ برس شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد اب الگ ہو کر وہ کہاں جائے خصوصاً جبکہ وہ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکی ہو۔

ہندوستان میں ہمارا بیت المال بھی نہیں کہ اس کی کفالت ہو سکے۔ خود اس میں کمانے اور پیٹ بھرنے کی استطاعت نہیں۔ علاوہ اس کے وہ پردہ نشین خاتون جس نے اب تک عزت و خودداری کی اعلیٰ زندگی بسر کی ہو، کس طرح اپنے معاشی پریشانی کا ازالہ کر سکے اور سکون و اطمینانِ قلب کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

مجھے اپنے شہر کے متعلق اچھی طرح معلوم ہے، ایک صاحب جو اچھے خاصے دیندار معروف تھے، ۵۰، ۴۰ برس کی عمر تک ساتھ رہنے کے بعد ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ کچھ دنوں تو اس عورت نے خود کو سنبھالا، مگر اس کے افرادِ خاندان کی غربت اور معاشی پریشانی کی وجہ سے وہ اس قدر بدحال ہوگئی کہ اس کے دماغ پر جنون کے اثرات ہوگئے، اب وہ دربدر کاسۂ گدائی لے کر اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی میری نظر میں ہے۔ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ شادی کے وقت دونوں بہت غریب تھے، مگر عورت کی محنت اور کوشش سے محلہ والوں کا کہنا ہے کہ چند برسوں میں اللہ نے وسعت دی۔ اب وہ ایک پختہ مکان اور ایک کارخانے کے مالک ہوئے۔ بس کسی خانگی معاملہ میں بگڑ کر شوہر نے تین طلاقیں دے دیں۔ طلاق کے بعد کچھ دنوں تک عورت زیورات اور گھر کا اثاثہ بیچ کر گذارہ کرتی رہی، مگر اب حالت یہ ہے کہ اس کی زندگی باعثِ عبرت ہے۔ کسی نے اس عورت کو مشورہ دیا کہ تو دارالقضاء میں دعویٰ داخل کر دے کہ شوہر کے مال میں سے جو اصلاً تیری محنت و کوشش کا نتیجہ ہے کچھ حصہ دلایا جائے۔ مگر کفالت کی کوئی شکل نہ بننے کی وجہ سے وہاں سے بھی محرومی ہوئی۔

اس طرح کے دسیوں واقعات آپ کو مل جائیں گے۔ میں محترم اقبال عبداللہ صاحب کے ان الفاظ سے متفق ہوں کہ مخالفین ان واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، مگر اس کو خوب بھولنا چاہیے کہ ان واقعات کی کوئی نہ کوئی اصلیت بھی ضرور ہے جس پر رنگ آمیزی اور مبالغہ کی دیوار کھڑی کی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکومت ایسے قوانین بنانے پر تل گئی ہے کہ مطلقہ کا نان و نفقہ اس وقت تک شوہر کے ذمہ واجب ہے جب تک کہ وہ دوسری شادی نہ کر لے۔ ظاہر ہے یہ چیز قابل

کی طرف ایک قدم ہے۔ مگر یہ بھی فنی اور تفریطی کی بات ہوگی کہ ایسی عورت کے سلسلہ میں ہم بیٹھ کر کوئی لائحۂ عمل نہ سوچیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر طلاق کے مروجہ طریقہ میں احناف کے مسلک سے ہٹ کر بعض دیگر مکاتیب کی آراء پر عمل کر لیا جائے یعنی تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے تو بہت سی پیچیدگیاں خود بخود رفع ہو جائیں گی اور فریقین ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ایک دوسرے کے مستقبل کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ اس طرح مخالفین کو مسلم پرسنل لا کے خلاف رنگ آمیزی کا بھی موقع نہ رہے گا۔ جس طرح مصری علماء نے پوتے کی وراثت کے سلسلہ میں ثلث مال کی اختیاری وصیت کو لازم کر دیا ہے۔ اسی طرح ہم کو مذکورہ بالا چار بنیادوں پر غور و فکر کرنے کے بعد کوئی تبدیلی کرنا چاہیے جس کی شریعت میں گنجائش بھی ہے اور شرعی مسلک بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔ اگر تین طلاق کو معصیت اور گناہ بھی بتلاتے ہیں اور ہمارے حالات شدت سے متقاضی ہیں تو کیوں نہ ان اقوال پر عمل کر لیا جائے جو شروع سے اہل سنت والجماعت کے ایک طبقہ کا معمول رہا ہے۔

اب آپ سوالنامے میں درج شقوں کے مختصر جوابات بھی سماعت فرمائیے :۔

۱۔ طلاق، طلاق، طلاق تین دفعہ کہہ دینے سے اگر کہنے والے کی نیت ایک کی ہو اور اس نے محض تاکید کے لئے باقی دو دفعہ مزید کہہ دیا ہو یا باقی دو سے اس نے کچھ بھی نیت نہ کی ہو نہ تاکید کی نہ عدم تاکید کی تو ایک ہی طلاق پڑے گی۔ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں علامہ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے کہ فاسق سے فاسق آدمی کا ارادۂ تاکید معتبر مانا جائے گا اور یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔ عبارت: صرح من مذهبنا تصديق مريد التأكيد بشرطه وان بلغ في الفسق ما بلغ ۔ مفتی مہدی حسن سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب آثار القیامة صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں: "اگر عورت مدخول بہا ہے اور ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا لیکن بتکرار لفظ تین مرتبہ طلاق دی اور دوسری اور تیسری طلاق کو بطور تاکید استعمال کیا ہو تو دیانۃً قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اس میں اختلاف نہیں۔ علامہ ابن حزم کی کتاب محلی میں بالکل یہی الفاظ ہیں۔ مگر اس میں دیانۃً کا لفظ اور حلف کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس کے ارادۂ تاکید کو معتبر مانا جائے گا۔ علامہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۱ پر فرماتے ہیں

فلو قال لموطوءة أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فإن نوى بالتكرير (إفادة التاكيد) صدقه
الأولى فهي واحدة وكذا إن أطلق إن لم ينو بتكريره شيئاً۔ فإن نوى بالثانية أو كل طلقة
غير الأولى فهي ثلاث ... معنا۔ (مدخول بہا عورت سے کسی نے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے
طلاق۔ اگر اُس نے باقی دو سے تاکید کا ... یا تاکید کا ترجمہ کیا کسی کا ارادہ نہ کیا تو ایک واقع ہوگی لیکن
اگر مطلب یہ تھا کہ ہر طلاق پہلے والی طلاق سے الگ ہے تو تین واقع ہوں گی)

۲۔ یہی شکل مختلف فیہ ہے۔ احناف تین کے وقوع کے قائل ہیں اور مقدمہ بھی البتہ
کو وہ معتبر نہیں مانتے۔ اور علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم اور اہل حدیث حضرات جب تین کو تین
سمجھ کر دینے والے کی طلاق کو بھی ایک بتلاتے ہیں تو یہاں تو ارادہ بھی نفس طلاق کا تھا نہ کہ
تین کا۔ لہٰذا اُن کے نزدیک ایک ہوگی۔

۳۔ اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ شروع سے ہی اس کے خلاف رہا ہے،
لہٰذا اُمت کا اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں ہمارے بعض علماء ائمہ اربعہ کا اجماع بتلاتے
ہیں مگر یہ بھی محل نظر ہے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی کی جو عبارت ہم اوپر مقالہ میں نقل کر چکے
ہیں اُس میں واضح طور سے یہ بات موجود ہے کہ امام مالکؒ کا ایک قول اور اصحاب احمد کا
بھی ایک قول یہی ہے۔ ہم خود دوسرے کئی بنیادوں میں اُن فقہاء کا نام لکھ چکے ہیں جو
ایک طلاق رجعی ہونے کے قائل ہیں۔

۴۔ ہمارے نزدیک مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے تو زیادہ
بہتر ہے۔ یہی ہماری رائے ہے جس کے دلائل اوپر نقل کر دیے گئے ہیں۔

تین طلاقوں کا مسئلہ

از

مولانا سید احمد عروج قادری

ایڈیٹر ماہنامہ "زندگی" رامپور

بسمہ تعالیٰ

نکاح و طلاق سے متعلق قرآن کی آیات اور احادیث کا جو مطالعہ میں نے کیا ہے اس سے یہ بات بوضاحت ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت میں نکاح ایک بہت ہی سنجیدہ، بنیادی اور قابلِ احترام معاملہ ہے جو اس لئے کیا جاتا ہے کہ باقی رہے یہاں تک کہ موت زوجین کو ایک دوسرے سے جدا کر دے۔ یہ میاں بیوی کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جس کے استحکام پر خاندان اور معاشرے کا استحکام اور جس کی خوبی و بہتری پر معاشرے کی خوبی و بہتری موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ناپسندیدہ اور ناخوشگوار عمل ہے جو بدرجۂ مجبوری آخری چارۂ کار کے طور پر ہی کیا جانا چاہیے۔ آخری انقطاع سے پہلے یا سوچ سمجھ کر اس کا فیصلہ کرنے کے لئے صحیح طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت و بیک مجلس یا بیک کلمہ نہ دی جائیں بلکہ انہیں متفرق طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ تعلیم قرآن کی آیتوں میں اجمال اور احادیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ میرے مطالعۂ قرآن و حدیث سے بطریق تناسب یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص صحیح طریقے کی خلاف ورزی کرکے یہ جانتے ہوئے کہ تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں، بیک مجلس یا بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ واقع ہو جائیں گی۔ یہی جمہور اُمت کا مسلک ہے اور دلائل کے اعتبار سے یہی مسلک قوی بھی ہے۔ اُمت کے جو ائمہ و علماء ایسی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں بلاشبہ اُن کے پاس بھی دلائل ہیں لیکن مجھے اُن سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

اس مختصر مقالہ میں تمام موافق اور مخالف دلائل کو استقصا کے ساتھ جمع کرنے کا وقت نہیں ہے اس لئے میں جمہور کے مسلک کے دلائل اختصار کے ساتھ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اس مسلک کے مخالف دلائل کی طرف محض اشارے کئے جا سکیں گے۔

آیتِ طلاق کی شانِ نزول

جاہلیتِ عرب میں طلاقیں دینے اور پھر عدت میں رجوع کر لینے کی کوئی حد و تعداد متعین نہ تھی۔ ایک عورت کو

سینکڑوں بار طلاقیں دی جا سکتی تھیں اور پھر عدت میں رجوع کیا جا سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ستانا چاہتا تو اس کو طلاقیں دے دے کر عدت ہی میں رجوع کر لیا کرتا۔ نہ خود اس سے تعلقات زن و شو قائم رکھتا اور نہ اس کو آزاد کرتا۔ اس طرح وہ عورت بالکل مجبور اور بے بس ہو کر رہ جاتی تھی۔ ابتدائے اسلام میں بھی جب تک طلاقوں کے متعلق اللہ کا حکم نہیں آیا تھا یہی دستور باقی تھا۔

عن مالك عن هشام بن عروة عن أبيه أنه قال كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذلك له وإن طلقها ألف مرة فعمد رجل إلى امرأته فطلقها حتى إذا شارفت انقضاء عدتها راجعها ثم طلقها ثم قال لا والله لا آويك إلي ولا تحلين لي أبدا فأنزل الله تعالى: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۔

(مؤطا مالک ج ۲ باب الطلاق مرتان)

عروہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور وقت ختم ہونے سے پہلے اس کو رجوع کر لیتا تو کافی تھا اگرچہ وہ ایک ہزار طلاق دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی یہاں تک کہ جب اس کی عدت ختم ہونے کا وقت قریب آیا تو اس نے رجوع کر لیا اور پھر طلاق دے دی پھر اس نے کہا خدا کی قسم نہ تجھے اپنے پاس رکھوں گا اور نہ تو کسی دوسرے کے لئے حلال ہوگی۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ طلاق (رجعی) دو ہی مرتبہ ہے۔ اس کے بعد عورت کو یا تو دستور کے موافق روک لے یا چھوڑ دینا اچھی طرح سے۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کی تعداد متعین کر دی اور رجعت کی حد بھی بتا دی۔ یعنی یہ کہ طلاقوں کی تعداد صرف تین ہے اور رجعت کا حق دو طلاقوں تک ہے۔ تیسری کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔

پھر اگر عورت کو طلاق دی (یعنی تیسری طلاق) تو اب وہ حلال نہیں ہو گی اس کو اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ آیت طلاقوں کی تعداد تین تک محدود کرنے اور رجوع کرنے کی حد متعین کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہی دو باتیں یہ نص صریح اس سے ثابت ہوتی ہیں۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے

اس سوال کا کوئی تفصیلی جواب اس آیت میں موجود نہیں ہے۔ مرتان - کے لفظ سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ دو طلاقیں یک کلمہ نہ دی جائیں، بلکہ "میں نے تجھے طلاق دی"، "میں نے تجھے طلاق دی" دو بار کہا جائے۔ تفریق مجلس کے لئے اس میں کوئی محتمل لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ محدث ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی یہی تفسیر اختیار کی ہے اور امام رازی نے بھی اسی تفسیر کی تائید کی ہے۔ یعنی یہ کہ لفظ مرتان - سے رجعی طلاق کی تعداد معلوم ہوتی ہے، تفریق مجلس کا ثبوت اس میں نہیں ہے۔ سورہ الطلاق کی آیت- فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ - (پس انھیں طلاق دو عدت پر ان کی عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو) سے بھی صرف اتنا بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ایسی حالت میں دی جائے کہ عدت کے زمانے میں کمی یا زیادتی واقع نہ ہو اور اس کو شمار کرنا بھی آسان اور متیقن ہو۔ طلاق دینے کا ٹھیک اور صحیح طریقہ کیا ہو؟ اس کا جواب اس آیت میں بھی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دینے کے صحیح طریقہ کی توضیح نہ فرماتے تو قرآن کی آیتوں سے اس کا بصراحت جاننا ممکن نہ ہوتا۔ ہم حدیث نبوی ہی سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا یا یک وقت تین طلاقیں دے ڈالنا معصیت ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔ اگر احادیث سے قطع نظر کر لی جائے تو قرآن کی آیتوں سے طلاق دینے کا تفصیلی طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

یک مجلس یا یک کلمہ تین طلاقیں تین واقع ہوں گی یا ایک

اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے بھی ہمیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہئے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ قرآن سے جو بات تو بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ طلاق رجعی کی تعداد دو ہے اور تیسری طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا لیکن طلاق دینے کا صحیح طریقہ وضاحت کے ساتھ نہیں

احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ قرآن سے اشارۃً یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جو تین طلاق کا حق دیا ہے اگر وہ اس کو بیک دفعہ استعمال کرے تو یہ فعل طلاق دینے والے کی اپنی مصلحت کے خلاف ہوگا، کیونکہ اس طرح وہ اپنے حقِ رجعت کو ختم کر دے گا۔ یہ اشارہ سورہ الطلاق کی اس آیت سے نکلتا ہے۔

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ — تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ صلح و موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ (الطلاق - ۱)

اگر بیک مجلس تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جائے تو پھر یہ کہنے کے کیا معنی باقی رہتے ہیں کہ "شاید اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا کر دے" کیونکہ تین کو ایک شمار کرنے کی صورت میں تو بہر حال رجعت کا حق اور موافقت کی صورت باقی ہی رہے گی۔

قرآن کا یہ فقرہ طلاق دینے والے کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر تم نے طلاق دینے کا پورا حق ایک ہی بار استعمال کر لیا تو پچھتاؤ گے اور پھر بیوی سے صلح کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

قرآن سے اشارۃً بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ بیک مجلس یا بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔ بلکہ بعض ائمہ نے تو بیک مجلس تین طلاقیں دے ڈالنے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے "من جوز الطلاق الثلاث" کے باب میں سب سے پہلے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ والی آیت دلیل کے طور پر پیش کی ہے۔

اس مسئلہ کا تفصیلی جواب حاصل کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ کا مطالعہ کریں۔ اس ماخذ سے ہمیں یہ "علم" حاصل ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں یا بیک کلمہ خواہ طُہر کی حالت میں ہو یا حیض کی، تین طلاقیں دے ڈالے تو تین ہی واقع ہوں گی اور وہ گنہگار ہوگا۔ ہم ذیل میں اس کی تھوڑی سی تفصیل پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ سب سے پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔ یہ حدیث دو سبب سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ عہدِ رسالت کا غالباً یہ پہلا واقعہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں ایقاعِ طلاق کا صحیح طریقہ معلوم ہوا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس واقعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے

اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دے دی۔ سیدنا عمرؓ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ سے متعلق حضورؐ سے سوال کیا۔ آپ نے اُن سے فرمایا، عبداللہ کو حکم دو کہ مراجعت کر لے۔ پھر حضورؐ نے ایقاعِ طلاق کا صحیح طریقہ بتایا اور وہ یہ ہے کہ تین طلاقیں بتفریق تین طُہروں میں دی جائیں۔ حضرت عبداللہ کے حالتِ حیض میں طلاق دینے اور حضرت عمرؓ کے سوال سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ان دونوں جلیل القدر صحابیوں میں سے کسی نے بھی قرآن کی کسی آیت سے یہ نہیں سمجھا کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا ایک غلط کام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کی اگر کوئی شخص خلاف ورزی کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس حدیث میں اس سوال کا صریح جواب موجود ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث متعدد طُرق سے روایت کی ہے۔ ایک ٹکڑے میں تو واقعہ اور حضورؐ کی تعلیم کا ذکر ہے اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے:

قال فکان ابن عمر اذا سئل عن الرجل طلق امرأتہ وھی حائض یقول، أما أنت طلقتھا واحدۃ أو اثنتین فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرہ أن یراجعھا ثم یمھلھا حتی تحیض حیضۃ اُخری ثم یمھلھا حتی تطھر ثم یطلقھا قبل أن یمسھا وأما أنت طلقتھا ثلاثاً فقد عصیت ربک فیما أمرک بہ من طلاق امرأتک و بانت منک۔ وفی روایۃ اُخری وان کنت طلقتھا ثلاثاً فقد حرمت علیک حتی تنکح زوجاً غیرک وعصیت اللہ فی ما أمرک عن طلاق امرأتک ــــ

(راوی حدیث نے کہا اس واقعہ کے بعد) جب ابن عمرؓ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی ہو تو وہ کہتے، اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا ہے کہ مراجعت کرے اور اس کو مہلت دے یہاں تک کہ دوسرا حیض آجائے، پھر اس کو مہلت دے یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر اس کو طلاق دے اس سے پہلے کہ اس طُہر میں اس سے جماع کرے۔ اور اگر تو نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو اپنے رب کی تو نے نافرمانی کی طلاق کے معاملہ میں اور وہ تجھ سے جدا ہو گئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر تو نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ تجھ پر حرام ہو گئی یہاں تک کہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح کرے اور تو نے اللہ کی نافرمانی کی طلاق کے معاملہ میں۔

حضرت ابن عمرؓ کے اس مفصّل فتویٰ کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح کی تعلیقات میں

بیان کیا ہے۔ اس حدیث سے بصراحت و وضاحت معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں بھی اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے تو وہ طلاق بائنہ ہو گی اور بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے بعد ابن عمرؓ لوگوں کو یہ مسئلہ بتاتے رہے اور فتویٰ دیتے رہے۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی صحابی کا ایسا قول جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، مرفوع کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ گمان کرنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ ابن عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے ایسا فتویٰ دیا ہو اور دیتے رہے ہوں۔ حُسنِ اتفاق سے احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ فتویٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی بنا پر دیا کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ، دار قطنی اور طبرانی میں ہے۔

فقلت یا رسول اللہ أرأیت لو طلقتها ثلاثاً أکان یحل لی أن أراجعها، فقال لا کانت تبین منک وکانت معصیةً۔

(ابن عمرؓ کہتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لئے مراجعت حلال ہوتی۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا تین طلاقیں بیک دفعہ دے دینا گناہ ہوتا۔

۲۔ عُویمر عجلانی کی طویل حدیث لعان تمام کتبِ حدیث میں مروی ہے۔ امام بخاری نے اس کو من جوز الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے۔

فلما فرغا قال عویمر کذبت علیها یا رسول اللہ إن أمسکتها فطلقها ثلاثاً قبل أن یأمره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پس جب دونوں (یعنی عُویمر اور اُن کی بیوی) لعان سے فارغ ہوئے تو عُویمر نے کہا اگر میں اس کو اپنے پاس روک لوں تو جھوٹا ہوں۔ پھر انھوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں حکم دیں۔

یہاں میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ نفسِ لعان سے میاں بیوی میں فرقت واقع ہو جاتی ہے یا تفریقِ حاکم کی ضرورت پڑتی ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ حضرت عویمر نے حضورؐ کے سامنے بیک مجلس تین طلاقیں دیں۔ آپ نے نہ اس پر انکار کیا اور نہ یہ کہا کہ تین طلاقیں دینا لغو ہے، کیونکہ فرقت صرف لعان سے واقع ہو جاتی ہے، بلکہ آپ نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے،

عن ابن شہاب عن سہل قال فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأنفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سہل نے کہا کہ عویمر نے تین طلاقیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرما دیا۔

۳۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أن رجلاً طلق امرأتہ ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم أتحل للأول قال لا حتی یذوق عسیلتہا کما ذاق الأول۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اُس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا۔ پھر اس نے بھی (قبلِ جماع) طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، اب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہے، آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا بھی اس طرح کا مزہ نہ چکھ لے جس طرح پہلے نے چکھا تھا۔

امام بخاری نے یہ حدیث بھی من جوز الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کی ہے۔ اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ تین یکجائی طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس واقعہ تک یہ مسئلہ اتنا مشہور و معروف ہو چکا تھا کہ حضورؐ کی طرف مراجعت کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ بلاشبہ اس حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ اس شخص نے بیک مجلس تین طلاقیں دی تھیں یا بہ تفریق دی تھیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام بخاری کا اس حدیث کو من جوز الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کرنا بے وجہ ہے! اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت دی گئی تھیں۔

۴۔ إن رجلاً جاء إلی عبد اللہ بن مسعودٍ فقال إنی طلقت امرأتی ثمانی تطلیقات فقال ابن مسعودٍ فما قیل لک قال قیل لی إنہا قد بانت منک فقال ابن مسعودٍ صدقوا ھو مثل ما یقولون۔ (مؤطا امام مالک)

ایک شخص عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اس کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا ہے؟ اُس نے جواب دیا مجھ سے کہا گیا کہ وہ عورت تجھ سے جدا ہو گئی۔ انھوں نے فرمایا لوگوں نے سچ کہا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں۔

اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہی ہے بلکہ یہ بھی

معلوم ہوا کہ اُس وقت تمام اہلِ فتویٰ یہی فتویٰ دیتے تھے۔

۵۔ نعمان بن ابی عیاش انصاری، عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اُس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے چکے تھے۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے کہا کہ باکرہ کی طلاق تو ایک ہے۔

فقال لی عبد اللہ بن عمرو بن العاص إنما أنت قاص، الواحدۃ تبینہا والثلاث تحرمہا حتی تنکح زوجاً غیرہٗ۔ (موطا مالک)	پس عبداللہ بن عمرو بن العاص نے مجھ سے کہا تم محض قصہ گو ہو ایک طلاق اُس کو جدا کر دے گی اور تین طلاقیں اُس کو حرام کر دیں گی، جبتک کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔

۶۔ محمد بن ایاس، بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اُس کی رائے ہوئی کہ اُس سے نکاح کرے۔ وہ فتویٰ لینے کے لئے آیا اور میں اُس کے ساتھ گیا۔

فسأل عبد اللہ بن عباس وأبا ھریرۃ عن ذالک فقالا لا نری أن تنکح حتی تنکح زوجاً غیرک، قال فإنما کان طلاقی إیاھا واحدۃ فقال ابن عباس إنک أرسلت ما کان لک من فضل۔ (موطا مالک)	اُس نے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا۔ اُن دونوں نے کہا تم اُس سے اُس وقت تک نکاح نہیں کر سکتے جبتک وہ تمہارے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ اُس نے کہا میں نے دراصل اس کو ایک طلاق دی تھی۔ ابن عباس نے کہا تمہیں جو اختیار تھا تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔
۷۔ إن رجلاً قال لعبد اللہ بن عباس إنی طلقت امرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تری علیّ فقال لہٗ ابن عباس طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بہا اٰیات اللہ ھزواً۔ (موطا مالک)	ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں آپ کے خیال میں مجھ پر کیا چیز عائد ہوتی ہے؟ ابن عباس نے کہا، وہ تین طلاقوں کے ذریعہ تجھ سے آزاد ہو گئی اور ستانوے ۹۷ طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں سے استہزاء کیا۔
۸۔ عن مالک بن حارث قال جاء رجل إلی ابن عباس فقال إن عمی طلق امرأتہ	مالک بن حارث نے کہا کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں

ثلاثاً فقال إنّ عمّك عصى الله فأثمه الله و أطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً (معانی الآثار للطحاوی)	کہا، تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت کی۔ پس اللہ نے اس کیلئے مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔
۹۔ عن انس قال لا تحل له حتّٰی تنکح زوجاً غیرہٗ۔ (طحاوی)	حضرت انسؓ نے تین یکجائی طلاقوں کے بارے میں فرمایا، اس کیلئے حلال نہیں جبتک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔
۱۰۔ وروی وکیع عن الأعمش عن أبی حبیب عن أبی ثابت قال جاء رجل إلی علیّ بن أبی طالب فقال إنی طلّقت امرأتی ألفاً فقال له علیؓ بانت منك بثلاث۔ (طحاوی)	ابوثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا، وہ تین طلاقوں سے بائن ہو گئی۔
۱۱۔ روی وکیع ایضاً عن معاویۃ بن أبی یحییٰ قال جاء رجل إلی عثمان بن عفّان فقال طلّقت امرأتی ألفاً فقال بانت منك بثلاث۔ (طحاوی)	وکیع نے معاویہ بن ابی یحییٰ سے یہ بھی روایت کیا ہے، ایک شخص حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ انھوں نے کہا، وہ تین طلاقوں سے جدا ہو گئی۔

۱۲۔ تفیع حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکاتب یا غلام تھے۔ اُنھوں نے اپنی بیوی کو جو حرّہ اور آزاد تھیں، دو طلاقیں دے دیں، پھر رجوع کرنا چاہا تو ازواج مطہرات نے انکو حکم دیا کہ پہلے حضرت عثمانؓ سے مسئلہ پوچھیں۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ سے فتویٰ طلب کیا تو انھوں نے فرمایا: تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی۔ (موطا مالک)

اِن احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ نے پوری طرح واضح کر دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا بیک کلمہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ اِن احادیث و آثار کی سندوں پر اور اس مسئلہ کی تفصیلات پر لمبی چوڑی بحثیں اس مختصر مقالہ میں سما نہیں سکتیں اور ان بحثوں کا اعادہ مفید بھی نہیں، کیونکہ صدیوں سے اس کا سلسلہ جاری ہے اور مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ موجودہ حالات میں راقم الحروف کے نزدیک قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین اور ایک قرار دینے والے دونوں مسئلوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے

کی کتنی گنجائش نکل سکتی ہے اور کس حد تک یہ دونوں مسلکے ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں۔ دونوں مسلکوں کے دلائل اور اس مسئلہ کی تمام بحثوں کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں مسلکوں کے ماننے والوں میں افراط و تفریط کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس مجلس مذاکرہ کے لئے جو سوالات قائم کئے گئے ہیں اُن کے جواب میں راقم نے اپنے مطالعہ اور حقیر علم کی حد تک افراط و تفریط سے بچ کر اپنی رائے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں سوالات اور جوابات نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال ۱ :- کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دُہرانے سے یعنی بیک وقت طلاق طلاق طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی۔

جواب :- اگر تین بار طلاق کا لفظ دُہرانے والا یہ کہتا ہے کہ اُس کی نیت ایک طلاق کی تھی، مزید دو بار طلاق کا لفظ اُس نے تاکید کے لئے استعمال کیا تھا تو میرے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی۔

سوال ۲ :- کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے، لفظ تین کی صراحت کے ساتھ، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ جب تک تین کا لفظ استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں۔ اِس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک ؟

جواب :- میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر طلاق دینے والے نے اِس خیال کے تحت تین کی صراحت کے ساتھ طلاق دی کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جانا چاہیئے۔

سوال ۳ :- کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلّظہ ہونے پر امّت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو اُن علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔

جواب :- ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلّظہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ بھی چلا آرہا ہے اور اس کا انکار بھی۔ ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اساطینِ امّت نے اس پر اجماع کا انکار کیا ہے، اور اب تو اہلِ حدیث حضرات کی کثیر التعداد جماعت بھی اس پر اجماع کا انکار کرتی ہے

اختلافِ مسالک بتانے والی کتابوں کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ سے اس مسئلہ میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ ابن رُشد لکھتے ہیں :-

جمهور فقهاء الأمصار على أن الطلاق بلفظ الثلاث حكمه حكم الطلقة الثالثة وقال أهل الظاهر وجماعة حكمه حكم الواحدة ولا تأثير للفظ في ذالك

(بدایۃ المجتہد ج ۲ - کتاب الطلاق)

جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ تین کے لفظ سے جو طلاق دی جاتی ہے، اُس کا حکم تیسری طلاق یعنی طلاق مغلظہ کا ہے اور اہلِ ظاہر اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اس کا حکم ایک طلاق کا حکم ہے اور اس میں لفظ کی کوئی تاثیر نہیں۔

خود قاضی ابن رُشد کا اپنا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم ایک ہی طلاق کا ہونا چاہیئے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ محلِ نظر ہے۔

سوال نمبر ۵ :- آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلے کا کیا حل ہے، اسے ایک شمار کیا جانا چاہیئے یا تین؟

جواب :- جیسا کہ میں اُوپر مقالہ میں عرض کر چکا ہوں، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بیک مجلس اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ میرے نزدیک تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی جتنی گنجائش نکل سکتی ہے اُس کا ذکر میں نے سوال نمبر ایک اور دو کے جواب میں کیا ہے۔ جو لوگ یہ جان کر اور سمجھ کر کہ بیک دفعہ و بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالنے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، ایسے لوگوں کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا معاشرتی نظام ایک سیدھا سادہ نظام ہے جس میں نہ قانونی پیچیدگیاں ہیں اور نہ تکلفات۔ دینِ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ (سورۂ حج) اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خصوصیت الحنیفیۃ السمحۃ "سہل اور حنیف دین" بتائی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شریعت کو سہل اور آسان بنا دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ اصولی بات بیان کی گئی ہے کہ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (بقرہ۔ ۱۸۵) اور حدیث میں شدت پسندی اور قانونی موشگافیوں سے منع کر دیا گیا ہے۔

ان الدین یسرٌ ولن یشاد الدین الا غلبہ (بخاری)	دین آسان ہے اور جو کوئی دین کو مشکل بنائے گا وہ بے بس ہو کر رہ جائے گا:

اور فرمایا:

ھلك المتنطعون۔ (مسلم)	دین میں تعمق اور تشدد برتنے والے ہلاک ہو جائیں:

قرآن و سنت کی ان ہدایات کے پیشِ نظر فقہی موشگافیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا بال کی کھال نکالنا اور شرعی احکام کو مشکل اور دقیق بنا کر لوگوں کے لئے دشواریاں پیدا کرنا دین کی خدمت ہرگز نہیں ہے۔

اسلام کا ضابطۂ طلاق انتہائی سادہ اور اعتدال پر مبنی ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ امت کے اندر جو فقہی بحثیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اس نے اس کو سادہ شکل میں باقی نہیں رہنے دیا بلکہ اس میں تعمق اور تشدد پیدا کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کو معاشرتی زندگی میں غیر معمولی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس سے مسلم پرسنل لا کے مخالفین بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دریں حالات ملتِ اسلامیہ کو اسلام کے معاشرتی نظام سے وابستہ اور شرعی احکام پر کاربند رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام فقہی موشگافیوں، تعمق اور تشدد کے علی الرغم ابھرتے ہوئے معاشرتی مسائل کا کتاب و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور اجتہادی امور میں دین و ملت کے مصالح کا پورا پورا لحاظ کیا جائے اور ان تمام اصرار و اغلال کو

توڑ دیا جائے جس نے ملّتِ اسلامیہ کو جکڑ رکھا ہے۔ خواہ کسی حلقہ کی طرف سے کتنی ہی مخالفت کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ مخالفتوں کے مقابلہ میں دین و ملّت کے مصالح زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کے مسئلہ پر بھی غور کرتے وقت ہمیں یہی انداز اختیار کرنا ہوگا۔ کیا زبان سے بیک وقت "طلاق، طلاق، طلاق" کے الفاظ نکل جانے پر یا "میں نے تجھے تین طلاقیں دیں" کہہ دینے پر شرعاً تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں کہ جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اور وہ اُسے پھر اپنی مرضی سے طلاق نہ دے پہلے شوہر کے لئے وہ جائز نہیں ہو جاتی؟ اور خاص طور سے ایسے حالات میں جبکہ لوگ لاعلمی کی بنا پر بیک وقت تین طلاقیں دینے کے عادی ہو گئے ہیں، اور جب انھیں تین طلاقوں کے واقع ہو جانے کا فتویٰ مل جاتا ہے تو پچھتانے لگتے ہیں۔ ایک غلط فہمی لوگوں میں یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ جب تک ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دی جائیں، طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں تطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ سنجیدہ غور و فکر چاہتا ہے اور اس بات کا متقاضی ہے کہ کتاب و سنّت کی روشنی میں اس کا حل تلاش کیا جائے۔

زمانۂ جاہلیت میں طلاق

جاہلیت میں طلاق کے لئے کوئی تحدید نہیں تھی۔ مرد اپنی بیوی کو جب چاہتا طلاق دیتا اور عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرتا۔ طلاق دینے اور رجوع کرنے کا یہ سلسلہ بغیر کسی تحدید کے جاری رہتا جس سے عورت کو سخت تکلیف پہنچتی اور وہ بے بس ہو کر رہ جاتی۔

اسلام کا اصلاحی اقدام

اسلام نے طلاق کے اِس ظالمانہ طریقہ اور لامحدود سلسلہ کو ختم کر دیا اور مرد کو دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا اختیار دیا تاکہ خاندانی زندگی میں تفرقہ پیدا ہونے سے پہلے مرد کو اُس کے نتائج و عواقب پر غور کرنے کا دو مرتبہ موقع ملے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اس رشتہ کو ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے یعنی تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو یہ طلاق مغلظہ ہو گی۔ یعنی اب نہ وہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ اُس سے نکاح ہی کر سکتا ہے، تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اور پھر وہ اُسے اپنی مرضی سے طلاق نہ دے۔ یہ حکم اِس لئے دیا گیا ہے تاکہ مرد بار بار طلاق دے کر عورت کو پریشان

نہ کرے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا۔

قرآن و سنّت کی رُو سے طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ حالتِ طُہر میں جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو صرف ایک طلاق دینے پر اکتفا کیا جائے۔ یہ طلاق عدّت کے اندر رجعی ہوگی اور عدّت گذر جانے پر بائن ہو جائے گی۔ یعنی عدّت گذر جانے پر رجوع کا موقع تو باقی نہیں رہے گا، البتہ مرد اور عورت دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ اِس احسن طریقہ کو چھوڑ کر بیک وقت تین طلاقیں دینا نہ شرعاً درست ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہی ہے۔ مرد کے لئے کسی مجبوری کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اگر وہ عورت کو چھوڑنا ہی چاہتا ہے تو ایک طلاق دے کر چھوڑ سکتا ہے۔ اِس لئے جو لوگ بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اُن کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ صریح جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں تاکیدی حکم ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا۔ (البقرۃ ـ ۲۲۹) "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں (ضابطے) ہیں اِن سے تجاوز نہ کرو۔"

اور فرمایا:

وَلَا تَتَّخِذُوا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ (البقرۃ ـ ۲۳۱) "اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔"

کیا قرآن نے آنِ واحد کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دیا ہے ـــ

قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ کہیں یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ آنِ واحد کی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ جس آیت سے مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ

"طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو معروف طریقہ پر عورت کو رکھ لیا جائے یا بھلے طریقہ سے رخصت کر دیا جائے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا تھا اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ الّا یہ کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ اگر واقعی تم کو اندیشہ ہو کہ دونوں حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکیں گے تو دونوں پر اس معاملہ میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دیکر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کریں وہی

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ (البقرۃ - ۳۰ - ۲۲۹)	ظالم ہیں۔ پھر اگر (تیسری مرتبہ) طلاق دیدی تو اس کے بعد وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے ؛

اس آیت میں "مَرَّتَانِ" (دو مرتبہ) کا جو لفظ آیا ہے اُس سے طلاق کا لفظ دُہرانا یا عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دینا مُراد لیا جاتا ہے۔ اِس بنا پر "طلاق، طلاق، طلاق" یا "تین طلاقیں" کہہ دینے پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا ہے، حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب لفظ طلاق کو دُہرانا نہیں بلکہ دوسری دفعہ طلاق دینا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رُجوع کا حق باقی رہتا ہے، لیکن تیسری دفعہ طلاق دینے کے بعد رُجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس کا یہ مطلب کس طرح صحیح ہوگا کہ اگر کسی نے بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا تو رُجوع کا حق باقی نہیں رہا اور طلاق مغلّظہ ہوگئی، حالانکہ اُس شخص نے ایک ہی دفعہ طلاق دی ہے۔ لفظ "مَرَّتَان" کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ درج ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے :

اوّلاً لغتِ عرب میں "مَرَّتَان" کا مطلب مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ ہے۔ یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ، نہ کہ محض لفظی تکرار۔ اور اس کی نظیریں قرآن میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا :

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ۔ (توبہ - ۱۲۶)	"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انھیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے"۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۔ (نور - ۵۸)	"اے ایمان والو! تمہارے مملوک اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں"۔

اِس آیت کے بعد تین اوقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں "ثَلٰثَ مَرّٰتٍ" (تین اوقات میں) کا مطلب الگ الگ تین اوقات ہیں، نہ کہ زمانہ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اِس سے واضح ہوا کہ "مرتان" میں تفریق کا مفہوم شامل ہے۔ اگر کوئی مثال اجتماع کی پیش کی جاسکتی ہے تو وہ اعیان کی ہوگی، نہ کہ افعال کی۔ کیونکہ فعل میں زمانہ واحد میں "مرتان" کا اجتماع مُمکن نہیں۔

ثانیاً رمیِ جمار کی مثال ہے۔ سات کنکریاں مارنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص سات مرتبہ ایک ایک کنکری مارنے کے بجائے ایک ساتھ سات کنکریاں مارے گا تو حکم کی تعمیل نہیں ہوگی اور جمہور علماء کے نزدیک ایک ہی رمی شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کہ "میں تینتیس ۳۳ بار سُبحٰنَ اللہِ کہتا ہوں" تو ایک ہی تسبیح شمار ہوگی، نہ کہ تینتیس ۳۳۔

ثالثاً چار قسموں کی مثال ہے جس کا حکم لِعان کے سلسلہ میں دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص الگ الگ چار قسمیں کھانے کے بجائے ایک ساتھ کہہ دے کہ "میں چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں" تو اس کی ایک ہی قسم شمار ہوگی، نہ کہ چار ۴۔

(مرّتان کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد۔ ج ۴، ص ۵۹)

اگر مذکورہ آیت میں مُراد طلاق کا عدد ہوتا تو مرّتان کی جگہ لفظ اثنتان استعمال کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرّتان سے مُراد لفظ طلاق کی تکرار یا عدد نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں:

طلّقوا مرّتین یعنی دفعتین۔ "دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو"

(التفسیر الکبیر۔ ج ۲ ص ۳۰۶)

انّ الطلاق المشروع متفرق لأنّ المرّات لا تکون إلّا بعد تفرّق بالإجماع۔ (ایضاً) "مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے کیونکہ بالاجماع "مرّات" تفرّق کے بعد ہی ممکن ہے"

لہٰذا جب دو طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں، دو شمار نہیں ہوں گی تو تین طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں کس طرح تین شمار ہوں گی؟

پھر جس پس منظر میں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بیک وقت کئی طلاقیں دینے کا رواج نہیں تھا، بلکہ بار بار طلاقیں دی جاتی تھیں اور بار بار رُجوع کیا جاتا تھا۔ اس لئے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کا معہود یہی بار بار کی طلاقیں ہوگا، نہ کہ بیک وقت دی جانے والی متعدّد طلاقیں۔

سورۂ طلاق میں ہدایت کی گئی کہ جب طلاق دی جائے تو عدّت کے لئے دی جائے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ "اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدّت کے لئے

لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ (طلاق-۱) طلاق دو اور عدّت کو شمار کرو"۔

عدّت کے لیے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی جائے جبکہ عدّت کا آغاز ہوسکے۔ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدّت کا لحاظ نہیں کرتا کیونکہ پہلی طلاق دیتے ہی عدّت شروع ہوگئی لیکن دوسری اور تیسری طلاق میں عدّت کا لحاظ نہیں رہا حالانکہ طلاق کیلئے عدّت کا لحاظ ضروری ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ حکم دیا ہے کہ عدّت کا لحاظ کرکے طلاق دی جائے بلکہ عدّت کے اندر رجوع کرنے کا بھی حق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ • جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدّت پوری ہونے کو بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ (بقرہ-۲۳۰) آجائے تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے رخصت کردو۔

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدّت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جا سکتا ہے، یعنی عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، کس نے ساقط کیا؟ اگر کوئی نص ساقط کرنے کے لئے موجود ہے تو کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تیسری دفعہ کی طلاق سے پہلے عدّت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ لہٰذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر تیسری دفعہ کی طلاق دو دفعہ دی ہوئی طلاقِ رجعی کے بعد ہی واقع ہوتی ہے، نہ کہ بیک وقت۔ اللہ نے الگ الگ طلاقیں دینے ہی کا اختیار مرد کو دیا ہے، جیسا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا جب جمع کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تو آنِ واحد میں دی جانے والی تین طلاقیں کس طرح تین واقع ہوں گی؟

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اِیلاء (بیوی سے علیٰحدہ رہنے کی قسم کھانا) کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ • مطلقہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

اور اسی سیاق میں فرمایا:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔ (سورۂ بقرہ-۲۲۸) "ان کے شوہر تعلقات درست کرنے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدّت کے دوران انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لینے کے حقدار ہیں۔"

معلوم ہوا کہ ایلاء میں بھی رُجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

دوسری مثال ظہار کی ہے۔ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا۔ زمانہ جاہلیت میں اسے طلاق بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ظہار کے بعد رُجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا (مُجادلہ-۲) "یہ لوگ ایک مُنکر اور جھوٹی بات کہتے ہیں"۔

ظہار کو مُنکر اور زُور قرار دینے کے باوجود اس کا صرف کفّارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی ظہار کو طلاق نہیں ٹھہرایا اور جاہلیت کے اِس رواج کو کہ بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ابدی طور پر شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے، باطل قرار دیا۔

اب زیرِ بحث مسئلہ کو لیجئے۔ کیا بیک وقت تین طلاق کے الفاظ ادا کرنے پر طلاقِ مغلظہ کا حکم لگانا ایلاء اور ظہار سے بھی شدید قرار دینے کے مترادف نہیں ہے؟ دراں حالیکہ اس شدّت کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

الغرض مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا تین واقع ہونا قرآن کی کسی نص سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ صریح طور سے قرآن میں کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ آنِ واحد کی تین طلاقیں تین واقع ہوں گی۔ رہا نصوصِ قرآنی کی تعبیر کا مسئلہ تو دلائل مذکورہ کی بنا پر یکجا طور پر دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا ہی قرآن سے زیادہ مناسبت رکھنے والی بات ہے۔

کیا مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا وقوع حدیث سے ثابت ہے

جس طرح یکجائی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر قرآن کی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے، اسی طرح احادیثِ صحیحہ کی بھی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔

جن احادیث سے اس کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے اُن میں سے بعض احادیث تو وہ ہیں جن میں یکجا طور پر تین طلاقیں دینے کی صراحت موجود نہیں ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کا محل دوسرا ہے اس لئے اُن سے کوئی دلیل فراہم نہیں ہوتی اور بعض احادیث یا تو مضطرب ہیں یا ضعیف اس لئے اُن میں سے کوئی حدیث حجّت کی حیثیت نہیں رکھتی چند خاص حدیثوں کا جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جن سے عام طور پر مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

إِنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزُّبَيْرِ الْقُرَظِيَّ وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ. لَا حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ۔ (بخاری کتاب الطلاق)	"رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ (کاٹنے والی طلاق) دی اور میں نے اس کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا لیکن وہ زوجیت کے لائق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید کہ تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے۔ نہیں جبتک کہ (تیرا دوسرا شوہر) تجھ سے لطف اندوز نہ ہو لے اور تو اس سے لطف اندوز نہ ہو جائے"

اِس حدیث میں طلاق بتہ (کاٹنے والی طلاق) کا ذکر ہے لیکن اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ تین طلاقیں یکجا طور پر دی گئی تھیں۔ البتہ صحیح مسلم کی حدیث طلاق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ (مسلم کتاب الطلاق)	"اُس نے اُس کو تین طلاقوں کی آخری طلاق دی۔" (یعنی تین طلاقوں میں سے جو آخری طلاق رہ گئی تھی وہ بھی دے دی)

اِس حدیث میں جب مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کی صراحت نہیں ہے تو اس سے اس کے واقع ہونے پر استدلال کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ:

"اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔" (ملاحظہ ہو فتح الباری۔ ج ۷، ص ۲۸۶)

دوسری حدیث عُویمر عجلانی کی ہے جس میں لعان کا قصہ بیان ہوا ہے:

فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری کتاب الطلاق)	"جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عُویمر نے کہا اگر میں اس (بیوی) کو اپنے پاس روک لوں تو جھوٹا ہوں۔ پھر اس نے اس کو تین طلاقیں دے دیں قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں۔"

اِس حدیث کو اِس بات کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ جب عُویمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بیک وقت تین طلاقیں دیں اور آپؐ نے نکیر نہیں فرمائی تو مجلسِ واحد کی تین طلاقیں

واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ لعان کے بعد تفریق ہو ہی جاتی ہے، اور نہ رجوع کی گنجائش باقی رہتی ہے اور نہ دوبارہ نکاح کرنے کی۔ عویمر نے جو تین طلاقیں دیں وہ محض تاکید و توثیق کے لئے تھیں، ورنہ لعان میں اس کے بغیر ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی ہو گی۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وأما حديث المتلاعنين فغير لازم لأن الفرقة لم تقع بالطلاق فإنها وقعت بمجرد لعانهما۔ (المغنی ج ۷، ص ۱۰۳)	" رہی لعان والی حدیث تو اس سے لازم نہیں آتا کیونکہ جدائی طلاق سے نہیں ہوئی بلکہ مجرد لعان سے ہوئی "

تاہم اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے کوئی چیز ثابت کی جا سکتی ہے تو صرف یہ کہ لعان کے بعد تین یکجائی طلاقیں دی جا سکتی ہیں۔ اس میں عموم پیدا کرنا اور جہاں رجوع کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے وہاں کے لئے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

تیسری حدیث فاطمہ بنت قیس کی ہے جو صحیح مسلم میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن فاطمة بنت قيس أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فأرسل إليها وكيله بشعير فسخطته فقال والله ما لك علينا من شيء فجاءت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ذالك له۔ فقال ليس لك عليه نفقة۔ (مسلم کتاب الطلاق)	" فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ ابو عمرو بن حفص نے انہیں طلاق بتہ (جدا کرنے والی طلاق) دی اور وہ موجود نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے وکیل کو جو دے کر ان کے پاس بھیجا۔ فاطمہ نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو اس نے کہا: قسم بخدا تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر روداد پیش کی۔ آپ نے فرمایا، تیرا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہے "

اس حدیث میں بھی طلاق بتہ کا ذکر آیا ہے جس کو تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں:

فطلقها آخر ثلاث تطليقات	" اس نے اس کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی "

اور دوسری روایت میں اس سے زیادہ صراحت ہے:

فأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطليقة كانت بقيت من طلاقها۔ (مسلم کتاب الطلاق)	"انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک طلاق جو باقی رہ گئی تھی دے کر اپنے وکیل کو اُن کے پاس بھیجا۔"

جب یہ حدیث تین یکجائی طلاقوں کی صراحت نہیں کرتی تو اس سے ان کے واقع ہونے پر استدلال کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

چوتھی حدیث حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس کو صحیح مسلم نے روایت کیا ہے اور جو بہت مشہور ہے:

عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم۔ (مسلم کتاب الطلاق)	"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاقیں ایک ہی سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا جس معاملہ میں لوگوں کو غور و فکر کرنے کا موقع دیا گیا تھا اس میں وہ جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں لہٰذا ہم کیوں نہ اس کو نافذ کردیں۔ چنانچہ آپ نے اس کو اُن پر نافذ کر دیا۔"

اِس حدیث کو مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے ایقاع کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں تین یکجائی طلاقوں کو نافذ کر دیا تو اس سے اس کے ایقاع اور اس پر اجماع دونوں کا ثبوت ملتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس حدیث سے حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ اور عہدِ رسالت کا تعامل بھی تو ثابت ہوتا ہے۔ پھر کس دلیل سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو مان لیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ اور عہدِ رسالت کے تعامل کو قبول نہ کیا جائے، جبکہ عہدِ رسالت کا تعامل بہرحال فوقیت رکھتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین یکجائی طلاقوں کی شرعی حیثیت میں تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ محض تعزیراً ان کو نافذ کیا تھا اور تعزیرات کے باب میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات معلوم ہی ہیں۔ مثلاً شراب کی دکان کو جلا دینا، شرابیوں کے لئے اسی کوڑوں کی سزا مقرر کرنا اور شہر بدر کرنا وغیرہ۔ صحابہ کرام نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ مصالحِ امت کے پیشِ نظر تعزیراً ان کو نافذ کر رہے ہیں تو انھوں نے اِس معاملہ

میں آپ سے اتفاق کیا۔

یہ حدیث سُننِ ابی داؤد میں جس طریقہ سے بیان ہوئی ہے اس میں

إذا طلّق امرأته قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة۔	"جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تو انھیں ایک شمار کیا جاتا۔"

کے الفاظ ہیں۔ لیکن امام نووی لکھتے ہیں کہ ابوداؤد کی روایت ضعیف ہے (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱، ص ۴۷۸) ان تمام باتوں کے پیشِ نظر اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

پانچویں حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے جو صحیحین میں بیان ہوئی ہے۔

عن ابن عمر أنّه طلّق امرأته وهي حائض في عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فسأل عمر بن الخطاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن ذلك فقال له رسول الله صلّى الله عليه وسلّم مُرْه فليراجعها ثمّ ليتركها حتّى تطهر ثمّ تحيض ثمّ تطهر ثمّ إن شاء أمسك بعد وإن شاء طلّق قبل أن يمسّ فتلك العدّة التي أمر الله أن يطلّق لها النساء۔ (مسلم کتاب الطلاق)	"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ کے عہد میں اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، اُن سے کہو کہ وہ رجوع کرلیں پھر اسی حالت میں بیوی کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر جب دوسرا حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو جائے تو چاہیں تو روک لیں، چاہیں تو مجامعت سے پہلے طلاق دیں۔ یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ نے عورتوں کی طلاق کے سلسلہ میں دیا ہے۔"

یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں ہے، اسی لئے مُسلم نے اس حدیث کو طلاق الثلاث کے باب میں نہیں بیان کیا ہے بلکہ تحریم طلاق الحائض کے باب میں بیان کیا ہے۔ البتہ بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان ایک سوال کے جواب میں موجود ہے کہ:

فأمّا إن طلّقتها ثلاثًا فقد عصيت ربّك فيما أمرك به من طلاق امرأتك وبانت منك۔ (مسلم کتاب الطلاق)	"اگر تونے تین طلاقیں دی ہیں تو اپنی بیوی کی طلاق کے معاملہ میں تونے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ تجھ سے جُدا ہو گئی۔"

اس جواب میں تین یکجائی طلاقوں کی صراحت نہیں ہے۔ مزید برآں اس کی حیثیت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتوے کی ہے، یعنی مرفوع حدیث کا یہ جزء نہیں ہے۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی اور طبرانی کا مرفوعاً بیان کرنا کہ:

فقلت یا رسول اللہ أرأیت لو طلقتھا ثلاثاً	"(ابن عمرؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں تین
أکان یحل لی أن أراجعھا فقال لا،	طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لئے رجوع کرنا جائز ہوتا۔ آپؐ نے
کانت تبین منک وکانت معصیۃ۔	فرمایا نہیں، وہ تم سے جدا ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔"

یہ اضافہ والی روایت ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے اغاثۃ اللھفان میں لکھا ہے۔ اس کے ایک راوی شعیب ہیں جن کے ثقہ ہونے میں کلام ہے۔ صحیح طریقوں سے یہ حدیث جہاں کہیں روایت کی گئی ہے اس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے تین یکجائی طلاقوں کا ایقاع ثابت نہیں ہوتا۔

چھٹی حدیث محمود بن لبید کی ہے جسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

عن محمود بن لبید قال أخبر رسول اللہ صلی اللہ	"محمود بن لبید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات	مطلع کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں یکجا
جمیعاً فقام غضباناً ثم قال أیلعب بکتاب اللہ	طور پر دی ہیں۔ یہ سن کر آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا:
وأنا بین أظھرکم حتی قام رجل وقال یا	کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے درآں حالیکہ میں تمہارے
رسول اللہ ألا أقتلہ۔	درمیان موجود ہوں۔ ایک شخص آپ کی برہمی کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا
(نسائی۔ کتاب الطلاق)	اور کہا، یا رسول اللہ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟"

اس میں تین طلاقوں پر آپؐ کے برہم ہونے کا ذکر ہے، لیکن ان کے ایقاع کی اس میں صراحت نہیں ہے اور آپؐ کا ارشاد أیلعب بکتاب اللہ "(کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائیگا) واضح کرتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا کتاب اللہ سے کھیلنا ہے۔ لہٰذا یہ بات کس طرح باور کی جا سکتی ہے کہ آپؐ اس کو مؤثر مان کر کتاب اللہ سے کھیلنے کی اجازت دیں گے؟ علاوہ ازیں اس روایت کے بارے میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ فیہ انقطاع (یہ روایت منقطع ہے) (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۲۷۷) الغرض تین یکجائی طلاقوں کا واقع ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

ساتویں حدیث رکانہ کی ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

عن رُكانۃَ قال أتیتُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فقلتُ یا رسول اللہ إنّی طلّقتُ امرأتی البتّۃ فقال ما أردتَ بھا، قلتُ واحدۃً۔ قال واللہِ۔ قلتُ واللہِ۔ قال فھو ما أردتَ۔ (ترمذی، کتاب الطلاق)	"رکانہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتّہ (جدا کرنے والی طلاق) دی ہے آپؐ نے پوچھا تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ میں نے کہا، ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہو۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں آپؐ نے فرمایا پھر اس کا حکم بھی تمہارا ارادے کے مطابق ہے" (یعنی چونکہ ایک طلاق کی نیت تھی اس لیے ایک ہی واقع ہوگی۔)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے لکھا ہے "لا نعرفہ إلّا من ھذا الوجہ" (ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے) اس کے ایک راوی زبیر بن سعید ہیں جن کے بارے میں علامہ ابن حجر نے تقریبُ التہذیب میں لکھا ہے کہ لیّنُ الحدیث ہیں۔ اسی طرح دوسرے راوی عبداللہ کے بارے میں بھی یہی بات لکھی ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حدیث رکانہ کوئی چیز نہیں۔ امام بخاری نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور علتِ حدیث کو جاننے والے ائمہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ (إغاثۃ اللہفان ج ۱ ص ۳۱۶) اس لئے اِس حدیث سے بھی مسئلہ زیرِ بحث میں استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ برعکس اِس کے ابو رکانہ کی وہ حدیث جس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور جس میں ابو رکانہ کے تین طلاقیں دینے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مراجعت کا حکم دینے کا ذکر ہے۔

فقال إنّی طلّقتُ ثلاثاً یا رسولَ اللہ، قال قد علمتُ راجعھا۔ (ابوداؤد۔ ابواب الطلاق)	"ابو رکانہ نے کہا، میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: میں جانتا ہوں، تم رجوع کرلو!"

اس حدیث سے ایک طلاق واقع ہونے کی تائید ہوتی ہے لیکن اس کی اسناد میں بعضُ بنی أبی رافع مذکور ہے جو راوی کے مجہول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

مشہور اور اہم حدیثوں کا جائزہ اوپر پیش کیا گیا۔ ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی ہیں جو یکجائی تین طلاقوں کے ایقاع کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ دار قطنی وغیرہ کی حدیثیں ہیں جو بوجہ اسناد اور متن وغیرہ کے لحاظ سے ایسی نہیں ہیں کہ اُن سے حجت قائم ہو سکے۔ اتنے اہم مسئلہ میں کمزور

غیر مشہور اور غیر واضح حدیثوں کا سہارا لے کر تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ حدیثوں کو قبول کرنے کے معاملہ میں اس قدر محتاط تھے کہ آپ نے فاطمہ بنت قیس کی اس مطلقہ کے لئے جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں، عدمِ نفقہ کی روایت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

قال عمرُ نترك كتاب الله وسنّة نبيّنا صلّى الله عليه وسلّم بقول امرأةٍ لاندري لعلّها حفِظت أو نسِيت، لها السّكنى والنّفقة قال الله عزّ وجلّ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ۔ (مسلم کتاب الطّلاق)

"حضرت عمرؓ نے فرمایا، کیا ایک عورت کے کہنے پر ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کو چھوڑ دیں جبکہ ہم نہیں جانتے اُس عورت نے یاد رکھا یا بھول گئی؟ مطلقہ ثلاث کے لئے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا ہے، ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، اِلّا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔"

اِس لئے مسئلہ زیرِ بحث میں جبکہ کوئی صحیح اور صریح حدیث موجود نہیں ہے، قرآن کے بیان پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ غیر صحیح اور غیر صریح روایتوں سے تین یکجائی طلاقوں کا وقوع شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔

کیا تین یکجائی طلاقوں کے وقوع پر اجماع ہے؟

کہا جاتا ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے پر اجماع ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اُمّت کے درمیان مُختلف فِیہ رہا ہے اور دورِ صحابہؓ سے لے کر اب تک اس کے بارے میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث اُوپر گذر چکی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا[1]۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی کا اجماع کس چیز پر تھا؟ رہا حضرت عمرؓ کا اجتہاد تو اُس کی جو توجیہ علامہ ابن قیم نے فرمائی ہے، اوپر مذکور ہوئی۔ یعنی یہ حکم عارضی تھا اور بطورِ تعزیر تھا۔ محمد حسین ہیکل نے بھی "الفاروق عمرؓ" میں اس پر مفصّل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ کی نص میں اجتہاد کیا تھا جس کی آج ہم مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ نصِ قرآنی کا مقصود یہ ہے کہ طلاق بالفعل ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ دینے پر واقع ہو اور شوہر کے لئے دو دفعہ رجوع کا موقع باقی رہے۔ کیونکہ اس کے اثرات زندگی پر گہرے مرتب

---

[1] یہ روایت صحیح مسلم کی ہے لیکن روایتہً اس پر کلام کی گنجائش ہے۔ یہاں اس کی جو توجیہ پیش کی جا رہی ہے وہ اس مفروضہ پر ہے کہ اگر اس روایت کو قابلِ استدلال سمجھا جائے تو اس کی صحیح توجیہ یہ ہوگی۔

ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ "تجھے تین طلاقیں ہیں" تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق ایک فعل ہے جسے واقع ہونا ہے، نہ کہ قول جسے زبان سے ادا کرنا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق و شام کی لونڈیوں کی کثرت ہوگئی تھی اس لئے لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے میں جلدی کر رہے تھے اور اُن کو بیک وقت تین طلاقیں دے کر جن لونڈیوں کی طرف اُن کے دل راغب ہوجاتے تھے اُن کو خوش اور مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے اسباب کی بنا پر حضرت عمرؓ نے کلمۂ واحد کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ موصوف آگے لکھتے ہیں:

هذا اجتهاد رأي خالف عمر فيه من بعده غيرُ واحدٍ من الفقهاء وخالفه أهل عصرنا الحاضر في طائفة من البلاد الإسلامية ولا ضير على عمر من ذالك ولا ضير منه على مخالفيه، فعمر وغيرُهُ من الصحابة لم يكونوا يفتون برأيهم على سبيل الإلزام ولا على أنه وحده الحق بل على أنه رأي إن يكن صواباً فمن الله وإن يكن خطأً فمن صاحبه فهو يستغفر الله منه۔ (الفاروق عمر محمد حسین ہیکل۔ ج ۲، ص ۲۸۶)

"یہ حضرت عمرؓ کا اجتہادِ رائے ہے جس کی مخالفت ان کے بعد متعدد فقہاء نے کی ہے اور دورِ حاضر میں بھی بلادِ اسلامیہ کا ایک گروہ اس کا مخالف ہے، لیکن اس سے نہ حضرت عمرؓ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ اُن سے اختلاف کرنے والوں پر۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ اپنی رائے سے جو فتویٰ دیا کرتے تھے وہ نہ بطورِ لزوم کے ہوتا تھا اور نہ اس طور سے ہوتا تھا کہ وہی حق ہے بلکہ ایک رائے ہے۔ اگر درست ہو تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو صاحبِ رائے کی طرف سے چنانچہ آپ اِس سلسلہ میں اللہ سے استغفار کرتے تھے:

موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

السنة ما سنه الله ورسوله لا تجعلوا خطأ الرأي سنة للأمة۔ (ایضاً)

"سُنّت وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے سُنّت قرار دیا ہے۔ رائے کی غلطی کو اُمّت کے لئے سُنّت نہ بناؤ:

مصر کی مشہور کتاب "کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ" کا مصنف رقم طراز ہے:

ولكن الواقع أنه لم يوجد إجماع، فقد خالفهم كثيرٌ من المسلمين. ومما لا شك فيه أن ابن عباس من المجتهدين الذين عليهم المعول في الدين فتقليده جائز كما ذكرنا ولا يجب

"لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پر اجماع ثابت نہیں ہے چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے جن کے اوپر دین کے معاملہ میں پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی تقلید کرنا جائز ہے جیسا کہ

تقليد عمر فيما راٰه لأنّه مجتهد وموافقة الأكثرين له لا تحتّم تقليده على أنّه يجوز أن يكون قد فعل ذالك لتحذير النّاس من إيقاع الطّلاق على وجهٍ مغاير للسّنّة فإنّ السّنّة أن تطلق المرأة في أوقاتٍ مختلفةٍ على الوجه الّذي تقدّم بيانه فمن يجرأ على تطليقها دفعةً واحدةً فقد خالف السّنّة و جزاءه هذا أن يعامل بقوله زجرًا له۔

ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت عمرؓ کی اُن کی رائے کے معاملہ میں تقلید کرنا، واجب نہیں ہے۔ کیونکہ آپ بھی مجتہد ہی تھے رہا اکثریت کا آپ سے اتّفاق کرنا تو اس سے آپ کی تقلید لازم نہیں آتی۔ ممکن ہے آپ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو جبکہ لوگ خلافِ سنّت طریقہ پر طلاق دے رہے تھے کیونکہ سُنّت یہی ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔ جس کے طریقہ کا اوپر بیان ہو چکا۔ تو جو شخص یکبارگی طلاق دینے کی جراُت کرتا ہے وہ سُنّت کے خلاف کرتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اُس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔

وبالجملة فإنّ الّذين قالوا إنّ الطّلاق الثّلاث بلفظٍ واحدٍ يقع به واحدةٌ لا ثلاثٌ لهم وجهٌ شديدٌ وهو أنّ ذالك هو الواقع في عهد الرّسول وعهد خليفة الأعظم أبي بكرٍ وسنتين من خلافة عمر، واجتهاد عمر بعد ذالك خالفه فيه غيره فيصحّ تقليد المخالف كما يصحّ تقليد عمر، والله تعالىٰ لم يكلّفنا البحث عن اليقين في الاعمال الفرعية لأنّه يكاد يكون مستحيلاً۔

مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بلفظِ واحد ایک واقع ہوتی ہے تین نہیں، ان کا کہنا معقولیت پر مبنی ہے، کیونکہ عہدِ رسالت، خلیفہ اعظم حضرت ابوبکرؓ کے عہد اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جو اجتہاد کیا اُس کی دوسروں نے مخالفت کی، لہٰذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح درست ہے جس طرح حضرت عمرؓ کی تقلید درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی اعمال میں کرید کر یقینی صورت معلوم کرنے کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے کیونکہ ایسا کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ج ۴ ص ۳۴۱، ۳۴۲)

علّامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

(وكذالك) إذا طلّقها ثلاثًا بكلمةٍ أو كلماتٍ في طهرٍ واحدٍ فهو محرّمٌ عند جمهور العلماء وتنازعوا فيما يقع بها، فقيل يقع بها الثّلاث وقيل لا يقع بها إلّا طلقةٌ واحدةٌ وهذا ا

"اگر کوئی شخص ایک طہر میں ایک کلمہ میں یا تین کلموں میں تین طلاقیں دے تو جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے لیکن ان کے واقع ہونے کا مسئلہ مُختلف فیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین واقع ہوں گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی

هو الأظهر الذي يدل عليه الكتاب والسنة كما قد بسط في موضعه۔

اور یہی بات زیادہ صحیح ہے جس پر قرآن وسُنّت دلالت کرتے ہیں، جیساکہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔"

(وكذلك) الطلاق المحرم في الحيض بعد الوطئ هل يلزم؟ — فيه قولان للعلماء والأظهر أنه لا يلزم النكاح المحرم والبيع المحرم وقد ثبت في الصحيح عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وصدرًا من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة۔ وثبت ايضًا في مسند أحمد أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فقال النبي صلى الله عليه وسلم هي واحدة ولم يتبث عن النبي صلى الله عليه وسلم خلاف هذه السنة بل ما يخالفها إما أنه ضعيف بل مرجوح وإما أنه صحيح لا يدل على خلاف ذالك كما قد بسط ذالك في موضعه، والله أعلم۔

(فتاوىٰ ابن تیمیہ۔ ج ۲، ص ۸۶)

" طلاق محرم جو مجامعت کے بعد حالتِ حیض میں دی جائے کیا وہ مؤثر ہوگی؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ نکاحِ حرام اور بیع حرام مؤثر نہیں ہے اور صحیح حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دور میں تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ اور مُسند احمد کی حدیث سے ثابت ہے کہ رُکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو مجلسِ واحد میں تین طلاقیں دیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک ہی طلاق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سُنّت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ مروی ہے وہ یا تو ضعیف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے، یا صحیح ہے لیکن اس سے اس کے خلاف بات ثابت نہیں ہوتی۔ جیساکہ دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاچکا ہے۔ واللہ اعلم

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

فإن الله سبحانه إنما شرع الطلاق مرةً بعد مرةٍ ولم يشرعه جملةً واحدةً أصلًا۔ (اغاثۃ اللهفان۔ ج ۱، ص ۲۸۲)

" اللہ سبحانہٗ نے ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا مشروع فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر تین طلاقیں (یک وقت) دینا اصل میں مشروع ہی نہیں فرمایا ہے۔"

امام رازی لکھتے ہیں:

(الأول) وهو اختيار كثير من علماء الدين

" یہ قول بہت سے علماءِ دین کا ہے کہ اگر مرد نے دو یا تین

أنه لو طلقها اثنين أو ثلاثا لا يقع إلا الواحدة، وهذا القول هو الأقيس لأن النهي يدل على اشتمال المنهي عنه على مفسدة راجحة. والقول بالوقوع سعي في إدخال تلك المفسدة في الوجود وأنه غير جائز فوجب أن يحكم بعدم الوقوع۔

(التفسیر الکبیر ج ۲، ص ۲۶۰)

طلاقیں دی ہوں تو ایک ہی طلاق واقع ہو گی اور یہی بات زیادہ قرینِ قیاس ہے، کیونکہ کسی چیز کی ممانعت دلالت کرتی ہے اِس بات پر کہ ممنوعہ چیز بڑے مفسدہ پر مشتمل ہے لہٰذا تطلیقاتِ ثلاثہ کے واقع ہونے کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کے مترادف ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عدمِ وقوع کا حکم لگایا جائے۔"

اِن تمام تصریحات سے واضح ہوا کہ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع نہیں ہے، بلکہ یہ مسئلہ مُختَلَفٌ فِیہ ہے۔

مجلسِ واحد کی تین طلاقیں کن علماء و فقہاء کے نزدیک ایک واقع ہوتی ہیں۔

اگرچہ کہ ائمہ اربعہ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے ایقاع کے قائل ہیں، لیکن علماء و فقہاء کی ایک تعداد صرف ایک طلاق کے وقوع کی قائل ہے۔

مثلاً ابنِ عباسؓ، عکرمہ، طاؤس، ابن اسحٰق، امام رازی، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، داؤد ظاہری وغیرہ۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

" اور اہلِ علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق، طلاق کے پیچھے نہیں واقع ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے۔ صاحبِ بحر نے اس کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ایک روایت حضرت علیؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ، امام طاؤس، امام عطاء، جابر بن یزید، ہادی، قاسم، ناصر، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن عیسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کی ہے۔ اِسی طرف متأخرین کی بھی ایک جماعت گئی ہے جس میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے اور ابن المنذر نے اِس کو اصحابِ ابن عباس، عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ابن مُغیث نے اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ نیز ابن مُغیث نے اپنی کتاب " الوثائق " میں اسی کو محمد بن وضاح سے بھی نقل کیا ہے، اور مشائخِ قرطبہ میں سے محمد بن تقی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک

جماعت کا بھی فتویٰ اِس قول پر نقل کیا ہے"۔ (الجواہر الغالیہ۔ از مولانا ابو محمد عبید اعظمی بحوالہ نیل الاوطار ج ۲، ص ۲۴۶)

اہلِ حدیث نقطہ نظر بھی یہی ہے۔

علاوہ ازیں اثنا عشریوں کا بھی یہی مسلک ہے اور امامیہ کے یہاں تو تین یکجائی طلاقیں دینے سے طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔

حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن مقاتل (حنفی) بھی اِس کے قائل ہیں کہ اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ملاحظہ ہو شرح مسلم للنووی۔ ج ۱، ص ۴۷۸)

تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا اثر اسلام کے نظامِ طلاق پر

درحقیقت تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کو تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رجوع کا جو حق اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، اُس کو ساقط کر دیا جائے۔ پھر معاملہ یہیں پر نہیں رُکتا، بلکہ اس کو تسلیم کرنے کے بعد دوسرے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک طلاقِ رجعی کے بجائے ایک طلاقِ بائن دے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے رجوع کے حق کو خود ہی ساقط کر دے تو اس کے وقوع کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا، اور غالباً اسی لئے کچھ فقہاء کو ایک طلاقِ بائن کی گنجائش نکالنا پڑی ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کی رُو سے مدخولہا کی ایک طلاق رجعی ہی ہوتی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو اسلام کا پورا نظامِ طلاق فقہیت اور قانونی اُلٹ پھیر کی زد میں آجاتا ہے جس سے شرعی احکام کی رُوح مجروح ہو جاتی ہے، جو عظیم مصالح معاشرتی زندگی کی تعمیر میں اسلام نے ملحوظ رکھے ہیں، وہ متاثر ہو جاتے ہیں، اعتدال باقی نہیں رہتا اور مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچہ کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے اِس اندازِ فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

مُسلم ممالک میں ایک طلاق کا قانون

مسلم ممالک نے تطلیقاتِ ثلاثہ کے سلسلہ میں جو قوانین بنائے ہیں اُن کی حیثیت شرعی حُجت کی ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے ان قوانین کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا، تاہم یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ کن ممالک نے اس سلسلہ میں اقدامات کئے ہیں۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر یعنی بغرضِ معلومات اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مصر نے ۱۹۲۹ء میں آنِ واحد کی تین طلاقوں کے اُصول کو ختم کر دیا اور قانون یہ بنایا کہ متعدّد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوں گی اور وہ رجعی ہوگی۔

A divorce accompained by a number expressly or impliedly, shall count only a single divorce. and such a divorce shall be revocable -

(Egyption family Laws of 1929 art. 3)

اسی قسم کا قانون سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں، اُردن نے ۱۹۵۱ء میں، شام نے ۱۹۵۳ء میں، مراکش نے ۱۹۵۸ء میں، عراق نے ۱۹۵۹ء میں اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا۔ (ملاحظہ ہو طاہر محمود کی کتاب — Muslim Law Reform)

تاکیدی طلاقوں کا حکم

کبھی محض تاکید کے لئے طلاق کا لفظ دُہرایا جاتا ہے جس کی مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں۔ مرد طلاق دیتے وقت أنتِ طالِقٌ طالِقٌ طالِقٌ، یا طلاق، طلاق، طلاق کہتا ہے، لیکن اس کی نیت تین طلاقیں دینے کی نہیں ہوتی، بلکہ محض تاکید مقصود ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں متعدّد فقہاء ایک ہی طلاق شمار کرنے کے قائل ہیں۔

حنبلی مسلک کی کتاب "المُغنی" میں علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فإن قال أنتِ طالقٌ، طالقٌ، طالقٌ۔ و قال أردتُ التوكيدَ قُبِلَ منهُ لأنّ الكلامَ يُكرّرُ للتوكيدِ كقوله عليه السلام فنكاحُها باطلٌ، باطلٌ، باطلٌ۔ وإن قصد الإيقاع وكرّر

"اگر کہا تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے اور کہے کہ میں نے تاکید کی غرض سے کہا تھا تو اُس کا یہ بیان قبول کر لیا جائے گا۔ کیونکہ بات تاکیداً دُہرائی جاتی ہے، جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے (یعنی ایک حدیث میں نکاح کے باطل ہونے کا لفظ تاکید کی غرض سے تین مرتبہ دُہرایا گیا ہے)

الطلقات طُلقت ثلاثًا۔ وإن لم ينوِ شيئًا لم يقع إلّا واحدةٌ۔ (المغنی۔ ج ۷، ص ۲۳۲)

لیکن اگر اس کی نیت تین طلاقوں کے ایقاع کی تھی اور طلاقوں کو دُہرایا تھا تو پھر تین طلاقیں واقع ہوں گی، اور اگر کوئی نیت نہیں کی تھی تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی "

شافعی مسلک کی کتاب "منہاج الطالبین" میں امام نووی لکھتے ہیں:

وإن قال أنتِ طالقٌ، أنتِ طالقٌ، أنتِ طالقٌ وتخلل فصلٌ فثلاثٌ وإلّا فإن قصد تاكيدًا فواحدةٌ (منہاج الطالبین، ص ۱۰۷)

" اور اگر کہا تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے اور درمیان میں فصل واقع ہوا تو تین طلاقیں پڑ گئیں۔ ورنہ اگر اس نے تاکید کی غرض سے کہا تھا تو ایک پڑے گی "

حنفی مسلک کی کتاب "بہشتی زیور" میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

" کسی نے تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ تو تینوں طلاقیں پڑ گئیں، یا گول الفاظ میں تین مرتبہ کہا تب بھی تین پڑ گئیں۔ لیکن اگر نیت ایک ہی طلاق کی ہے فقط مضبوطی کے لئے تین دفعہ کہا کہ بات خوب پکی ہو جائے تو ایک ہی طلاق ہوئی لیکن عورت کو اس کے دل کا حال تو معلوم نہیں اس لئے یہی سمجھے کہ تین طلاقیں مل گئیں " (بہشتی زیور۔ ج ۴، ص ۲۲)

مولانا مجیب اللہ ندوی "اسلامی فقہ" میں لکھتے ہیں:

" البتہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ تو اگر اس سے اُس کی نیت تین طلاق دینے کی نہیں تھی، بلکہ صرف تاکید کرنی مقصود تھی تو ایک ہی طلاقِ رجعی پڑے گی " (اسلامی فقہ۔ ج ۴، ص ۱۸۲)

اِسی سے ملتی جلتی صورت یہ ہے کہ لوگ شرعی احکام سے ناواقفیت کی بُنیاد پر تین کے عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دیتے ہیں، لیکن بعد میں جب اس کا علم ہو جاتا ہے تو ایسا شخص کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین طلاق کے الفاظ استعمال کئے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

اِس صورتِ حال کو واقعیت پسندانہ نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے اور اُس کے اِس بیان کے پیشِ نظر تین طلاقوں کو تاکید پر محمول کر کے ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگانا چاہئے۔

خُلاصۂ بحث اور مسئلہ کا حل تین یکجائی طلاقوں کے ایقاع کے سلسلہ میں دلائل کا جو جائزہ

اُوپر پیش کیا گیا ہے اُس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے ایقاع پر نہ قرآن کا کوئی صریح حکم موجود ہے، نہ کوئی صحیح حدیث ہی ایسی ہے جس میں اس کا صریح حکم بیان کیا گیا ہو اور نہ اس پر اجماع ہی ثابت ہے، بلکہ یہ مسئلہ دورِ صحابہؓ سے لے کر اب تک اُمّت کے درمیان مُختَلَف فِیہ رہا ہے اور دلائل دونوں طرف موجود ہیں۔ ایسی صورت میں جو بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ نصّی اور قطعی حکم کا نہیں، بلکہ تعبیر اور اجتہاد کا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے اُس کو اجتہادی اختلاف پر محمول کرتے ہوئے فتویٰ اُس اجتہادی رائے کے مطابق دیا جانا چاہیے جو مَصالِحِ اُمّت کے لحاظ سے اَنسب ہو۔

ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ لوگ بُری طرح جہالت میں مُبتلا ہیں، شرعی احکام سے بہت کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں، اسی لئے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں پچھتانے لگتے ہیں، دوسری طرف مرد کی اِس نادانی کے نتیجہ میں خاندان کے لئے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور تیسری طرف مُسلم پرسنل لا اور اسلامی نظامِ معاشرت کے مخالفین شریعت پر حرف زنی کرنے اور اسلامی طرزِ معاشرت کی بڑی بھونڈی تصویر پیش کرنے لگتے ہیں جس سے جدید تعلیم یافتہ ذہن خاصا متاثر ہو رہا ہے اور شرعی قوانین کی حفاظت کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات کھڑی ہو رہی ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مصالحِ دین اور مصالحِ اُمّت کا تقاضا ہے کہ فقہی مسلکوں کے خول میں بند رہنے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیا جائے اور اُس اجتہادی رائے کو اختیار کیا جائے جس کے مطابق تین یکجائی طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ایک طرف عام مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ پیدا کرنے کے ساتھ انہیں طلاق دینے کے شرعی طریقہ سے واقف کرایا جائے کہ اگر کوئی شخص طلاق دینا چاہے تو صرف ایک طلاقِ رجعی بحالتِ طُہر جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو، دینے پر اکتفا کرے۔ اس کے بعد اگر وہ رجوع کرنا نہیں چاہتا تو عدّت گذرنے دے۔ عدّت گذرنے پر دوبارہ نکاح کا موقع باقی رہے گا، اس لئے پچھتانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو گا۔

ایک طرف تو وسیع پیمانے پر اس شرعی حکم سے لوگوں کو واقف کرانے کی کوشش کی جائے اور دوسری طرف ہماری شرعی پنچایتیں تین یکجائی طلاقوں کے ایک واقع ہونے کا فتویٰ دیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

تطلیقاتِ ثلاثہ
از
مولانا سعید احمد اکبر آبادی
ایڈیٹر ماہنامہ برہان، دہلی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام میں طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ رَجْعِیَّۃٌ ۔ جس میں عدت گذرنے سے پہلے پہلے مطلق اپنے قول یا عمل سے طلاق واپس لے سکتا ہے۔

۲۔ بَائِنَۃٌ ۔ جس میں مطلق عدت ختم ہونے کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ مُغَلَّظَۃٌ ۔ اس میں مطلق حلالہ کے بغیر تجدید نکاح نہیں کر سکتا۔

اِس وقت موضوعِ بحث یہی تیسری طلاق ہے، اس لئے ہم اس پر ہی گفتگو کریں گے۔

اِس طلاقِ مغلّظہ کا حکم قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے بطریق نص ثابت ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (البقرہ) طلاق (جس کے بعد رجوع بھی ہو سکتا ہے) وہ تو دو ہی مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو معروف کے ساتھ عورت کو روک لیا جائے یا اسکو احسان کیساتھ چھوڑ دیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا:

فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ ۔ اگر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد پھر ایک طلاق اور دے دی تو اب جبتک عورت کسی اور سے نکاح نہیں کریگی وہ پہلے مرد کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

اِن آیات کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاقِ مغلّظہ اُس وقت واقع ہوگی جب کہ مرد آگے پیچھے دو طلاق دینے کے بعد یہ فیصلہ کر لے کہ اُسے اب عورت کو اپنی زوجیت میں نہیں لینا ہے اور اس فیصلہ کے مطابق وہ ایک طلاق اور واقع کر دے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر کوئی شخص آگے پیچھے نہیں بلکہ تین طلاقیں ایک ساتھ واقع کرے گا تو اُس کا یہ فعل قرآن کے مذکورہ بالا حکم کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث جس کی اسناد امام مسلم کی شرط پر ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں تو آپ غیظ و غضب کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

أیلعب بکتاب اللہ وأنا بین أظهرکم ۔ کیا ابھی جبکہ میں تم لوگوں میں موجود ہوں کتاب اللہ سے اس طرح کھیلا جائیگا۔

علاوہ ازیں مُسندِ امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رُکانہ بن عبدیزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور پھر اُن کو اس کا شدید غم اور صدمہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: "تم نے طلاق کس طرح دی تھی؟" رُکانہ نے جواب دیا: "میں نے تین طلاقیں دی ہیں"۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا: "کیا ایک مجلس میں؟" انھوں نے جواب دیا: "جی ہاں! ایک مجلس میں"۔ اب آپ نے فرمایا: فإنما تلك واحدة فارجعها۔ (یعنی یہ تو ایک ہی طلاق ہوئی، تم اسے واپس لے لو اگر تم چاہتے ہو) رکانہ کا بیان ہے کہ اس ارشادِ نبوی کے مطابق میں نے رُجوع کر لیا۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام احمد فرماتے ہیں کہ اسی روایت کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے بھی تھی کہ طلاق ایک ساتھ نہیں بلکہ طُہر میں الگ الگ ہونی چاہئیے، اور یہی طلاق سُنّت بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا، عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو برس تک تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً دی جائیں اُن کا حکم یہی تھا کہ وہ ایک سمجھی جاتی تھیں، لیکن اپنی خلافت کے دو برس گذرنے کے بعد حضرت عمر نے مذکورہ بالا تین طلاقوں کو تین طلاق یعنی طلاق مغلظہ ماننے کا حکم صادر فرمایا۔ کیوں؟ حضرت عبداللہ بن عباس اس سلسلہ میں خود حضرت عمر کے الفاظ نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

إنّ الناس قد استعجلوا في أمرٍ كان لهم فيه إناة فلو أمضيناه عليهم۔ (مسند امام احمد ج ۱۷ ص ۷)	وہ چیز جس میں (قرآن و سنّت کے مطابق) لوگوں کے لئے سوچنے کا بڑا موقع تھا، اس میں اُنھوں نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ پس بہتر ہے کہ ہم اُن پر اپنا حکم نافذ کریں۔

حضرت عمر کا یہ قول نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: فأمضاه عليهم (چنانچہ حضرت عمر نے یہ حکم نافذ کر دیا)۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے اس ارشاد سے یہ بات تو صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ حضرت عمر کا یہ اِقدام بے وجہ نہیں تھا، بلکہ لوگوں نے کسی وجہ سے ایک طرح[1] جلد بازی کی اختیار کر رکھی تھی جو سرتاسر قرآن کے منشا و مقصد کے خلاف تھی۔ اس بنا پر حضرت عمر نے ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے خیال سے یہ اقدام فرمایا، تاکہ انھیں محسوس ہو کہ اس جلد بازی کے باعث

---

[1] مسند امام احمد۔ مرتبہ شیخ ساعاتی ج ۱۷ ص ۶-۷

اُنھوں نے کس طرح شریعت کے یُسر کو اپنے لئے عُسر بنالیا ہے اور اس باب میں اُن کا حال ان بنی اسرائیل کا سا ہو گیا ہے جن کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ اللہ نے سب کھانے کی چیزیں ان لوگوں کے لئے حلال کی تھیں، مگر جب انھوں نے خود اپنے اوپر بعض چیزیں حرام کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اُن چیزوں کو حرام کر دیا۔

اب رہی یہ بات کہ وہ وجہ آخر کیا تھی جس کے باعث حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگوں نے جلد بازی کی راہ اختیار کی تھی؟ اس سوال کے جواب میں عہدِ حاضر کے مشہور اور بلند پایہ مصنّف محمد حُسین ہیکل اپنی معرکۃ الآرا کتاب عمر الفاروق میں لکھتے ہیں :

"غالب گمان یہ ہے کہ عہدِ فاروقی میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد اُن سے شفقت اور نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عراق و شام کی کنیزیں بکثرت آگئی تھیں اور مدینہ اور جزیرۃ العرب کے لوگ اُن پر فریفتہ تھے اور وہ اپنی ان من موہنیوں کو خوش کرنے کے لئے بیویوں کو بعجلت و شدت بیک لفظ تین طلاقیں دینے لگے، تاکہ اُن کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ ان کے دل پر تنہا قابض ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کے باعث صدرِ اوّل کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو از راہ بے پروائی و ایذا رسانی ایک ہنسی کھیل بنا لیا تھا۔ ان میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عربی یا عجمی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ یہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تاکہ وہ اس کے لئے حلالہ کے بغیر حلال ہی نہ ہو سکے۔ اب اگر حلالہ کے بعد شوہر اپنی پہلی بیوی سے مراجعت کرتا بھی تھا تو اس سے گھر میں ایسی بدمزگی پیدا ہوتی تھی کہ زندگی اجیرن بن جاتی تھی۔

غرض کہ اس قسم کے اسباب تھے جن کی بنا پر حضرت عمرؓ نے یہ حکم جاری کیا کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً واحدۃً دی جائیں گی اُن کا حکم طلاق مغلّظہ ہونے میں وہی ہوگا جو اُن تین طلاقوں کا ہے جو طلاق سُنّت کے مطابق تین طُہروں میں دی گئی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا جو شخص نکاح کی گرہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالتا ہے وہ بے حس اور یاوہ گو انسان ہے اور اسے اس بے حسی اور یاوہ گوئی کی سزا ملنی چاہئیے"۔

ڈاکٹر محمد حُسین ہیکل نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور اس سے خود حضرت عمرؓ

کے مذکورہ بالا قول کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک ایک اور چیز بھی ہے جو اس موقع پر پیشِ نظر رہنی چاہیے اور وہ یہ کہ حضرت عمرؓ سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے پاس جب کبھی محلّل اور محلّل لہٗ لائے جائیں گے، میں اُن دونوں کو رجم کر دوں گا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عرب سوسائٹی میں تحلیل کا رواج ہوتا جا رہا تھا اور اسی رواج کے زیرِ اثر لوگوں نے عجلت پسندی کی راہ سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کا طریقہ اختیار کر لیا ہوگا۔ اور ظاہر ہے یہ رواج معاشرہ میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط کا ایک ایسا ہی بڑا ذریعہ بن سکتا ہے جیسا کہ متعہ۔ اس بنا پر جس طرح حضرت عمرؓ نے متعہ قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے، اسی طرح طلاق کی کثرت اور اُس کے اثرات مابعد سے جو صورتِ حال پیدا ہوتی جا رہی تھی اس کے انسداد کی یہ شکل نکالی کہ ایک طرف ایک ہی مجلس میں اور دفعۃً دی گئی تین طلاقوں کا حکم طلاق مغلّظہ قرار دے دیا اور دوسری جانب تحلیل کو بالکل ممنوع اور حرام قرار دیا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں[۱]: زواج المحلل حرامٌ بالجماعۃ الصحابۃ، اور شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں: "إنّ نکاح التحلیل شرٌّ من المتعۃ وأشدّ فساداً وعاراً"[۲]

حضرت عمرؓ کا یہ اقدام ایک سخت قسم کی معاشرتی خرابی کو روکنے کے لئے ایک ایسا ہی اجتہاد تھا جیسا کہ اُن کے دوسرے اجتہادات تھے۔ بہر حال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خاص مسئلہ زیرِ بحث میں حضرت عمرؓ کے اس اجتہاد کو قبولِ عام حاصل ہوا اور تمام صحابہ نے اس کو تسلیم کر لیا اور اس کا حکم وہی ہو گیا جو اجماعِ صحابہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے اور اسی پر ان کا فتویٰ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ ایک مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور اس بنا پر اس بات کی گنجائش ہے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے یا ایک ایمرجنسی پیدا ہو جانے کی صورت میں اس پر از سرِ نو نظرِ ثانی کی جا سکتی ہے۔ یہ نظرِ ثانی جن وجوہ اور دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ قرآن مجید میں تین طلاقوں کے بارے میں جو آیت ہے وہ اس باب میں نصِّ قطعی ہے کہ طلاق مغلّظہ اُس وقت واقع ہوگی جبکہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے مختلف مجلسوں میں واقع

---

[۱] الفتاویٰ۔ للشیخ محمد شلتوت۔ ص ۳۰۱۔ [۲] ایضاً

کی جائیں۔

۲۔ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ سے ضمناً تیسری طلاق کے واقع کرنے میں قصد اور ارادہ کا بھی اشارہ نکلتا ہے۔

۳۔ طلاق سے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں جو تصریحات ہیں اُن سب کو یکجا طور پر پیشِ نظر رکھا جائے تو ان سے حسب ذیل اُمور پر روشنی پڑتی ہے۔

(الف) طلاق اگرچہ مُباح اور مشروع ہے لیکن ابغض للمباحات ہے اور نکاح میں اصل اسی کی بقا ہے۔

(ب) طلاق اُس وقت دی جائے جبکہ شوہر اور بیوی دونوں کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

(ج) لیکن طلاق سے قبل ایک پنچ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر دینا چاہئے۔

(د) طلاق واقع کرنے سے مرد کا مقصد عورت کو ستانا اور اُسے تکلیف دینا نہیں ہونا چاہئے۔

(ہ) طلاق حالتِ غضب میں نہیں دینی چاہئے۔ (حافظ ابن قیم نے زاد المعاد صفحہ ۲۴ میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ نے فرمایا لاطلاق ولاعتاق فی الاغلاق" ابو العباس المبرد نے الکامل میں اغلاق کے معنی بیان کئے ہیں تنگ دلی، بے چینی، مجبوری۔ حافظ ابن قیم نے اس کے معنی غضب کے لئے ہیں۔ اس بنا پر اس ارشادِ نبوی کا مطلب یہ ہوا کہ غضب اور مجبوری کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ طلاق ہی نہیں ہے۔ چنانچہ امام مالک کا مذہب یہی ہے اور اس کی خاطر انھوں نے جو شدائد برداشت کئے ہیں وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں ہ)

(و) طلاق کے بارے میں مرد کی نیت کا اعتبار ہونا چاہئے۔ (چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے، باب الطلاق فی الاغلاق، والسکران، والمجنون، والترویا، والغلط، والنسیان فی الطلاق والشرک۔ اور اس کے بعد حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ نقل کی ہے۔

اب ذرا صرف ہندوستان اور پاکستان میں نہیں بلکہ عالم اسلام میں ہر جگہ آجکل جو حالات پیش آرہے ہیں اُن کا جائزہ لیجئے۔ وہ حالات یہ ہیں۔

۱۔ آج مسلمان عام طور پر طلاق کے مسئلہ مسائل سے ناواقف ہیں اور وہ رجعیہ، بائنہ اور مغلظہ کے فرق کو نہیں جانتے۔ اس لئے جب کبھی غصّہ کی حالت میں ناراض ہوکر یا کسی اور سبب سے بیوی سے ترکِ تعلق کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو بے تکلف طلاق کا لفظ دو تین مرتبہ بول جاتے ہیں۔

۲۔ لیکن جب غصّہ فرو ہوتا ہے تو اُن کو اپنی حرکت پر ندامت ہوتی ہے اور وہ عورت سے زوجیت کا تعلق پھر قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اُن کو بتایا جاتا ہے کہ بیوی پر تین طلاقیں پڑگئی ہیں اور اب وہ حلالہ کے بغیر اُن کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

۳۔ حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے اسی لئے مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوتا اور ان کی غیرت بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔

۴۔ شوہر ہزار کہتا ہے کہ مجھ کو نہ طلاقِ مغلظہ کا حکم معلوم تھا اور نہ میری نیّت یہ تھی، لیکن اُس کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور فیصلہ برقرار رہتا ہے۔

۵۔ اُس بدنصیب عورت کی جوانی کی عمر ڈھل چکی ہے، اِسی لئے کچھ اس بنا پر اور کچھ طلاق سے داغ دار ہونے کے باعث اب اس کی کہیں شادی بھی نہیں ہوسکتی۔

۶۔ اُس عورت کے لئے گذر بسر کا ذریعہ بھی ایک نکاح تھا۔ اب جب یہ منقطع ہوگیا تو اُس کے لئے معاش کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ جب ایک انسان اس طرح معاش سے مجبور اور تنگدست ہوتا ہے تو پھر اُس سے کوئی گناہ مستبعد نہیں ہوتا۔

۷۔ علاوہ ازیں یہ معاملہ صرف ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہی نہیں بلکہ اُن کی اولاد بھی ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ اُن پر کیا گذرے گی؟ اور والدین کی باہمی مفارقت سے ان کے دل و دماغ پر نفسیاتی، اخلاقی اور ذہنی اثرات کیا ہوں گے؟ اربابِ نظر پر یہ پوشیدہ نہیں ہے۔

غرض کہ یہ حالات ہیں جنہوں نے مسلم سماج میں ایک عظیم تہلکہ برپا کر رکھا ہے۔ عالم اسلام کی عدالتوں کی روئداد ملاحظہ کیجئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس طرح کے افسوسناک واقعات کس کثرت سے روزانہ پیش آرہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ امن و چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں اگر اُن کے عشرتکدوں

تک اُن ہزاروں ستم رسیدہ و مظلوم انسانوں کی داد فریاد اور آہ و شیون نہیں پہنچ سکتی تو کیا اسلام کے پاس بھی اُن کے لئے کوئی مدد نہیں ہے ؟ — جواب یہ ہے کہ، ہے، اور لازمی طور پر ہے۔ خود حضرت عمرؓ کے اِقدام سے یہ صاف ظاہر ہے کہ طلاق کے احکام میں اس قدر لچک ہے کہ اسلامی سوسائٹی کے خاص حالات کی اصلاح کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی کسی آیت کے منطوق حکم میں تقیید اور تخصیص کا عمل کیا جا سکتا ہے۔ پس جب یہ ہو سکتا ہے تو اگر کسی زمانہ مابعد میں کسی اور قسم کے ناگفتہ بہ حالات سماج میں پیدا ہو جائیں اور اُن کی اصلاح قرآن کے اصل منطوق کی طرف رُجوع کرنے سے ممکن العمل ہو سکتی ہو تو پھر اُس راہ کو اختیار کرنا کیوں بدرجۂ اولیٰ درست اور انسب نہ ہوگا۔ اس بنا پر طلاق سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور مذکورۃ الصدر تنقیحات کے پیشِ نظر موجودہ معاشرتی حالات میں ہمارے نزدیک علماء مجتہدین کے لئے اس امر کی کافی گنجائش ہے کہ وہ حسبِ ذیل فیصلے کریں۔

۱۔ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں وہ ایک طلاق سمجھی جائے گی اور طلاقِ رجعیہ ہوگی۔

۲۔ تین طلاقیں جو ایک ہی مجلس میں تین لفظوں سے دی جائیں اور شوہر شدید غضب کے عالم میں ہو اور غصہ فرو ہونے کے بعد وہ یہ کہے کہ میں نے دوسری اور تیسری طلاق کے الفاظ پہلی ہی طلاق کو موکّد کرنے کے لئے کہے تھے، یا یہ کہ مجھے کچھ سمجھ نہیں غصہ میں زبان سے نکل گئے تھے اور میں طلاقِ مغلظہ کے حکم سے ناواقف تھا اور نہ اس کا ارادہ تھا۔ تو ان سب صورتوں میں مرد کی تصدیق کی جائے۔ اسلامی شریعت کی درحقیقت اسپرٹ ہی یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو رشتۂ ازدواج کو قائم رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ ہاں البتہ جب شوہر نے یہ ٹھان ہی لیا ہے کہ اُسے اِس رشتہ کو منقطع کر دینا ہی ہے تو اب مجبوری ہے۔

اب آئیے، جو حضرات مذکورہ بالا تین طلاقوں کو ایک طلاقِ رجعی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں اور اس کے شدید مخالف ہیں، ان کے دلائل کا بھی جائزہ لیں۔

ان حضرات کا سب سے زیادہ زور اس پر ہے کہ حضرت عمرؓ کا حکم اجماعِ صحابہ کا حکم رکھتا ہے جو قطعی الدّلالۃ والثبوت ہوتا ہے اور اسی بنا پر ائمہ اربعہ کا باہم اس میں کوئی اختلاف

نہیں ـــــ اس کے جواب میں گذارش یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتویٰ کی جلد ۳-۴ میں اور امام عالی مقام کے تلمیذِ رشید حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے إغاثۃ اللھفان الکبریٰ والصغریٰ میں اور پھر اپنی کتاب زاد المعاد اور اعلام الموقعین میں طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر بہت مفصل، جامع اور مدلّل گفتگو کی ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمائیے، مخالف حضرات کے دلائل کا جواب مل جائے گا۔

چنانچہ اجماعِ صحابہ کی نسبت حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس، علی و عبداللہ بن مسعود کے متعلق دونوں طرح کی روایات ہیں۔ بعض میں ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور بعض روایات میں اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ طلاقِ مغلظہ ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، لیکن زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، عکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحٰق، خلاس بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی اور اُن کے اکثر اصحاب، بعض اصحابِ مالک، بعض اصحابِ حنفیہ، بعض اصحابِ احمد بن حنبل اِن سب کا فیصلہ یہ تھا کہ طلاقِ ثلاثہ کا حکم ایک طلاق کا ہے[1]۔

پس جب صورتِ حال یہ ہے تو اجماع کا دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن قیم کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ درحقیقت حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر اجماع نہ عہدِ صحابہ میں ہوا، نہ عہدِ تابعین میں، نہ عہدِ تبع تابعین میں۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں: سلف اور خلف میں مالک، احمد بن حنبل اور داؤد وغیرھم کے اصحاب میں ایسے حضرات تھے جو یا تو طلاقِ ثلاثہ کو لغو قرار دیتے تھے یا اس سے ایک طلاق رجعی واقع کرتے تھے، اور یہی صحابہ و تابعین سے بھی منقول ہے[2]۔

پس اوّل تو یہ دعویٰ کرنا ہی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہو گیا تھا اور اگر یہ اجماع تھا بھی تو یہ اجماع سکوتی تھا جو مرتبہ میں بہرحال اجماعِ تقریری سے کم ہوتا ہے۔ اور پھر یہ امر بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو اجماعی فیصلہ کسی خاص زمانہ میں اُس وقت کے مخصوص حالات و ظروف کی بُنیاد پر کیا گیا ہو، علماءِ اُصولِ فقہ کے بیان کے مطابق جب تک وہ زمانہ اور اُس کے وہ حالات باقی رہیں گے، اُس وقت تک اجماعی فیصلہ واجب العمل ہو گا، لیکن جب وہ

---

[1] اعلام الموقعین ج ۲، ص ۴۱ تا ۴۲ ۔ [2] فتاویٰ شیخ الاسلام۔ ج ۴، ص ۱۵۱

حالات بدل جائیں گے تو اب وہ اجماعی فیصلہ واجب العمل نہ رہے گا اور اُس کے بجائے نئے حالات اور نئے تقاضوں کی روشنی میں کوئی دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا۔

آج مسلمانوں کو یہی صورتِ حال درپیش ہے، جیساکہ میں نے شروع میں عرض کیا۔ یہ حالات ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عالمگیر ہیں۔ ہر اسلامی ملک کے علماء و مفکرین اُن پر غور و خوض کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے فیصلے کئے ہیں۔ چنانچہ مصر جو جامعہ ازہر کے باعث علوم دینیہ و اسلامیہ کا مرکز ہے اور جہاں اکابر علماء و محققینِ اسلام ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، اُس کے اجلّہ علماء نے اِس خاص مسئلہ میں بھی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ علّامہ شیخ محمود شلتوت اپنے فتاویٰ میں صاف لکھتے ہیں:

الطلاق بالثلاث لا يقع إلا واحدة رجعية ويرد الرجل زوجه بكلمة الرجعة أو بالمخالطة الخاصة [1]	جو تین طلاقیں ایک مرتبہ دی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی اور مرد کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو واپسی کے لفظ سے یا مخالطتِ خاص کے ذریعہ واپس لے لے!

علّامہ سید رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں کہ "بعض فقہاء اور دانشوروں نے ہماری حکومتِ مصر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تین طلاقوں کے مسئلہ میں اصل کتاب و سنّت کی طرف رُجوع کیا جائے جس کے دلائل کو سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علّامہ ابن قیّم نے نہایت بسط و تفصیل سے اپنی کتاب اعلام الموقعین، اغاثۃ اللّہفان اور زاد المعاد میں بیان کیا ہے اور پھر ان دونوں حضرات کی تائید و موافقت امام شوکانی، سید صدیق حسن اور دوسرے ہندوستانی علمائے متاخرین نے کی ہے۔" [2]

چنانچہ اسی سلسلہ میں حکومتِ مصر نے ایک قانون بنایا جو ۱۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو منظور کیا گیا۔ یہ قانون طلاق سے متعلق ہے اور اس میں بہت سی دفعات ہیں۔ اس کی دفعہ نمبر ۳ میں ہے: "وہ طلاق جس کے بعد اشارۃً یا لفظاً عدد ہوں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔" [3]

علاوہ ازیں عہدِ حاضر کے ایک اور جلیل القدر عرب عالم اور مفسّر شیخ جمال الدین القاسمی نے نہایت عمدہ کتاب "الإستيناس لتصحيح أنكحة الناس" کے نام سے لکھی ہے اور

---

[1] الفتاویٰ۔ ص ۳۰۶۔ [2] تفسیر المنار۔ ج ۹ ص ۶۸۳۔ [3] حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ از شیخ محمد بہجۃ البیطار ص ۶۶

اس میں طلاق کے مسئلہ پر نہایت مفصل گفتگو کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں دفعتہً واحدۃً واقع کی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔ شیخ نے اس مسئلہ پر بسوط اور مفصل گفتگو کے بعد آخر میں جو عبارت لکھی ہے ہم اسے نقل کرتے ہیں اور اسی پر یہ مقالہ ختم کرتے ہیں۔

"اللہ کی قسم دل رنج والم کے مارے پاش پاش ہوا جاتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں کہ آج جہالت اور علمِ دین سے بے خبری کے باعث مسلمانوں کی حالت کیا ہوگئی ہے۔ چنانچہ آج ہماری عدالتیں اور محاکم شرعیہ مظلوم عورتوں کی شکایتوں سے پُر ہیں اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ شوہر اپنے ظلم وعُدوان اور بیویوں کے ساتھ حق تلفی وسخت بے رحمی کا معاملہ کرنے کے باعث اسلام کے لئے ننگ وعار بن گئے ہیں۔ دوسری قومیں یہ سب کچھ دیکھتی ہیں اور ہمارا مذاق اُڑاتی ہیں اور اسلام کے ساتھ تمسخر کرتی ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ؐ" [1]

---

[1] بحوالہ حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ ص ۵۷

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا مسئلہ

از

مولانا مختار احمد صاحب ندوی

ناظم جمعیۃ اہلِ حدیث بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں پر تفصیلی بحث سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی نوعیت اور سماج پر پڑنے والے اس کے اثرات کا بھی جائزہ لے لیا جائے تاکہ اس اہم اور نازک مسئلے پر غور کرنے والے کو مسئلہ کی نزاکت اور نتائج کا صحیح احساس ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے حقوق میں اپنا حق مقدم رکھا ہے اور حقوق العباد میں والدین کے حق کو اوّلیت بخشی ہے۔ "والدین" کا لفظ معنوی اعتبار سے اگرچہ ماں اور باپ دونوں ہی پر یکساں طور سے استعمال ہوتا ہے، لیکن حقوق کے اعتبار سے ماں کا حق باپ کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ ہے۔ والدین اولاد کے لئے تو ماں اور باپ کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن خود اُن کی اپنی حیثیت "زوجین" یعنی میاں بیوی کی ہے۔ عورت بچے کے لئے ماں اور شوہر کے لئے بیوی ہے، لیکن اِن دونوں حیثیتوں کے علاوہ بھی سماج میں اُس کی دوسری بہت سی قابلِ احترام حیثیتیں ہیں اور ہر حیثیت اپنا ایک جداگانہ حق رکھتی ہے۔

عورت اگر عِفّت اور صالحیّت کے حُسن سے آراستہ ہے تو وہ بلاشبہ اِس کائنات کی سب سے قیمتی اور محبوب متاع ہے، اس لئے وہ رحم، عفو اور حُسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ دُنیا میں عورت سب سے زیادہ مظلوم رہی ہے۔ اس کی پیدائش کو عار اور اس کے وجود کو نحوست قرار دے کر مدّتوں اسے زندہ درگور کیا جاتا رہا۔ ہمارے ہندوستان میں عرصہ تک اسے اپنے شوہر کی چتا میں کُود کر جان دینے پر مجبور کیا جاتا رہا، بلکہ اب بھی ایسے اندوہناک حادثات کی خبریں گاہے گاہے ملتی رہتی ہیں۔

اسلام نے سب سے پہلے عورت کے حقوق کے تحفظ اور اُس کی نسائیت کے احترام کی آواز اٹھائی اور اُسے اُس کا فطری مقام عطا کیا۔ دادی اور نانی کی بزرگی، ماں کا تقدس، خالہ کا احترام، بیوی کا لُطف و پیار، بہن کی محبّت، بیٹی کی عزت یہ سب اسلام کی دین ہے۔ میاں بیوی کے تعلق کو قرآن نے "لباس" سے تعبیر کیا ہے۔ اِس سے جامع اور موزوں و حسین تعبیر ممکن نہیں تھی۔ جسم اور لباس میں کوئی پردہ نہیں۔ جسم جہاں لباس کا محتاج ہے، وہیں لباس کا حُسن جسم کے بغیر

ممکن نہیں، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔ اِسی طرح زوجین کا وجود اور اُن کی زندگی کا لُطف و سُکون ایک دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ایک دوسرے کے لئے جتنے زیادہ موزوں و متناسب و جاذب ہوں گے، اُتنا ہی زیادہ زندگی کا حُسن نکھرے گا اور خاندان امن و راحت سے ہمکنار ہوگا۔

یہ اسلام کے حُسنِ معاشرت کا ادنیٰ سا ایک اشارہ تھا، لیکن زندگی حادثات و مکروہات سے بھی دوچار ہوتی ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ لباس جسم کے لئے ناموزوں ثابت ہوتا ہے۔ اُس وقت کی نزاکتوں کا احساس کرکے شریعتِ اسلامیہ نے ایسے اُصول وضع فرمائے ہیں جن سے جسم اور لباس دونوں کی رعایت و حُرمت قائم رہتے ہوئے دونوں ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ اسے اسلام نے "طلاق" سے تعبیر کیا ہے، جو حلال اشیاء میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت و کراہت قرار دیا گیا ہے اور جس کا استعمال اشد ترین ضرورتوں کے سوا روا نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ طلاق سے مشابہ دوسری تمام صورتوں کو طلاق سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ظِہار، ایلاء، طلاقِ مُکرہ (جبری طلاق) وغیرہ۔

طلاق کا شرعی طریقہ

جب میاں بیوی میں ایسی نااتفاقی پیدا ہو جائے جس سے خاندان کی تباہی اور زندگی کے امن و سکون کی بربادی کا خطرہ لاحق ہو اور زوجین کے درمیان حدودُ اللہ کا قیام ناممکن ہو جائے تو شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو اُس طُہر کی حالت میں ایک طلاق دے جس میں اُس نے بیوی سے مقاربت نہ کی ہو۔ یہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور عدّت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوگا۔ یہ تین ماہ کی مدّت ہے جس میں زوجین اور اُن کے اقرباء و متعلقین کو اُن کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر سُدھار کی کوئی صورت نہیں بنتی اور طلاق ضروری ہی ہے تو دوسرے طُہر میں دوسری طلاق دے۔ یہ دوسری طلاق بھی رجعی ہوگی اور اب بھی شوہر کو عدّت کے اندر رجعت کا اور عدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کا حق حاصل ہے۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹ میں ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

"طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے اور دونوں مرتبہ یا تو معروف طریقہ پر عورت کو روک لیا جائے یا عمدہ طریقہ سے چھٹکارا کر دیا جائے۔"

آگے ارشاد ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ "پھر اگر تیسری بار طلاق دے دی (یعنی تیسرے طہر میں) تو وہ اس شوہر کیلئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جبتک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے"۔

یہ تیسری آخری طلاق بائن ہوگی جس سے زوجین کے درمیان دائمی تفریق واقع ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کو بدفعاتِ ثلاثہ دینے کی ہدایت دے کر جو حکمت اور سہولت ملحوظ رکھی ہے وہ اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب ہدایاتِ ربانی کے مطابق طلاق دی جائے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب طلاق باری باری دو طہروں میں دی جائے۔ اس قرآنی ہدایت کو نظرانداز کرکے اگر بیک لفظ و بیک مجلس تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دی جائیں اور انہیں تسلیم بھی کرلیا جائے تو جہاں یہ ایک فعلِ معصیت ہے وہیں کتاب اللہ کے ساتھ ایک مذاق بھی ہے۔ ساتھ ہی رجعت کا جو حق اللہ نے دیا تھا اس کی بربادی بھی ہے۔ خاندان کی تباہی اور اہل و عیال کے حقوق کی پامالی اس پر مستزاد ہے۔ غالباً انہیں سب وجوہات سے متاثر ہوکر اُمت کے ایک طبقے (شیعہ) نے ایسی طلاقوں کو لغو اور باطل قرار دیا ہے، جو بہرحال انتہاپسندی اور دین میں غلو ہے۔ لیکن جہاں امامیہ کا یہ مسلک حق و صواب سے بعید ہے، وہیں یہ مسلک بھی صحیح نہیں کہ یہ تینوں طلاقیں تین شمار ہوں اور عورت شوہر پر حرام ہوجائے۔ اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جہالت یا جذبات کی رَو میں آکر دی ہوئی ایک مجلس کی یہ تین طلاقیں ایک رجعی شمار ہوں اور اس غیر شرعی طریقہ طلاق کو طالق کی جہالت پر محمول کیا جائے۔

لفظ مرّتان کی تشریح

قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے اسی مفہوم کی تشریح ہو رہی ہے۔ علماءِ احناف میں سے مشہور عالم مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے استاد شیخ محمد صاحب تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اِنَّ قولہٗ تعالیٰ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" معناہ مرّۃً بعد مرّۃٍ فالتطلیق الشرعی علی التفریق دون الجمع والارسال۔ (حاشیہ نسائی شریف ج ۲ ص ۹۲) "یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے۔ اس لئے کہ شرعی طلاق وہ ہے جو متفرق طور پر متفرق طہروں میں دی جاتی ہے نہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں"۔

لفظ مرّتان کی یہی تفسیر علامہ سندھی حنفی (نسائی شریف حاشیہ ج ۲ ص ۲۹) علامہ ابوالبرکات

عبداللہ بن احمد نسفی حنفی (مدارک التنزیل۔ ج ۲ ص ۱۷۷) مولانا عبدالحق صاحب اکلیل (اکلیل علی مدارک التنزیل کشوری۔ ج ۲ ص ۱۷۱) علامہ انور شاہ صاحب کشمیری (فیض الباری۔ ج ۴ ص ۳۱۱) وغیرہم نے بھی کی ہے۔ جن کی عبارتیں اور اُن کے ترجمے طوالت کے خوف سے حذف کئے جا رہے ہیں۔

البتہ آخر میں علامہ ابوبکر جصاص رازی کی یہ تشریح ملاحظہ کے لئے نقل کی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

اِنَّ الاٰیۃَ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ تضمنتِ الامر بایقاع الاثنتین فی مرتین فمن اوقع الاثنتین فی مرۃ فھو مخالف لحکمھا۔ (اُحکام القرآن)

یعنی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ دو طلاق، دو بار، دو طہروں میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے۔ لہٰذا جو شخص دو طلاق بیک دفعہ یعنی ایک طہر میں دیتا ہے وہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے "مرّتان" کہا، اُس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا۔ یعنی دو رجعی طلاقوں کا ذکر پہلے کیا پھر تیسری بائنہ کا ذکر آخر میں۔ اِس سے متفرق مدتوں میں طلاق دینے کے ساتھ پہلی دو طلاقوں کے رجعی ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

نیز عربی زبان بلکہ دُنیا کی کسی بھی زبان میں آپ اگر کہیں کہ "میں نے یہ کام تین مرتبہ کیا" تو اس سے تین مرتبہ الگ الگ کام کرنا مُراد ہوگا یا مثلاً اذان دیتے وقت "اللہ اکبر" چار مرتبہ دُہرانے کے بجائے پہلی ہی بار کہہ دیں "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ" تو اس سے اذان پُوری نہ ہوگی جبتک کہ چار مرتبہ نہ اسی کلمہ کو دُہرائیں۔ یا مثلاً نماز کے بعد تسبیحات پڑھتے وقت اگر آپ کہیں "سبحٰن اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ، اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ" تو اس سے تسبیحات کی تعداد سَو پوری نہ ہوگی اور نہ حدیث پر عمل ہو سکے گا۔

یہ سب اعمال قولی تھے۔ جب یہ اپنی مطلوبہ تعداد پوری کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے تو طلاق و لعان وغیرہ جو سراسر قولی ہیں، کیسے پُورے ہو جائیں گے۔

لعان اور طلاق زوجین کی تفریق کے اعتبار سے حکماً ایک ہی جیسے ہیں اور لعان والی آیت میں "فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ٥" اِس جگہ شہادت کا عمل پانچ بار کہے جانے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، تو پھر طلاق کو اِس اُصول سے کیسے الگ کیا جا سکتا ہے؟

ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ طلاق والی آیت میں "مرّتان" سے مراد، الگ الگ دو بار ہے، نہ کہ بیک زبان و بیک مجلس مراد ہے، اور یہ کہ قرآن مجید کی آیات سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے، جبکہ ان تینوں کے تین طلاق ہونے کا اشارہ تک کسی آیت سے نہیں ملتا۔ فقہی مُوشگافیوں اور مسلکی گروہ بندیوں سے الگ ہو کر قرآن کو خالی ذہن کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا مفہوم سب کے قلب و دماغ پر بآسانی ثبت ہو جائے گا۔

مسئلے کی نوعیت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

طلاقِ ثلاثہ کی بابت سب سے مشہور و جامع حدیث وہ ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و أبی بکر و سنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا فی أمرٍ کانت لہم فیہ أناۃ فلو أمضیناہ علیہم فأمضاہ علیہم۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق)	"یعنی عہدِ نبویؐ، خلافت صدیقیؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی۔ لیکن جب کثرت سے لوگوں نے طلاق دینی شروع کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا جس کام میں لوگوں کو مہلت دی گئی تھی اس میں وہ جلد بازی سے کام لینے لگے۔ لہٰذا ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں تو کیا حرج ہے چنانچہ انھوں نے ان سب کو نافذ کر دیا:"

یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دے کر عورت کو بائنہ قرار دیتے تھے۔

اُنھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ سرکاری حکم نامے کے ذریعہ یہ بات مشتہر کرادی کہ جو شخص بھی بیک زبان تین طلاقیں دے گا وہ تین شمار ہوں گی اور ایسا کرنے والے پر وہ بڑی سختی کرتے تھے۔

یہ حدیث اس مسئلے کے لئے فریقین کی سب سے اہم دلیل ہے۔ جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ حضرت عمرؓ کے اس عمل کو اپنے لئے مدارِ عمل بناتے ہیں اور یہ کہ صحابہؓ نے اس حکمنامہ کی مخالفت نہیں کی اور سب نے خاموشی اختیار کی۔

لیکن جو لوگ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت عمرؓ کے قبل اور بعد دونوں

زمانوں کا الگ الگ تعامل ظاہر ہو رہا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو برسوں تک ایک مجلس کی تین طلاق ایک مانی جاتی تھی۔ اُمت کا اس مسئلے پر اجماع تھا اور اس کے خلاف کوئی ایک فرد بھی نہ تھا۔ اختلاف کی ابتداء حضرت عمرؓ کے اُس فرمان کی وجہ سے ہوئی ہے جس میں آپ نے ایسی تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا حکم نافذ فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے فرمان کی توجیہ

اِس مقام پر پہنچ کر ہر صاحبِ فکر یہ سوچنے لگتا ہے کہ قرآنی تشریحات، نیز عہدِ رسالت و عہدِ صدیقی کے تعاملِ عام کے باوجود حضرت عمرؓ جیسے حسّاس شخص نے اس مسئلے میں اتنی نمایاں تبدیلی کیسے کر ڈالی؟ کیا بالفاظِ دیگر یہ مداخلت فی الدین نہیں؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ محض اجتہاد تھا جس میں اُن کے پیشِ نظر اُمت کے مصالح تھے اور عوام کی تربیت تھی۔ کیونکہ بیک مجلس و بیک زبان تین طلاقوں کے دینے کا غلط و غیر شرعی رواج عام ہو گیا تھا جس سے کتابُ اللہ کے ساتھ کھُلا ہوا تلعّب ظاہر ہو رہا تھا اور اس باب میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصتوں اور سہولتوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ باتیں ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے غیور کو کب برداشت ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے "تہدیداً و سیاسۃً" اپنا فرمان جاری کیا اور اُس پر سختی سے عمل بھی اسی لئے کرایا تاکہ لوگ غیر شرعی طلاقوں سے پرہیز کریں۔

حدیثِ رکانہ بن عبد یزید

حضرت عبد اللہ بن عبّاسؓ سے روایت ہے:

طلّق رُكانۃ بن عبد يزيد أخو بني مُطّلب امرأتہ ثلاثًا في مجلسٍ واحدٍ فحزن عليها حزنًا شديدًا قال فسألہ رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم كيف طلّقتَها، قال طلّقتُها ثلاثًا قال فقال في مجلسٍ واحدٍ؟ قال نعم. قال فإنّما تلك واحدۃٌ فارجِعْها إن شئتَ. قال فراجَعَها.

"حضرت رکانہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر سخت مغموم ہوئے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے پوچھا: کس طرح طلاق دی؟ انھوں نے کہا: میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا ایک ہی مجلس میں؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ سب ایک ہی ہیں۔ آپ چاہیں تو بیوی سے رجعت کر لیں۔ حضرت عبد اللہ بن عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو رجوع کر لیا۔"

(مُسند احمد ج ۱، ص ۱۶۵)

اِن دونوں احادیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک

رجعی ہونے پر عہدِ نبویؐ، عہدِ صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ کے ابتدائی دو برسوں تک اُمت کا اجماع تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:

اذا قال أنتِ طالقٌ ثلاثاً بفمٍ واحدٍ فهي واحدةٌ (ابوداؤد مع عون المعبود ج ۲ ص ۲۲۱)

یعنی اگر کوئی شخص بیک زبان تین بار کہے "تجھ کو طلاق دیا" تو یہ ایک طلاق ہوگی۔

غیر مدخول بہا کے بارے میں امام طاؤس قسم کھا کر کہتے ہیں:

وَاللهِ ما كان ابن عباس يجعلها إلّا واحدةً (ایضاً)

یعنی بخدا عبداللہ بن عباسؓ غیر مدخول بہا کی تین طلاقوں کو ایک ہی قرار دیتے تھے۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ بھی ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجعی ہونے کے قائل تھے۔ الغرض حضرت عمرؓ کے فرمان کے بعد بھی صحابہ کی معتد بہ تعداد اپنے مسلکِ اوّل پر قائم تھی۔

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں پر اجماع کی حقیقت

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر سب سے زیادہ جو دلیل زیرِ بحث لائی جاتی ہے وہ حضرت عمرؓ کے فرمان کے بعد اُمت کے اجماع کی ہے اور عوام کو دراصل اسی "اجماع" کے بھاری بھرکم لفظ سے دھوکہ ہوا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے فتویٰ کے بعد بھی کبھی بھی متفق علیہ نہیں رہا، بلکہ اس میں اوّل روز ہی سے اختلاف پایا جاتا ہے جس کا اعتراف خود علماءِ احناف نے بھی کیا ہے۔

چنانچہ مازری نے اپنی کتاب "معلم" میں امام محمد بن مقاتل حنفی کی یہ روایت نقل کی ہے:

"طلاقِ ثلاثہ جو ایک ساتھ ہوں وہ ایک رجعی کے حکم میں ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ایک قول یہی ہے"۔

امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ والی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

فذهب قومٌ إلى أنّ الرجل إذا طلّق امرأتہ ثلاثًا معًا وقعت علیها واحدۃً۔ (شرح معانی الآثار)

یعنی کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدے تو وہ ایک ہی شمار ہوں گی۔

امام نووی شافعیؒ نے بھی لکھا ہے:

قد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ أنتِ طالقٌ ثلاثًا (نووی۔ ص ۴۷۸)

یعنی علماءِ اسلام کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے اپنی بیوی سے "أنتِ طالقٌ ثلٰثًا" کہا:

نیز امام طاؤسؒ اور بعض ظاہریہ نیز حجاجؒ بن ارطاۃ اور محمدؒ بن اسحٰق جیسے اجلّۂ امّت بھی اسی کے قائل تھے۔

ہندوستان کے مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ عمدۃ الرعایہ ج ۲ ص ۷۱ میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کی بابت اُمّت کے ایک گروہ کی رائے نقل فرماتے ہیں:

والقول الثانی أنّہ إذا طلّق ثلاثًا تقع واحدۃٌ رجعیۃٌ وھذا ھو القول عن بعض الصحابۃ وبہ قال داؤد الظاھریؒ وأتباعہ وھو أحد القولین لمالک وبعض أصحاب أحمد۔

یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دیدے تب بھی ایک رجعی ہی پڑے گی اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ سے منقول ہے اور امام داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں اور یہی امام مالک اور امام احمد کے بعض اصحاب کا بھی ایک قول ہے۔

امام شوکانیؒ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا فتویٰ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امام طاؤس، امام عطاء، جابر بن یزید، ہادی، قاسم، ناصر، احمد بن عیسٰی، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ، ابن تیمیہ، ابن قیم کی طرف منسوب کیا ہے۔

ابن مُغیث نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ سے بھی نقل کیا ہے اور مشائخ قرطبہ جیسے محمّد بن تقی، محمّد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا بھی فتویٰ اسی قول پر نقل کیا ہے۔ (نیل الاوطار)

مذکورہ تفصیلات سے ہر انصاف پسند پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر اُمّت کا اجماع ثابت نہیں، بلکہ یہ مسئلہ عہدِ فاروقی کے بعد نسلاً بعد نسلٍ اور خلفاً عن سلفٍ مُختَلَفٌ فِیہِ رہا اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو برسوں کے پہلے

تک یہ مسئلہ نزاع و اختلاف سے دوچار نہیں ہوا۔ اُس وقت تک پوری امّت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک رجعی شمار کرتی تھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکمنامہ پر عام صحابہؓ و تابعین نے محض سکوت اختیار کیا تھا۔ اِس کا یہ مطلب تھا کہ وہ حضرات خلیفہ کو امّت کی اپنی مصلحت و مفاد کا مجاز سمجھتے تھے۔ لیکن اِس کے باوجود بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا فتویٰ دیتے رہے۔ اسی طرح حضرت زبیر بن عوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی، اور تابعین میں حضرت عکرمہ اور طاؤس کا بھی یہی عمل تھا، اور تبع تابعین میں محمد بن اسحٰق، خلاس بن عمرو اور حارث اور اُن کے بعد داؤد بن علی اور اُن کے اصحاب نیز امام مالک کے بعد اسحٰق اور بعض حنفیہ اور امام احمد کے بعض اصحاب بھی۔

اِس طرح ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجعی ہونے پر امّت کا اجماع قدیم تھا جو کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ اور قیاس سے ثابت ہے۔ اِس اجماع کے خلاف امّت کا کوئی دوسرا اِجماع ثابت نہیں، اور یہ کیسے ممکن بھی تھا کہ حضرت عمرؓ کا ایک تعزیری و سیاسی حکم جو بعض وقتی مصالح کی بنیاد پر تھا اور جس کی تشہیر کما حقہٗ ممکن بھی نہیں تھی، کیونکہ اکثر صحابہ اپنے وطن سے دُور ہزاروں میل پر جہاد میں مصروف تھے اور جنہیں اس فتوے کی مُطلقاً خبر نہ تھی، وہ امّت کے اجماعِ قدیم ہی پر قائم رہے۔

کتاب اللہ کی واضح آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ٹوک فیصلے اور عہدِ نبوی سے عہدِ فاروقی کے ابتدائی دَور برسوں تک ہزار ہا ہزار صحابہ و تابعین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھتے رہے، اس کے مطابق فتویٰ بھی دیتے تھے اور اسی پر عمل بھی کرتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف ثابت نہیں۔ لہٰذا اِن حقائق کو نظر انداز کر کے کس طرح اس کے خلاف امّت کے اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی حقیقت

اگر دل و دماغ کو تقلیدی جمود سے پاک کر کے اور بنظرِ انصاف حضرت عمرؓ کے اس فتویٰ پر نظر ڈالی جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کا محض اجتہاد تھا جس کے ذریعہ وہ طلاق کے

مسئلہ پہ کتابُ اللہ و سُنّتِ رسول اللہ کی ہدایات کے مطابق عوام کو تربیت دینا چاہتے تھے اور یہ محض اُن کی تربیت اور خلوص ہی کا جذبہ تھا کہ وہ اس مسئلہ میں شدّت و سختی برتتے تھے۔ تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت اور سہولت سے فائدہ اٹھائیں جو باری باری الگ الگ مدّتوں میں طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ نے ملحوظ رکھی ہے، اور محض اسی مصلحت کے پیشِ نظر عام صحابہؓ نے جو حضرت عمرؓ کے ساتھ مدینۂ منورہ میں موجود تھے، آپ کے اِس اجتہاد پر سکوت اختیار کیا۔ کیونکہ وہ خلیفۂ وقت کو اس مصلحت کا اہل سمجھتے تھے۔ اِس طرح یہ عدمِ اختلاف صحابہؓ کا محض سکوت تھا جسے لوگوں نے اجماع تصوّر کرلیا۔

اِس موقع پر ایک سچّا مومن اِس سے زیادہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی ایک ہنگامی اور وقتی حالت تھی جس کے سُدھار کی طرف امیر المومنین نے قدم اُٹھایا تھا، ورنہ جب صحیح حدیث آجائے تو ہر اُمّتی کا فرض ہے کہ وہ بلا چُوں وچرا اس پر عمل کرے اور اس کے خلاف ہر چیز کو ترک کردے، خواہ وہ کسی کی کہی ہوئی ہو یا کبھی ہوئی۔

یہاں کسی کو یہ شُبہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب تمام صحابہؓ ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجعی ہونے پر متفق ہی تھے تو اِس اجماع کے خلاف حضرت عمرؓ نے فتویٰ کیوں دیا؟ اِس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اجماعِ قدیم کی مخالفت ہرگز نہیں کی، بلکہ اُن کا حکم محض تہدید و تنبیہ اور تربیت و سیاست کی بنا پر تھا، تاکہ لوگ جان جائیں کہ یہ غیر شرعی طریقہ پر طلاق دینے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رُخصت نہ قبول کرنے اور حکمِ الٰہی کی حکمتوں کو پامال کرنے پر یہ سرکاری مواخذہ ہے۔

لیکن سزائیں زمانوں اور اشخاص کی تبدیلی کے ساتھ بدل بھی جاتی ہیں، اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کو جاری کرتے وقت یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور آپؐ کی حدیث ہے۔ بلکہ صراحت کردی تھی کہ یہ میرا شخصی تعزیری حکم ہے جس کا قولِ رسول سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ طلاق کے بارے میں اللہ کی دی ہوئی رُخصت اور سہولت کے استعمال اور تحفّظ کے لئے یہ محض ایک انسانی تدبیر ہے جسے شریعت اور دین کا درجہ نہیں دیا جاسکتا خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس کے خلاف آیاتِ قرآنی، احادیثِ صحیحہ اور امت کا اجماعِ قدیم موجود ہے۔

مُفسدات وقبائح

چونکہ عام طور پر لوگ طلاق کے شرعی طریقہ سے ناواقف ہیں اور طلاق کے اسباب عموماً غضب اور غصہ ہی کی پیداوار ہوتے ہیں، اس لئے جب بیک زبان، بیک مجلس طلاق دے کر ٹھنڈے پڑتے ہیں اور انھیں صورتِ حال کا علم ہوتا ہے تو پچھتاتے اور تڑپتے ہیں۔ اُس وقت ہمارے مُفتیانِ کرام انھیں اپنا مسلک بتا کر الگ ہو جاتے ہیں اور طلاق دینے والا ناواقف مسکین اپنی بیوی کی جدائی، گھر کی بربادی اور بال بچوں کی کس مپرسی کو دیکھ دیکھ کر روتا اور بلکتا ہے، اور اپنے مذہبی دائرے کی تنگی اور حکمتِ الٰہی سے ناواقفیت اور اللہ کی دی ہوئی رُخصت وسہولت سے محرومی کا تصوّر کر کر کے کبھی اپنے کو کوستا ہے، کبھی اپنے مذہب کو اور کبھی اپنے مذہب کے مُفتیانِ کرام کا ماتم کرتا ہے۔ لیکن حلالۂ ملعونہ کے سوا اپنی بیوی کی واپسی کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اُس وقت شرم وحیا کے دامن کو تار تار کر کے اپنی بیوی کی پاکیزگی اور طہارتِ نفس کا گلا گھونٹ کر حلالہ جیسی ملعون چیز کے لئے راہیں ڈھونڈتا اور ہموار کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ حلالہ جس چیز کا نام ہے اور شریعت نے اسے جس صورت میں جائز اور حلال قرار دیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ مُطلقۂ بائنہ کہیں دوسری جگہ صحیح شرعی طریقہ پر شادی کر کے نئے شوہر کی صحبت سے ہمکنار ہو جائے اور اُس کے ساتھ حُسنِ معاشرت کی پختہ نیت وارادہ رکھے اور پہلے شوہر کو قطعاً فراموش کر جائے اور اُس سے ہر قسم کا تعلقِ زوجیت بالکلیہ منقطع کر لے۔ پھر بدقسمتی سے اُس کا شوہر ہلاک ہو جائے یا اُس کو طلاق دیدے، تو ایسی صورت میں پہلے شوہر کو اُس سے نکاح کا حق حاصل ہو گا۔

لیکن مُروّجہ حلالہ جس کا فتویٰ عام طور سے ہمارے علماء کرام دیا کرتے ہیں وہ ایک فعلِ لعنت ہے اور ہرگز زواجِ شرعی نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کرنے اور کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور آنحضرتؐ کی لعنت دینِ فطرت کی کسی سنّت پر کبھی نہیں ہو سکتی، بلکہ کبائر و معاصی ہی پر ہوتی ہے، اور حلالہ حقیقتاً ایک معصیت ہے جس کی نسبت شریعتِ الٰہیّہ کی طرف ایک شیطانی حرکت اور فضیحت ہے۔

آنحضرتؐ نے حلالہ کرنے والے کو کرایہ کا سانڈ کہا ہے اور حلالہ کے نکاح کو کتاب اللہ کے ساتھ مذاق قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میرے پاس کوئی بھی حلالہ کرنے والا لایا جائیگا تو میں اُسے رجم کر دوں گا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حلالہ کرنے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو

فرمایا کہ دونوں زانی ہیں اور اس قسم کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صریح گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ زوجِ اوّل کے لئے حلالہ کی خاطر اگر بیس برس تک بھی عورت کو اپنے نکاح میں روک رکھا جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حلالہ کرنے والے کو دھوکہ باز قرار دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسی بناء پر اپنے فتویٰ کے ذریعہ رجعت کی پابندی لگائی تھی کہ لوگ حلالہ جیسے لعنتی فعل کی جرأت نہیں کر سکیں گے، بلکہ ایک مجلس کی تین طلاق سے پرہیز کریں گے اور شرع شریف کے مطابق ہی طلاق دیا کریں گے۔ یہ کون تصور کر سکتا تھا کہ کبھی ایسا دور بھی آئے گا کہ لوگ حلالہ جیسی ملعون چیز کا ارتکاب کرنا گوارہ کریں گے۔

حلالہ کی لعنتیں

حلالہ ایسی بے غیرت چیز ہے جس کا کوئی شریف اور خود دار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے نکاحِ شرعی کا اعلان و اشتہار ہوتا ہے جس پر خوشی اور مبارکبادی کا اظہار ہوتا ہے، تقریبات اور ولیمہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن حلالہ کے نکاح کو لوگ کانوں کان چھپاتے ہیں۔ نیز عورت سے نکاح کا داعیہ اُس کے دین، حسب و نسب اور مال و جمال سے ہوتا ہے، لیکن کیا حلالہ کرنے والا بھی اِن میں سے کسی داعیہ کا طالب رہتا ہے؟ ذرا حلالہ کا نکاح کرنے والے سے پوچھئے کہ کیا اُس کے دل میں اپنی زوجہ کے نان و نفقہ اور اس کے لباس کا بھی احساس رہتا ہے یا نہیں؟ اور کیا حلالہ کے لئے نکاح کرائی جانے والی عورت عام شرعی نکاح کرنے والی عورتوں کی طرح خود کو سنوارتی اور مزین کرتی ہے؟

کیا لوگوں کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ حلالہ کے ذریعہ داغدار کی جانے والی کتنی ہی شریف زادیاں عزت و شرافت سے محروم ہو کر فسق و فجور کی بُری راہوں کا شکار ہو گئیں اور حلالہ کے عادی ملعون مردوں نے کتنے گھرانے تباہ کئے اور کتنی حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ اپنی زوجیت میں رکھا۔

الغرض ایک مجلس کی تین طلاق کو کتاب اللہ، سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہؓ کے خلاف تین مان لینے کی بنا پر آج جہاں سینکڑوں خاندان تباہ و برباد ہیں، وہیں مخالفینِ اسلام کو بھی اس مسئلہ کی آڑ لے کر مسلم پرسنل لا پر حملہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ضرورت ہے کہ علماءِ امّت اس مسئلہ کی تمام جزئیات پر بنظرِ تعمق غور و فکر کر کے اُمّت کے لئے وہی فطری اور ربانی سہولتیں پیدا کریں جو عہدِ نبوی میں امّت کو حاصل تھیں۔

آخر میں خلاصۂ کلام کے طور پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس مسئلہ کے بارے میں مسلکی تعصب و جمود کے خلاف شاکی ہیں اور کسی انقلابی اور اصلاحی اقدام کے محتاج و منتظر ہیں۔ ضرورت ہے کہ وقت کے حق پرست علماء تمام مسلکی حدود و قیود کو پھاند کر اُمت کی اس اہم ترین ضرورت پر فیصلہ کُن اقدام کریں۔

واللہ الموفق وعلیہ التکلان ———

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ

مولانا عبدالرحمٰن صاحب ابن شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زواج (نکاح) زوجین کے درمیان ایک عقد اور معاہدہ ہے، اور شوہر اور بیوی باہم عقد کے دو رکن ہیں۔ عقود و معاملات کے بارے میں یہ عام قاعدہ ہے کہ طرفین نے جن شرائط کے تحت اس معاملہ کو باہم طے کیا ہے اس کے وہ بہر حال پابند ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو تنہا دوسرے کی مرضی کے بغیر نہ تو ان حقوق و شرائط میں خلل اندازی کا حق ہے اور نہ ہی اس معاہدہ کو توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب دیگر عقود و معاملات کی طرح شادی بیاہ بھی کرتے تھے۔ اسی طرح بیویوں کو بلا حصر و قید طلاقیں بھی دیا کرتے تھے۔ اسلام نے اُن کے جن عقود و معاملات کو اصلاح اور ان میں قدرے ترمیم کے بعد باقی رکھا، انھیں میں سے عقدِ نکاح بھی ہے۔ چنانچہ عہدِ جاہلیت کے نکاح کی مختلف اقسام کو باطل قرار دے کر صرف اسی نوع کو باقی رکھا جس پر انسانی معاشرہ کی طہارت و پاکیزگی اور نسلِ انسانی کی بہترین صحت و بقا کا دار و مدار ہے، اور اس کے ساتھ کچھ ایسی شرطیں بھی لگا دیں جو عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

صالح اور پاکیزہ انسانی معاشرہ کے وجود و بقاء کے جس عظیم مقصد کے تحت اسلام نے عقدِ زواج کو مشروع کیا ہے، اس کی مقرر کردہ حدود و شرائط کے تحت انجام پانے والے اس عقد کے طرفین (شوہر اور بیوی) کی اجتماعی زندگی میں بعض موڑ ایسے آجاتے ہیں کہ ان کا ایک ساتھ رہنا دشوار ہو جاتا ہے اور جدائی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اسلام نے اس جدائی اور علیحدگی کا طریقہ اور حدود بھی متعین کر دی ہیں۔

زمانۂ جاہلیت اور ابتداءِ اسلام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق طلاق کے بارے میں لوگوں کا رویہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سیکڑوں بار طلاق دے کر بھی اختتامِ عدت سے قبل رجوع کر کے اُسے اپنی زوجیت میں باقی رکھتا۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ:-

وَاللّٰہِ لَا اُطَلِّقُكِ فَتَبِیْنِیْ مِنِّیْ وَلَا اٰوِیْكِ أَبَدًا۔ قَالَتْ وَكَیْفَ ذَاكَ؟ قَالَ أُطَلِّقُكِ	بخدا! نہ تو میں تمہیں طلاق دوں گا کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ اور نہ تمہیں کبھی اپنے یہاں پناہ ہی دوں گا۔ اُس نے کہا یہ کیونکر؟ شوہر نے کہا

نَطَلِّقُكِ حَتّٰى اِذَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ اَنْ تَنْقَضِىْ رَاجَعْتُكِ ۔ کہ تمہیں طلاق دوں گا اور جب تمہاری عدت ختم ہونے کو آئے گی تو تمہیں لوٹا لوں گا"

شوہر کی یہ بات سن کر وہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور شوہر کا یہ ظالمانہ ارادہ اُن سے بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے بھی بروقت اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا تا آنکہ سورہ بقرہ کی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس حکمِ الٰہی کے نزول کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاق کا آغاز کیا۔ جس نے طلاق دی تھی اُس نے بھی اور جس نے نہیں دی تھی اُس نے بھی۔

اسلام نے جس طرح دورِ جاہلیت میں نکاح کی مروّجہ اشکال میں سے صرف اس شکل کو باقی رکھا جو انسانی معاشرہ کی نظافت و طہارت کا ضامن ہے اور دیگر تمام اشکال کو باطل قرار دیا، اُسی طرح طلاق کے لئے بھی کچھ قیود و حدود اور قواعد و ضوابط مقرر کئے تاکہ عورت، مرد کے ظلم و تعدی اور تضییق و ایذا رسانی سے محفوظ رہ سکے۔

طلاق کا مقصد لہو و لعب نہیں اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسے اپنی مرضی کے مطابق جب اور جس طرح چاہے طلاق کا اختیار ہے۔ اگر چاہے تو بیوی کو فوراً بالکل ہی جدا کر دے اور چاہے تو ایسی طلاق دے کہ اُسے لوٹانے کا اختیار باقی رہے۔

اسلام کا نظامِ طلاق کسی انسانی غور و فکر کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ تو علیم و حکیم ذات کا نازل کردہ قانون ہے، اور زوجین کے درمیان نااتفاقی اور عداوت و بغض کے نتیجہ میں خاندان کے اندر جو بدمزگی رونما ہوتی ہے، اس کا آخری حتمی اور شافی علاج ہے۔

اللہ نے اس کے لئے عدل و انصاف پر مبنی اصول و قواعد اور حدود و ضوابط متعین فرمائے اور ان اصول و ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والوں اور مقررہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کے لئے وعیدیں نازل فرمائیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ " یہ حدودِ خداوندی ہیں پس ان سے نہ گذرو اور جو لوگ اللہ کی

يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ — حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔"

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ — "یہ خدا کی حدود ہیں جاننے والوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔"

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ — "اور دُکھ دینے کے لئے اُن کو مت روکنا کہ ظلم کرنے لگو اور جو کوئی یہ کرے گا اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اللہ کی آیتوں کو مسخری نہ سمجھو۔"

طلاق کا مقصد شریعتِ اسلامیہ میں یہ ہے کہ زوجین کے درمیان —— دیگر عقود و معاملات کی طرح —— بہتر طور پر باہم زندگی گذارنے کا جو معاہدہ ہے، اگر ان دونوں نے اس معاہدہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا تو عقدِ زواج کا مقصد حاصل ہو گیا اور ان کی زندگی خوش گوار گذرے گی۔ اور اگر خدانخواستہ باہم مناسبت نہ پیدا ہو سکی اور اس کے بجائے آپس میں نفرت و بُغض ہو گیا اور ان دونوں کو خطرہ ہے کہ معاہدۂ نکاح کے شرائط وہ پورا نہ کر سکیں گے اور علیحدہ ہونا چاہتے ہیں تو ان کا حال بھی دیگر عقود و معاملات کرنے والوں کی طرح یکساں ہے۔ ان کو اختیار ہے کہ عورت کی جانب سے مرد کے لئے کچھ مالی معاوضہ کے بالمقابل علیحدگی و طلاق پر اتّفاق کر لیں۔ جس طرح سے کہ نکاح میں مرد کی جانب سے عورت کے لئے مہر کے بالمقابل تعاقد و معاملہ ہوا تھا۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۔ — "پھر اگر تم ڈر جاؤ کہ وہ احکام خداوندی ادا نہیں کر سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت کچھ دے کر رخصت لے لے۔"

اس طرح عورت بائنہ ہو جائے گی اور ایسی صورت میں شوہر بلا جدید عقد کے اُسے اپنی زوجیت میں نہیں لے سکتا، اور عورت بھی شوہر سے مہر و نفقہ وغیرہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی اِلّا یہ کہ اُن دونوں نے اس طرح کی کوئی بات آپس میں طے کر لی ہو۔

اللہ عزّ و جلّ نے ایک عظیم مصلحت کے تحت عقدِ نکاح کو معاملات و عقود کے فسخ کے عام قاعدہ سے مُستثنیٰ فرما دیا اور مرد کو اجازت دی کہ کچھ خاص شرائط و قواعد کی پابندی کے ساتھ محض اپنی مرضی سے وہ تنہا ہی اس عقد کو توڑ دے۔ اور زوجین میں سے ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق متعیّن کر دیئے جن سے ان میں کا کوئی بھی فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ پس جو شخص بھی

طلاق کے بارے میں اللہ کی مقررہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے عقدِ نکاح کو توڑے اس نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ اپنا حق جائز طور پر استعمال کیا اور اس پر اس کے اثرات بھی مرتب ہوں گے۔ اور جس نے ان مقررہ حدود سے تجاوز کر کے نکاح کے بندھن کو غیر مشروع طریقہ پر توڑا" اُس کا یہ عمل باطل اور لغو ہوگا۔ جس طرح کہ بیع یا رہن کے معاملہ کو طرفین میں سے کوئی ایک تنہا ہی توڑ دے تو اُس کا یہ عمل باطل اور کالعدم ہوتا ہے اور عقدِ بیع و رہن پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

قبل اس کے کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر اسلام کے نظامِ طلاق پر بھی ڈال لیں۔

۱- شوہر نے بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دے دی ہے تو ایک طلاق ہی سے وہ بائنہ ہو جائے گی اور وہ جدید نکاح کے بغیر دوبارہ اپنی زوجیت میں اسے نہیں لے سکتا۔ ایسی صورت میں طلاق دینے کا کوئی وقت متعیّن نہیں ہے، اور نہ ہی عورت کو عدّت گذارنی ہے۔ ہاں! اگر مہر متعیّن تھا تو شوہر اس کا نصف عورت کو ادا کرے گا۔ اور اگر مہر کا تعیّن نہیں ہوا تھا تو عورت کے لئے مُتْعَہ ہے۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ۔ "وسعت والے پر اس کے مناسب اور تنگی والے پر اس کے مناسب"

اور یہ عورت کے لئے شوہر کی طرف سے مناسب معاوضہ ہے۔ کیونکہ شوہر نے اُس سے کسی طرح کا استمتاع نہیں کیا اور نہ ہی عورت نے اپنا کچھ شوہر کے حوالہ کیا۔

۲- اور اگر شوہر نے بیوی سے صحبت کر لی ہے تو ایسی عورت کے طلاق کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے احکام مقرر فرمائے ہیں ۔۔۔ شوہر کو طلاق کی اجازت عدّت کے شروع میں دی ہے۔ اگر وہ حاملہ ہے اور علاماتِ حمل ظاہر ہو چکی ہیں تو اُس کی طلاق بچّہ جننے سے پہلے ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وضعِ حمل کے بعد اُس کی عدّت ختم ہو جائے گی۔ علاماتِ حمل کے ظہور کے بعد اگر اُس کو طلاق دی گئی تو اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس کو اپنی عدّت کی مدّت کا علم ہو جائے گا ۔۔۔ اور اگر وہ غیر حاملہ ہے لیکن بالغہ ہے تو اُسے اس پاکی کی حالت میں طلاق دے جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو، تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ اس کی عدّت

اُس حیض سے شروع ہوگی جو اُس طُہر سے متّصل ہے جس میں اسے طلاق دی گئی ہے۔ اس طرح نہ تو عدّت کے بارے میں عورت کو کوئی اشتباہ رہے گا اور نہ ہی اس کی عدّت کا وقفہ اور مدّت دراز ہوگی کہ اُس کی بنا پر مطلّقہ کو اذیّت پہنچے۔

اور اگر مطلّقہ اُن عورتوں میں سے ہے جنھیں حیض نہیں آتا، مثلاً کم سِن جس کا حیض ابھی شروع ہی نہیں ہوا، یا عمر دراز عورت جو سنِّ ایاس کو پہنچ گئی اور اُس کا حیض بند ہو چکا ہے، یا ایسی عورت جس کو کسی بیماری کے باعث حیض آنا بند ہو گیا تو ان تمام کی عدّت مہینوں سے شمار کی جائے گی۔ اس طرح کی عورتوں کے بارے میں مرد کو ایک طلاق کا حق ہے۔ اس میں وقت کی کوئی پابندی نہیں، کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہوں گی۔ اور اس لئے کہ اُن کی عدّت مہینوں سے شمار ہوتی ہے اور تین ماہ حمل کے ظہور کے لئے کافی ہیں۔ پس اگر وہ حاملہ ثابت ہوئی تو اُس کی عدّت وضعِ حمل ہوگی۔

اللہ عزّوجلّ نے زوجۂ مدخول بہا کے لئے پورا مہر مقرّرا دا کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اُس نے جس شئی پر شوہر سے معاملہ اور عقد کیا تھا اُسے شوہر کے حوالہ کر دیا۔ اس لئے شوہر پر بھی لازم ہے کہ اس کا عوض پورا پورا ادا کر دے، جیسا کہ دیگر عقود میں ہوا کرتا ہے۔ پھر اللہ عزّوجلّ نے شوہر پر طلاق کی صورت میں کامل مہر کی ادائیگی کے ساتھ "مُتعہ" بھی رکھا ہے جو شوہر کو تنہا طلاق کا حق و اختیار حاصل ہونے کا معاوضہ ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ ＝ اور طلاق والیوں کا موافقِ دستور گذارہ ہے۔ (وہ ان کو دیا کرو)۔ پرہیزگاروں پر ضروری ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ ＝ اے نبی! تو اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے چھوڑ دوں۔

مدخول بہا مطلّقہ یا تو وضعِ حمل کی عدّت گذارے گی، یا تین حیض، یا تین ماہ۔ یہ عدّت اللہ تعالیٰ نے عورت پر اس لئے لازم قرار دی ہے تاکہ ــــ اوّلاً اس امر کا تیقّن ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے ــــ اسی لئے حاملہ کی عدّت وضعِ حمل رکھی گیا ہے یہ مدّت طویل ہو یا

مختصر۔ ثالثیاً تاکہ مرد کو اس وقفہ میں سوچنے اور غور و فکر کرنے کی مہلت مل جائے۔ ممکن ہے اُسے اپنا یہ اقدام مبنی بر صواب نہ معلوم ہو اور غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قطعی اور آخری علاج کے سلسلہ میں اس نے عجلت سے کام لیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

لا یفرک مؤمن مؤمنۃ ان کرہ منہا خلقاً رضی منہا آخر۔ (مسلم)	”مومن مرد، مومنہ عورت کو مبغوض نہیں رکھتا۔ اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری اسے بھلی لگے گی“

اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا :۔

اِنّ المرأۃ خُلقت من ضلع لن تستقیمَ لک علیٰ طریقۃ فان استمتعتَ بہا استمتعتَ بہا وبہا عوجٌ واِن ذہبتَ تُقیمہا کسرتہا وکسرُہا طلاقُہا۔ (مسلم۔ ج ۱ صفحہ ۴۷۵)	”عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے۔ وہ تمہارے لئے بالکل سیدھی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو اُٹھالو۔ اور اگر اسے سیدھا کرنے جاؤگے تو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا، اس کا طلاق ہے“

مرد اپنی غلطی کا یقین ہو جانے کے بعد کبھی یا پتے اس اقدام پر نادم ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خطا عورت ہی کی ہوتی ہے مگر اس پر جذبہ شفقت کی وجہ سے اسے ندامت ہوتی ہے اور توقع رکھتا ہے کہ آپسی شکر رنجی کا علاج بہتر انداز میں کر سکتا ہے تو یہ عدّت کا وقت اُس کے لئے غور و فکر کا وقفہ فراہم کرتا ہے جس میں اُسے اپنے اقدامِ طلاق کی اصلاح کا تنہا اختیار ہوتا ہے۔

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔	”تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد موافقت کی کوئی صورت پیدا کردے۔“
وَبُعُوْلَتُہُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّہِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔ وَلَہُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْہِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْہِنَّ دَرَجَۃٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○	”اور ان کے خاوند اس مدت کے اندر ان کو پھیر لینے کا حق رکھتے ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے بھی ان پر حقوق ہیں دستور کے موافق۔ اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہے۔ اور خدا غالب ہے حکمت والا۔“

اللہ نے مرد کو عورت کی عدّت پوری ہونے تک اس کا خرچ برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بوجھ اس پر اس لئے ڈالا گیا ہے کہ — تعلقِ زوجیت کے اثر سے عورت کو ایک مدّت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے تنہا مرد ہی کو عدّت کے اندر اُسے اپنی زوجیت میں واپس لینے کا اختیار ہے۔ اگر اس رجعت سے واقعی اس کا مقصد اصلاح ذات البین ہے تو عورت کو نہ تو شوہر کے انکار کے باوجود اُس کی زوجیت میں لوٹنے کا اختیار ہے، اور نہ ہی اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو اس کے لئے معارضہ اور انکار کی گنجائش اور حق ہے اِلّا یہ کہ شوہر کا مقصد اس رجعت سے عورت کی ایذا رسانی ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنا معاملہ حاکم کے پاس لے جائے گی اور عورت کے دعویٰ وشکایت کی صحت کے یقین کی بنیاد پر حاکم، شوہر کی رجعت کو باطل قرار دے دے گا۔

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا —— وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا —

اگر شوہر دیکھتا ہے کہ اُس کے پاس اِس تلخی کا کوئی مداوا نہیں اور بیوی کے ساتھ اُس کی زندگی کسی طور بھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی اور اُسے قطعی طور پر الگ ہی کرنا چاہتا ہے تو اُسے عدّت پوری ہونے تک ٹھہرنا چاہیئے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ موافقت کی کوئی شکل پیدا فرما دے۔ اس پہلی طلاق کے بعد اختیار ہے کہ اسے رجوع کر لے یا عدّت پوری کر کے اسے الگ ہو جانے دے۔ پہلی طلاق کے بعد اگر عورت اس کی زوجیت میں، عدّت کے اندر رجعت کے ذریعہ یا عدّت گذر جانے کے بعد عقدِ جدید کے ذریعہ، لوٹ آئی اور شوہر پھر کسی سبب سے طلاق دینا چاہتا ہے تو اسے حسبِ سابق شروع عدّت میں طلاق دے اور اُس پر مُتعہ و نفقہ عدّت واجب ہوگا۔ اس دوسری طلاق کے بعد بھی اسے عدّت کے اندر رجعت کا اختیار ہے اور اگر اس نے ایسا کر بھی لیا اور پھر طلاق دینا چاہتا ہے تو پہلی دونوں مرتبہ کی طرح شروعِ عدّت میں طلاق دے اور عورت کے اس پر وہی حقوق ہیں جو پہلی دونوں مرتبہ اس پر عائد ہوئے تھے۔ اس تیسری طلاق کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی۔ اور وہ عدّت گذرنے کا انتظار کرے، جیسا کہ سابقہ دونوں طلاقوں کے بعد کیا تھا، مگر اب وہ اسے عدّت کے اندر رجوع نہیں کر سکتا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ — "اگر اسے تیسری بار طلاق دے دی تو اب وہ اس کیلئے حلال نہیں، یہاں تک کہ دوسرے شخص سے شادی کر لے"

اس آخری طلاق کے بعد بھی مطلقہ کے لئے عدت اور شوہر پر نفقہ لازم ہے، حالانکہ اب اسے رجوع کا اختیار نہیں رہا۔ اس لئے کہ اگر وہ حاملہ ہے تو بات بالکل واضح ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو اس سے مقصود ایک ہی نہج پر عدت کے دروازہ کو بند کرنا اور شارع کی جانب سے ایسے جوڑے پر تشدید کرنا ہے جس نے تین تین بار ایک ساتھ رہنے کا تجربہ کیا لیکن اس میں ناکام رہے اور اپنی ازدواجی زندگی کو بہتر طور پر نہ نباہ سکے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ محبت و اُلفت کے تمام رشتے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئے۔

کتاب و سُنّت سے ثابت صحیح دلائل کی روشنی میں یہ ہے اسلام کا واضح نظامِ طلاق۔ اس میں نہ تو کوئی اینچ پیچ ہے اور نہ ہی ابہام۔ اس میں زوجین کی مصلحت کا پورا لحاظ اور ان کے حقوق کا پورا تحفظ کیا گیا ہے، اور یہ نظام انتہائی متوازن اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ مرد کو عورت پر بعض امتیازات حاصل ہیں۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ اور عورت کو مرد پر بعض ایسے حقوق دیئے گئے ہیں جو مرد کے امتیازات کا معاوضہ ہیں۔ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ۔

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ طلاق کا حق تنہا مرد ہی کو حاصل ہے، عورت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا۔ اب جبکہ شوہر طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اس کو اس باب میں حدودِ شریعت کے دائرہ ہی میں رہ کر یہ اقدام کرنا ہو گا اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، اگر عورت مدخول بہا ہے تو اسے شروعِ عدت میں طلاق دے۔ پس جب اُس نے طلاق کا ارادہ کر کے اس سے کہا کہ "تمہیں طلاق"۔ تو اِن الفاظ کے ادا کرتے ہی جو اس کے اس عزم پر دلالت کرتے ہیں، بلا کسی ادنیٰ تقدیم و تاخیر کے معاً طلاق پڑ گئی۔ اب جبکہ ان دونوں کے درمیان رشتۂ ازدواج ٹوٹ گیا اور قطعِ تعلق ہو گیا تو دوسری اور تیسری بار اس کو توڑنے اور کاٹنے کا حق اس کو کہاں رہا؟ کیا اس شریعتِ مطہرہ یا دیگر قوانین و شرائع میں اس کی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے کہ ایک ہی عقد و معاہدہ کو ایک مرتبہ کاٹنے اور توڑنے کے بعد دوبارہ، سہ بارہ توڑا جائے۔ یہ تو اُسی وقت ممکن ہے جبکہ اُس کی دوبارہ، سہ بارہ تجدید ہو، تب اُس کے فسخ کی بھی تجدید ممکن ہو گی اور یہ نئے عقد کا فسخ اور توڑنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کو دیگر فسوخ سے چند معیّن امور میں مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے صرف شوہر کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور طلاق کے بعد ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق عائد کر دیئے ہیں۔ لیکن اللہ نے اس کو یکسر احکامِ عقل سے مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ یہ بھی دیگر فسوخ کی طرح ایک فسخ ہے۔ ایک عقد کو ایک ہی بار توڑا جا سکتا ہے۔ اگر مرد اپنی مطلّقہ کو عدّت کے اندر رجوع کر کے زوجیت میں لے لے تو ان کے درمیان اس عقد کی تجدید ہو گئی۔ گویا اُس نے پہلی بار توڑنے کے بعد اُسے جوڑ دیا۔ اب اس کا دوبارہ قطع کرنا ممکن ہو گا، اسی طرح دوسری بار بھی۔ رہا یہ کہ وہ عقد منقطع ہو چکا ہو اور اس کے بعد بھی اسے کاٹنا ممکن ہو تو اس کو نہ تو عقل ہی یاور کرتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیلِ نقلی ہی ہے، بلکہ یہ تو کتاب و سُنّت کی نص کے بھی مخالف ہے۔ اللہ عزّوجلّ نے طلاق کو مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ (ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ) دینے کا حکم دیا ہے نہ کہ اکٹھا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۔ الآیۃ

"طلاق دو دفعہ کر کے ہے۔ اس کے بعد معروف طریقہ سے اسے روک لینا ہے یا بھلے طریقہ سے اسے چھوڑ دینا ہے۔"

اِس آیت میں "مَرَّتَانِ" (دو دفعہ) کے لفظ سے عموماً طلاق کے لفظ کا دُہرانا، جیسے "طلاق، طلاق، طلاق" یا عدد کی تصریح کے ساتھ طلاق دینا، جیسے "تم کو تین طلاق" مراد لیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اگر کوئی بیوی کو کہہ دے کہ تم کو طلاق، طلاق، طلاق یا تم کو تین طلاق، تو اس پر تین طلاقوں کا حکم لگا کر اس کی بیوی کو اس سے جدا کر دیا جاتا ہے اور بغیر حلالہ کے وہ اس کی طرف اب لوٹ نہیں سکتی۔ حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب لفظِ طلاق کا اعادہ و تکرار نہیں ہے، بلکہ ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا ہے۔

علامہ ابوبکر جصّاصؒ آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کے تحت لکھتے ہیں:-

تضمنت الأمر بإيقاع الإثنتين في مرتين فمن أوقع الإثنتين في مرة فهو مخالف لحكمها۔

"یعنی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" دو طلاق کو دو مرتبہ میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے تو جس شخص نے دو طلاق بیک دفعہ ایک طُہر میں دے دیا اُس نے اس حکمِ خداوندی کی مخالفت کی۔"

(احکام القرآن - ج ۱ صفحہ ۳۸۰)

علامہ سندھی حنفی فرماتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ، اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔ اِلیٰ قولہ۔ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا۔ فإنّ معناہ التطليق الشرعی تطليقة بعد تطليقة على التفريق دون الجمع و الإرسال مرة واحدة ولم يرد بالمرتين التثنية ومثله قوله تعالیٰ، ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ، أى كرة بعد كرة لا كرتين اثنتين۔

۔ یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیئے، نہ کہ ایک ہی بار اکٹھا۔ "مَرَّتَیْنِ" سے مراد تثنیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ میں ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ نظر اٹھا کر دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے :

(حاشیہ سنن نسائی ج ۲ ص ۸۱ مطبع انصاری دہلی)

مولانا شیخ محمد تھانویؒ، مولانا اشرف علی صاحب کے استاد نے بھی اس آیت کی تفسیر میں تقریباً یہی لکھا ہے اور اسی معنی کی تعیین و تائید کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

إنّ قوله تعالیٰ، اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ، معناہ مرة بعد مرة فالتطليق الشرعی على التفريق دون الجمع والإرسال۔

نیز لغت عرب بلکہ تمام زبانوں میں "مرّتان" (دوبار) کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی شئی کا وقوع ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ ہو، نہ کہ ایک ہی آن اور وقت میں دوبار۔ اب اگر کوئی اپنی منکوحہ کو بیک وقت کہہ دے "تم کو طلاق، طلاق، طلاق" یا "تم کو تین طلاق" تو اس پر طلاقِ مغلّظہ کا حکم لگا دینا اور یہ کہنا کہ اس کو رجعت کا حق و اختیار نہیں، کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس نے صرف لفظِ طلاق کا اعادہ کیا ہے نہ کہ ایقاعِ طلاق کا۔ کیونکہ کسی فعل کا ایک ہی آن اور وقت میں دوبار واقع کرنا محال ہے۔ پس جب دوبار طلاق کا ایک ہی آن میں واقع کرنا محال ہے اور ایک آن میں صرف ایک ہی واقع کی جا سکتی ہے تو تین تو بدرجۂ اولیٰ محال ہوگی۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ حنفی آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" کے تحت لکھتے ہیں:۔

وكان القياس أن لا تكون التطلقتان المجتمعتان معتبرة شرعًا وإذا لم يكن التطلقتان المجتمعتان معتبرة لم يكن

" قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر دی گئی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب اکٹھا دو طلاقیں معتبر نہ ہوں گی تو تین اکٹھی کا تو بدرجۂ اولیٰ اعتبار

الثلاث المجتمعۃ معتبرۃ بالطریق الاولیٰ لوجودھما فیہا مع زیادۃٍ ۔	نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ دونوں مع ایک زائد کے تین کے اندر موجود ہیں "

آیتِ طلاق پر غور کرنے سے کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق اکٹھا نہیں دینی چاہیئے۔ اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ حدود اللہ کو توڑ کر حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ جب تین طلاق کا اکٹھا دینا ہی نصِ قرآنی کے خلاف ہے تو اس کا اعتبار کرنے کے بجائے اسے قرآنی حکم کی طرف لوٹا کر ایک ہی مانا جائے گا۔ فیصلۂ نبوی سے اسی کی تائید ہوتی ہے:۔

عن ابن عباسٍ قال طلّق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی مطّلبٍ امرأتہٗ ثلاثًا فی مجلسٍ واحدٍ فحزن علیہا حزنًا شدیدًا قال فسألہٗ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کیف طلّقتہا؟ قال طلّقتُہا ثلاثًا، قال فقال فی مجلسٍ واحدٍ؟ قال نعم! قال فانّما تلک واحدۃٌ فارجعہا ان شئت قال فرجعہا۔ فکان ابن عبّاس یری انّما الطّلاق عند کلّ طُہرٍ ۔	"عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید، بنی مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو بیوی کی جدائی کا ان کو بڑا غم ہوا، تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے پوچھا ایک ہی مجلس میں؟ رکانہ نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا تو یہ تو ایک ہی ہوئی۔ تم اگر چاہو تو اُسے لوٹا لو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رکانہ نے اُس کو لوٹا لیا۔

(مسند احمد۔ ج ۱ صفحہ ۲۶۵)

معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی، اور یہی نہیں بلکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاق کو کتاب اللہ کے حکم کے ساتھ کھیل قرار دیا اور ایسا کرنے والے پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔ سُننِ نسائی میں بسندِ صحیح محمود بن لبید سے مروی ہے:۔

اُخبر رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عن رجلٍ طلّق امرأتہٗ ثلاث تطلیقاتٍ	" فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اکٹھا تین طلاقیں

جمیعًا فقام غضبان ثم قال أیلعب بکتاب اللّٰہ و أنا بین أظہرکم حتیٰ قام رجلٌ وقال یا رسول اللّٰہ! ألا أقتلہٗ۔

دے دی ہیں تو آپ غصہ سے کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جا لگا حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اللہ کے رسول! کیا میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کرنے والے اس شخص کو قتل نہ کردوں؟"

عہدِ نبوی، خلافتِ صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تمام صحابہ کرام کا اِسی پر عمل رہا۔ لیکن عہدِ فاروقی میں جب لوگوں نے اس قرآنی حکم کی پروا کئے بغیر بعض دنیوی اغراض و مصالح کے تحت طلاق کو بدفعات دینے کے بجائے اکٹھا تین ایک ہی مجلس اور ایک طہر میں دینا شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد لوگوں کو طلاق کی بابت قرآنی ہدایت کی طرف لوٹانے کی غرض سے اور قرآنی تعلیم پر عمل کرانے کے لئے ازراہِ سیاست و تدبیرِ شرعیہ ان کو ان کے جنسِ عمل سے سزا تجویز کی کہ جس طرح اُنھوں نے اللہ کی دی ہوئی رُخصت کو ٹھکرا کر اپنے حق و اختیار کا غلط استعمال کیا تو اب ان کو اس رخصت سے فائدہ اُٹھانے کا حق بھی نہیں، تا کہ دوسرے لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو اور اس باب میں عجلت سے کام نہ لیں۔

عن ابن عباسٍ قال کان الطلاق علی عہدِ رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و أبی بکرٍ وسنتین من خلافۃ عمر، طلاق الثلاث واحدۃ، فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا فی أمرٍ کانت لہم فیہ أناۃ فلو أمضیناہ علیہم فأمضاہ علیہم۔

(مسند احمد۔ ج ۱ صفحہ ۳۱۴، مسلم ج ۱ صفحہ ۴۷۷۔ ۴۷۸، مستدرک للحاکم۔ ج ۲ صفحہ ۱۹۶)

• ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طلاق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور دو سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں تین طلاق ایک شمار کی جاتی تھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کام میں لوگوں کو سوچ بچار کی مہلت دی گئی تھی اس میں انہوں نے جلد بازی شروع کر دی (یعنی طلاق کو بدفعات دینے کے بجائے اکٹھا تین دینے لگے) تو اگر ہم ان تینوں کو ان پر لازم کر دیں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کو لازم کر دیا۔"

یہاں یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک حکم جو عہدِ نبوت، پوری خلافتِ صدیقی اور خود حضرت عمر کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں برابر نافذ رہا تو اس شرعی حکم کو اُنھیں

بدلنے کا اور اُس کی جگہ دوسرا حکم نافذ کرنے کا اختیار کہاں سے مل گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام قرآن و سنّت سے ثابت کسی حکم کی تغییر اور اس میں ردّو بدل نہیں، بلکہ یہ تو طلاق کے بارے میں قرآنی حکم کی اتّباع کی طرف لوگوں کو واپس لانے کی شرعی تدبیر و سیاست کے حکم کا لوگوں کو پابند بنانا تھا۔ اور حکّامِ وقت کو اس کا حق دیا گیا ہے کہ وہ ایسے حالات میں احکامِ شریعت کی باریکیوں سے آگاہ اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر علماء سے مشورہ کے بعد ایسا کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کردہ یہ سزا لوگوں کے لئے کچھ دنوں تک تو مؤثر رہی، مگر اس کے بعد اس میں کمزوری آگئی اور لوگوں نے پھر وہی روش اختیار کر لی۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے تو حضرت عمر کے اس حکم سے خروج سے احتراز کیا، مگر دوسرے گروہ نے اس حکم کو تعزیری اور زجری سمجھا۔ چنانچہ طلاق دینے والوں کے حالات کو سامنے رکھ کر کبھی انہوں نے ایک طُہر کی تین طلاقوں کو لازم کر دیا اور کبھی اسے ایک قرار دیا۔ اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین شمار کئے جانے پر تمام امت کا اجماع کبھی بھی نہیں ہوا، بلکہ اس کے برخلاف عہدِ نبوی، پورے عہدِ صدّیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تو اجماع اس پر رہا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہو گی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری حکم کے بعد بھی صحابہ کرام مُطلِّق کے حالات کو سامنے رکھ کر کبھی تین کے تین شمار کئے جانے اور کبھی ایک کا فتویٰ دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دونوں طرح کے فتوے منقول ہیں۔ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، زبیر بن عوّام، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ایک طُہر کی تین طلاق کو ایک ہی مانتے ہیں۔ تابعین میں جابر بن زید، حجّاج، طاؤس، عطاء، عمرو بن دینار، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ، عکرمہ، خلّاس اور محمّد بن اسحٰق وغیرہ کا یہی مذہب ہے، اور یہی مذہب ہے اہلِ بیت کا بھی اور اسی کے قائل ہیں مشائخِ قرطبہ ابن زنباع، شیخ ھدی، فقیہِ عصر محمّد بن عبدالسّلام الحسینی، محمّد بن تقی بن مخلد، اصبغ بن حباب، امام ابن تیمیہ، علّامہ ابن القیّم، علّامہ شوکانی وغیرہ اور اہلِ حدیث حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور رہے، دوسری یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے۔ جیسا کہ محمد بن مقاتل رازی نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے۔ (دیکھو اغاثۃ اللہفان صفحہ ۱۵۹ طبع مصر)

امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ بعض اصحاب امام احمدؒ اور امام داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عمدۃ الرعایۃ۔ ج ۲ صفحہ ۷۶)

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مجلسِ واحد کی تین طلاق کے تین ہونے کا ثبوت بصراحت نہ تو کتاب اللہ سے ہے اور نہ سنتِ نبوی سے اور نہ ہی کسی دَور میں اس پر اُمت کا اجماع رہا ہے، بلکہ عہدِ سلف ہی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

ہندوستان کے مسلم معاشرہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد تعلیم سے بے بہرہ اور ان کی دینی معلومات صرف عبادات کے حصّہ صوم صلاۃ کے چند معروف مسائل تک ہی محدود ہیں۔ معاملات، بیع و شراء، نکاح و طلاق کے مسائل و احکام سے بالعموم ناواقف اور بے خبر ہیں۔ چونکہ طلاق عموماً غصہ ہی کا نتیجہ ہوتی ہے اور بیوی کی ادنیٰ سی بات سے بھی ناراض ہو کر طیش و غضب کی حالت میں اکٹھا تین طلاق دے ڈالتے ہیں اور جب غیظ و غضب کی یہ آگ سرد پڑ جاتی ہے اور حالات کا ٹھنڈے دل سے سامنا کرتے ہیں تو پچھتاتے اور پریشان ہوتے ہیں اور اربابِ فتاویٰ کے یہاں دوڑتے ہیں کہ ممکن ہے بیوی کی واپسی کا کوئی شرعی حیلہ و تدبیر نکل آئے۔ مُفتی صاحب تو اپنا فقہی مسلک بتا کر الگ ہو جاتے ہیں اور مُستفتی حیران و پریشان گھر کی ویرانی، بچوں کی آہ و بکا اور ان کی کس مپرسی کو دیکھتا اور رفیقۂ حیات جس کے ساتھ زندگی کا ایک طویل عرصہ گذارا تھا اس کے اپنی ہی حماقت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل جانے پر کفِ افسوس مَلتا، سر پیٹتا ہے۔ کبھی خود کو کوستا ہے اور کبھی فقہی گروہ بندیوں پر نفرین کرتا اور اس سے اظہارِ بیزاری کرتا ہے، اور بیوی کو واپس لانے کی مختلف تدبیریں اور حیلے سوچتا ہے۔

مُستفتی اگر اپنے تقلیدی مسلک میں متشدد رہے تو اس کے پاس مطلّقہ کو اپنی زوجیت میں دوبارہ واپس لانے کی حلالہ مروّجہ کے سوا کوئی دوسری سبیل نہیں۔ چنانچہ غیرت و حمیت اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر، بیوی کی طہارت و پاکیزگی اور حُرمت و کرامت سے

طرف نظر کر کے اس فعلِ ملعون کے لئے راہ ہموار کرتا ہے، اور اس فعلِ حرام کا ارتکاب کر کے خود کو اللہ اور اُس کے رسول کی لعنت کا مستحق ٹھہراتا ہے اور مخالفینِ اسلام کے لئے اسلامی نظام کی تضحیک اور اُس پر حرف زنی کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل احادیث و آثار سے حلالۂ مروّجہ کی قباحت و شناعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:۔

عن عبد اللہ بن عباس قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلِّل والمحلَّل لہٗ۔

"عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنیوالے مرد اور جس کیلئے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے"

عن عقبۃ بن عامرٍ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا أخبرکم بالتیس المستعار؟ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ! قال ھو المحلِّل، لعن اللہ المحلِّل والمحلَّل لہٗ۔

"عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پُوچھا کہ کیا میں تمہیں کرایہ کے بوک (بکرے) کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے کہا، ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

لا أوتی بمحلِّلٍ ولا محلَّلٍ لہٗ إلّا رجمتُھما۔ وفی روایۃٍ، لا أوتی بمحلِّلٍ ولا محلَّلۃٍ إلّا رجمتُھما۔

"میرے پاس جو بھی حلالہ کرنیوالا مرد اور جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہے، لایا جائیگا اُسے سنگسار کر دوں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ حلالہ کرنیوالا مرد اور حلالہ کی جانے والی عورت دونوں کو سنگسار کر دوں گا"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حلالہ کو سِفاح (زنا) قرار دیتے تھے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ پہلا شوہر اور حلالہ کرنے والا دوسرا شوہر اور عورت ان تینوں میں سے اگر کسی کی بھی نیّت نکاحِ ثانی سے حلالہ کی ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔

ظاہر ہے کہ کوئی مباح اور حلال کام مستوجبِ لعنت اور باطل اور مستحقِ سزا نہیں ہو سکتا۔ حلالہ کی یہ ملعون شکل مسلم معاشرہ کے اندر جنسی بے راہ روی کا بھیانک پیش خیمہ ہے۔ مجھے خود بعض ایسے لوگوں کا علم ہے جنہوں نے اس "سِفاح" کو جنسی ہوس رانی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

اور اس فعلِ شنیع پر کوئی نکیر کرنے والا نہیں کہ اُمّت کے ایک طبقہ نے اس کی گنجائش نکال دی ہے حالانکہ شریعت میں جس تحلیل کا اعتبار ہے وہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کے طلاقِ مغلّظہ کے بعد عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرکے اس کی صحبت سے ہمکنار ہو جائے اور اس کے ساتھ حُسنِ معاشرت سے بسر کرنے لگے اور اس دوسرے نکاح سے سابق شوہر، عورت اور اُس کے موجود شوہرِ ثانی جس کی زوجیت میں وہ اس وقت ہے، ان تینوں میں سے کسی کی نیّت حلالہ کی نہ ہو۔ پھر قضاءِ الٰہی سے شوہر فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

اندریں حالات بیک مجلس دی گئی تین طلاقوں کے تین شمار کئے جانے سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں جو مختلف مسائل اور مشکلات اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں، ان کا حل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اوّلاً مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ کی رُوح بیدار کرنے کے ساتھ ہی انھیں طلاق دینے کے شرعی اصول اور طریقے سے آگاہ کیا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ اگر کوئی بدرجۂ مجبوری طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اسے پاکی (طُہر) کی حالت میں جس کے اندر اس سے صحبت نہ کی ہو، ایک رجعی طلاق دے تاکہ اگر باہمی نباہ کی کوئی شکل عدّت کے وقفہ میں نکل آئے تو عدّت گذرنے سے پہلے پہلے وہ رجوع کرلے اور پچھتانا نہ پڑے، اور اگر رجوع نہیں کرنا چاہتا تو عدّت گذار کر بیوی کو آزاد ہو جانے دے۔ عدّت گذرنے کے بعد پھر اس کو عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کا موقع رہے گا۔

دوسری طرف ہمارے اربابِ فتاویٰ، حالاتِ زمانہ سے صرفِ نظر کرکے فقہی مسلک کے تنگ خول میں بند رہ کر فتویٰ دینے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیں اور ایک مجلس کی تین طلاق کو تین کے بجائے ایک شمار کئے جانے کا فتویٰ دیں۔

ایک مجلس میں تین طلاق کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلم پرسنل لا کے جو مسائل ہندوستان اور عالم اسلامی کے مسلمانوں کیلئے پریشان کن اور پیچیدہ بن گئے ہیں، اُن میں "ایک مجلس میں تین طلاق کا مسئلہ" سر فہرست ہے۔ طلاق کے سلسلہ میں اسلامی احکام کی پیروی کی جائے تو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ طلاق اُس وقت دی جائے جب کہ ناگزیر ہو اور صرف ایک طلاقِ رجعی دی جائے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ عدّت کے اندر رجعت اور عدّت کے بعد نکاح کے ذریعہ میاں بیوی پھر اکٹھا ہو سکتے ہیں۔ اسلام کی اِن ہدایات کے برعکس لوگ بے سوچے سمجھے طلاق دے دیتے ہیں اور تین طلاق سے کم نہیں دیتے۔ جہالت کا عالم یہ ہے کہ ایک فی ہزار مسلمان بھی طلاقِ سنّت کا طریقہ نہیں جانتے۔ انہیں طلاق کا ایک ہی طریقہ معلوم ہے اور وہ یہ کہ ایک سانس میں تین طلاقیں دے دی جائیں۔ وکلاء تک طلاق نامے میں تین طلاقیں لکھواتے ہیں۔

ایک مجلس میں تین طلاق دے دینے کے بعد بالعموم سخت ندامت و پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ گھر کی بربادی، بچوں کی پرورش و تربیت کی دشواری، مرد کی بیوی سے محرومی اور عورت کے لئے بآسانی دوسری شادی نہ ہو سکنے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں معاش کے حصول اور اخلاق و عفّت کی نگہداشت کی دقّت، یہ سب مسائل ہجوم کر کے سامنے آتے ہیں۔ اُس وقت مختلف لوگ مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں۔

۱۔ کچھ لوگ پوری ڈھٹائی اور ناخداترسی کے ساتھ مطلّقہ بیوی کو پھر سے گھر میں ڈال لیتے ہیں اور اس بات کی مُطلق پروا نہیں کرتے کہ اس سلسلہ میں شریعت کے احکام کیا ہیں؟

۲۔ کچھ لوگ حلالہ کا ملعون طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ کچھ لوگ حنفی ہوتے ہوئے اہلِ حدیث علماء سے فتویٰ لے آتے ہیں۔

۴۔ کچھ لوگ گھر کی بربادی، بیوی سے محرومی اور اولاد کی خستہ حالی کو گوارا کر لیتے ہیں۔

پہلی صورت انتہائی غلط ہے اور فحشاء اور بدکاری کی تعریف میں آتی ہے۔ دوسری صورت

کے قبیح ہونے میں بھی کلام نہیں، جیسا کہ احادیث و آثار اور ائمہ فقہ اور محدثین کے اقوال سے واضح ہے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور اور اختلافی ہے کہ حلالہ کی نیت سے جو نکاح ہوتا ہے اُسے حقیقۃً نکاح کہا بھی جا سکتا ہے یا نہیں اور اس سے عورت سابق مرد کے لئے حلال بھی ہوتی ہے یا نہیں ـــــــ سب جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خود حنفی ائمہ کے مابین اختلاف ہے ـــــــ آخری صورت فی الواقع مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ بس تیسری صورت رہ جاتی ہے یعنی اہلِ حدیث مسلک، جس سے لاکھوں خاندانوں کو تباہی و بربادی سے بچایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ کتاب و سُنّت کی رُو سے اسے اختیار کرنے کی گنجائش نکل سکے اور ایک مجلس کی تین طلاق کو طلاقِ مغلظہ بائنہ نہ شمار کیا جائے۔

ذیل کی سطور حضرات علماءِ کرام کے غور و فکر کے لئے تحریر کی گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ حضرات علماء مسئلہ کو حل کرنے کی نیت سے اِن پر غور کریں گے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

کِتَابُ اللّٰہِ

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں عورت مرد کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور دوسرے مرد سے نکاح، خلوتِ صحیحہ اور طلاق کے بغیر اُس کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ کیا یہ بات کتاب اللہ سے ثابت ہے؟

کتاب اللہ کی متعلقہ آیات درج ذیل ہیں:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا

"طلاق دو بار ہے ـــــ تو معروف طریقہ پر روک لینا ہے یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دینا اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو اِلّا یہ کہ دونوں (مرد و عورت) کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ تو اگر (اے معاشرہ کے لوگو!) تمہیں ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں کہ عورت فدیہ دیکر خلع کر لے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اِن سے تجاوز نہ کرو

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

(سورۂ بقرہ - ۲۲۹-۲۳۰)

اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں وہ ظالم ہیں۔ تو اگر اس نے دو بار کے بعد پھر طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ تو اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کے لئے کوئی گناہ نہیں کہ وہ پھر سے نکاح کرلیں اگر انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں جنہیں وہ علم رکھنے والوں کے لئے بیان فرماتا ہے:

ان آیات کو بغور پڑھ جائیے۔ ان میں ایک بار یا ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم موجود نہیں ہے۔ تین بار میں تین طلاق دینے کا حکم ہے جن میں سے پہلی دو بار کی طلاقیں قابلِ رجعت ہوں۔ تین بار کی ان طلاقوں کے بارے میں قرآن مجید نے یہ حکم صادر کیا ہے کہ ایسی مطلقہ عورتیں طلاق دینے والے کے لئے حرام ہیں۔ الّا یہ کہ اس کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے اور پھر وہ بھی کسی وجہ سے اسے طلاق دے دے۔ اس صورت میں وہ دونوں پھر سے نکاح کرکے میاں بیوی بن سکتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ آیت میں نہ ایک مجلس کا ذکر ہے، نہ تین مجلسوں کا۔ نہ ایک طہر کا تذکرہ ہے، نہ تین طہروں کا۔ صرف تین طلاق دینے کا ذکر ہے۔ آیات عام ہیں۔ تین طلاق جب بھی اور جس طرح بھی دی جائیں گی، طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جائے گی ـــــ جواباً عرض ہے کہ قرآن پاک میں تین بار طلاق دینے کا ذکر ہے، جن میں سے دو بار کی طلاق کے بعد رجعت کی گنجائش ہو، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دے دینے کا۔ کم از کم قرآن پاک کے ظاہر الفاظ کا اقتضا تو یہی ہے۔

مفسّرین کی تصریحات

اب آئیے مفسّرین کی تصریحات کا مطالعہ کریں۔

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کا کیا مطلب ہے ـــــ کچھ مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاق رجعی کے بیان کے لئے اُتری ہے اور مطلب یہ لیتے ہیں کہ طلاقِ رجعی دو طلاقیں ہیں جن کے بعد

رُجوع کرنے اور عورت کو چھوڑ دینے، دونوں کی گنجائش ہے۔ تین طلاق کے بعد رُجوع کی گنجائش نہیں ہے۔"

کچھ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ "اس آیت میں مسلمانوں کو شرعی طلاق دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق یکے بعد دیگرے بس دُو بار ہونی چاہیئے، جن کے بعد رُجوع کرنے یا عورت کو چھوڑ دینے کا موقع رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے بعد بھی طلاق دے دے تو پھر یہ عورت اُس پر حرام ہو جائے گی۔"

اِن دو اقوال کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی ہیں، لیکن بنیادی اہمیت کے یہی اقوال ہیں۔ مفسرین میں امام ابن جریر طبریؒ دونوں قول بیان کرتے ہیں اور پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ پہلے قول کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:۔

اختلف أهل التاويل فى تاويل ذالك فقال بعضهم هو دلالة على عدد الطلاق الذى يكون للرجل فيه الرجعة والعدد الذى تبين به زوجته منه۔

"تفسیر کرنے والوں کے مابین اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں طلاق کی وہ تعداد بتائی گئی ہے جس میں مرد کو رجعت کا حق ہے اور وہ تعداد جس میں عورت مرد سے جُدا ہو جاتی ہے۔"

وہ فرماتے ہیں کہ اہلِ عرب میں طلاق دینے کے سلسلہ میں کوئی حد نہیں تھی۔ وہ طلاقیں دیتے اور رجوع کرتے رہتے۔ اس سلسلہ میں وہ کچھ آثار و اقوال نقل کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں:۔

فتاويل الأية على هذا الخبر الذى ذكرنا عدد الطلاق الذى لكم ايها الناس فيه على ازواجكم الرجعة إذا كن مدخولا بهن تطليقتان ثم الواجب على من راجع منكم بعد التطليقتين إمساك بمعروف أو تسريح بإحسان لأنه لا رجعة له بعد التطليقتين إن سرحها فطلقها الثالثة۔

"ان آثار کے مطابق جو ہم نے بیان کئے، آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ اے لوگو! طلاق کی وہ تعداد جس میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے سلسلہ میں جبکہ اُن سے مباشرت ہو چکی ہو، رجعت کا حق ہو، دو طلاقیں ہیں۔ پھر تم میں سے جو کوئی دو طلاقوں کے بعد رجوع کرے اُس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقہ پر عورت کو روک لے یا خوبصورتی سے چھوڑ دے۔ کیونکہ دو طلاقوں کے بعد اس کیلئے رجعت کا حق نہیں اگر اسے چھوڑ دیا اور تیسری طلاق دے دی۔

دوسرے قول کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:۔

وقال آخرون إنما أنزلت هذه الآية على نبي الله صلى الله عليه وسلم تعريفاً من الله تعالى ذكره عباده سنة طلاقهم نساءهم إذا أرادوا طلاقهن۔ لا دلالة على القدر الذي تبين به المرأة من زوجها ۔

"اور کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت اللہ کے نبی پر اس لئے اُتری ہے تاکہ اللہ اپنے بندوں کو طلاق کا طریقہ بتائے جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہیں۔ نہ اس لئے کہ وہ اُن پر طلاق کی وہ تعداد واضح کرے جس سے عورت اپنے شوہر سے جدا ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد وہ اس سلسلہ کے آثار و اقوال نقل کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں:۔

وتأويل الآية على قول هؤلاء سنة الطلاق التي سننتها وأبحتها لكم إن أردتم طلاق نساءكم أن تطلقوهن ثنتين في كل طهر واحدة ثم الواجب بعد ذلك عليكم إما أن تمسكوهن بمعروف أو تسرحوهن بإحسان ۔

"اور ان لوگوں کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر یہ ہوگی۔ طلاق کا طریقہ جو میں نے تمہارے لئے مقرر کیا اور جائز ٹھہرایا اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو، یہ ہے کہ تم انھیں دو طلاقیں دو۔ ہر طہر میں ایک طلاق۔ پھر اس کے بعد تم پر واجب ہے کہ انہیں معروف طریقے پر روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دو۔"

اس کے بعد وہ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

والذي أولى بظاهر التنزيل ما قاله عروة وقتادة ومن قال مثل قولهما أن الآية إنما هي دليل على عدد الطلاق الذي يكون به التحريم وبطول الرجعة فيه والذي يكون فيه الرجعة منه ۔

"اور قرآن کے ظاہر الفاظ سے قریب بات وہ ہے جسے عروہ، قتادہ اور ان جیسی بات کہنے والوں نے کہا ہے یعنی یہ آیت طلاق کی تعداد پر دلیل ہے، اس تعداد پر جس سے عورت حرام ہو جاتی ہے اور رجعت ختم ہو جاتی ہے اور اس تعداد پر جس میں رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔"

جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے، بات بالکل واضح ہے۔ آیت میں دو طلاقوں کے یکے بعد دیگرے الگ الگ دینے اور ان کے بعد رجعت کی گنجائش کا ذکر ہے۔ پھر تیسری بار طلاق دینے کے نتیجہ میں بیوی کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ اس مفہوم کی رُو سے (اور یہی آیت کا ظاہر مفہوم ہے) ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا حکم آیت میں نہیں ہے، بلکہ ایک بار میں

تین طلاق دینا ہی غیر مشروع اور آیت میں غیر متصور ہے۔

پہلے قول کی رُو سے بھی آیت ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تعرض نہیں کرتی، بلکہ جیساکہ امام ابن جریر طبریؒ نے صراحت کی ہے، آیت میں اس شکل کا ذکر ہے کہ کسی شخص نے دو طلاق رجعی دی ہو، پھر رجوع کرنے کے بعد یا رجوع کئے بغیر تیسری طلاق بھی دے دی ہو۔

علامہ زمخشریؒ "کشاف" میں دونوں اقوال کا ذکر کر کے دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

الطلاق بمعنى التطليق كالسلام بمعنى التسليم أى التطليق الشرعى تطليقة بعد التطليقة على التفريق دون الجمع والإرسال دفعة واحدة ولم يرد بالمرتين التثنية ولكن التكرير كقوله ثم ارجع البصر كرتين أى كرة بعد كرة، لا كرتين ثنتين ونحو ذالك من التثانى التى يراد بها التكرير. قولهم لبيك وسعديك وحنانيك وهذا ذيك وخواليك۔	"طلاق، تطلیق (طلاق دینے) کے معنی میں ہے۔ جیسے سلام، تسلیم (سلام کرنے) کے معنی میں ہے۔ یعنی مشروع طلاق دینا یہ ہے کہ طلاق کے بعد طلاق دی جائے۔ الگ الگ نہ کہ ایک ساتھ اور ایک دم اور ایک ہی بار میں۔ اور مرتین سے مراد تثنیہ نہیں ہے بلکہ تکرار ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (آنکھ کو بار بار لوٹا کر) یعنی ایک بار کے بعد ایک بار اور۔ نہ کہ دو بار اور اس قسم کے تثنیہ کی جن سے مراد تکرار ہوتی ہے، مثال اہلِ عرب کے اقوال میں ہے:- لَبَّيْكَ، سَعْدَيْكَ، حَنَانَيْكَ، هٰذَاذَيْكَ اور خَوَالَيْكَ"

پھر وہ پہلے قول کا ذکر کرتے ہیں، مگر ذرا مختلف انداز میں۔ فرماتے ہیں:-

وقيل معناه الطلاق الرجعى مرتان لأنه لا رجعة بعد الثلاث	"اور ایک قول یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق رجعی دو بار ہے، کیونکہ تیسری کے بعد رجعت نہیں ہے"

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ علامہ زمخشریؒ نے ثنتان (دو) کے بجائے مرتان (دو بار) کہا ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ کی تفسیر میں وہ اور زیادہ واضح انداز میں لکھتے ہیں:-

فإن طلقها الطلاق المذكور الموصوف	"تو اگر اس نے وہ طلاق دی جس کا وصف تکرار ہے اور

بالتكرار في قوله الطلاق مرّتان واستوفى نصابَهُ أو فإن طلّقها مرّةً ثالثةً بعد مرّتين ـ

جس کا ذکر اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں ہے اور اس کا نصاب (تین) پورا کر دیا یا اُس نے دو بار کے بعد تیسری بار طلاق دے دی۔

امام فخرالدین رازیؒ تفسیر کبیر میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ کے تحت دوسرے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

اختلف المفسرون أنّ هذا حكمٌ مبتدأٌ أو هو متعلّقٌ بما قبله. قال قومٌ إنّه حكمٌ مبتدأٌ ومعناه أنّ التطليق الشرعي يجب أن يكون تطليقةً بعد تطليقةٍ على التفريق دون الجمع والإرسال دفعةً واحدةً وهذا التفسير هو قول من قال أنّ الجمع بين الثلاث حرامٌ، وزعم أبو زيد الدبوسي في الأسرار أنّ هذا هو قول عمر وعثمان وعلي وعبد الله بن مسعودٍ وعبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر وعمران بن الحصين وأبي موسى الأشعري وأبي الدرداء وحذيفة (رضي الله عنهم)۔

" مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ نیا حکم ہے جس کے ذکر کی ابتدا یہیں سے ہے یا یہ ماقبل سے متعلق ہے۔ ایک گروہ نے کہا یہ ایک حکم ہے جس کا آغاز یہیں سے ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ "شرعی طلاق" ضروری ہے کہ طلاق دینے کے بعد طلاق دینا ہو، الگ الگ، نہ کہ ایک ساتھ، ایک دم ایک ہی بار میں۔ اور یہ تفسیر اُن لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ ایک دم تین طلاق دینا حرام ہے" اور ابوزید دبوسی نے "اسرار" میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ قول ہے حضرت عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عمران بن حصین، ابوموسیٰ اشعری، ابودرداء اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کا"

معلوم ہوا کہ یہ قول فقہاءِ صحابہ کی اکثریت کا ہے۔

اس کے بعد پہلے قول کا ذکر امام رازیؒ اِن الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

والقول الثاني في تفسير الآية أنّ هذا ليس ابتداء كلامٍ بل هو متعلّقٌ بما قبله والمعنى أنّ الطلاق الرجعي مرّتان ولا رجعة بعد الثلاث، وهذا قول من جوّز الجمع بين الثلاث وهو مذهب الشافعي رضي الله عنه۔

" اور آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نیا کلام نہیں ہے بلکہ یہ ماقبل سے متعلق ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاقِ رجعی دو بار ہے اور تین کے بعد رجعت نہیں ہے اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو بیک وقت تین طلاق کے جواز کے قائل ہیں اور یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے"

بہ یک وقت تین طلاق کے مشروع ہونے کے قائل امام شافعیؒ اور علامہ ابن حزمؒ ہیں۔ جمہور ائمۂ فقہ وحدیث وتفسیر اس طلاق کو غیر مشروع اور بدعت تصور کرتے ہیں حضرت عمرؓ اس پر تازیانے سے سزا دیتے تھے۔

امام رازیؒ آیت کی تفسیر میں ایک اور قول نقل کرتے ہیں:۔

القول الثالث فی تفسیر الآیة أن نقول إنها لیست کلاماً مبتدأً بل هی متعلقة بما قبلها وذالك لأنه تعالیٰ بیّن فی الآیة الأولیٰ أن حق المراجعة ثابت للزوج ولم یذکر أن ذالك الحق ثابت دائماً أو إلیٰ غایة معینة فکان ذالك کالمجمل المفتقر إلی المخصص فبیّن فی هذه الآیة أن ذالك الطلاق الذی تثبت فیه للزوج حق الرجعة هو أن یوجد طلقتان فقط وأما بعد الطلقتین فلا یثبت البتة حق الرجعة بالألف واللام فی قوله "الطَّلَاقُ" للمعهود السابق یعنی ذالك الطلاق الذی حکمنا فیه بثبوت الرجعة هو أن یوجد مرتین فهذا التفسیر حسن مطابق لنظم الآیة۔

"تیسرا قول آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کا آغاز یہیں سے ہو بلکہ یہ بات ماقبل سے متعلق ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ بیان کیا کہ رجوع کرنے کا حق شوہر کے لئے ثابت ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ حق دائماً ثابت ہے یا کسی مقررہ وقت تک۔ تو یہ آیت مجمل ہوئی جس کے لئے کسی مخصص کی ضرورت ہے۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ وہ طلاق جس میں شوہر کیلئے رجعت کا حق ثابت ہے وہ یہ ہے کہ فقط دو طلاقیں دی جائیں۔ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق ہرگز نہ رہے گا۔ یہ بات "الف اور لام" سے واضح ہوتی ہے جو اَلطَّلَاقُ میں ہے اور جو معہود سابق کے لئے ہے۔ یعنی وہ طلاق جس کے بارے میں ہم نے رجعت کے ثابت ہونے کا حکم دیا وہ یہ ہے کہ طلاق دو بار دی جائے۔ تو یہ بہتر تفسیر ہے جو آیت کے نظم کے مطابق ہے۔"

امام رازیؒ کے اس قول اور پہلے قول میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ "احکام القرآن" میں ان آیات پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے تین مفہوم بیان کرتے ہیں:۔

قال أبو بکر قد ذکرت فی معناه وجوهٌ أحدها أنه بیان للطلاق الذی تثبت

"ابوبکر نے کہا: اس آیت کے معنی کے سلسلہ میں کئی اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس طلاق کا

معہا الرجعۃ یُروی ذالک عن عُروۃ بن الزبیر وقتادۃ۔ والثانی أنہ بیانُ لطلاق السُّنۃ المندوب إلیہ ویُروی ذالک عن ابن عباس ومجاھدٍ والثالث أنہ أمرٌ بأنہ إذا أراد أن یطلقھا ثلاثاً فعلیہ تفریق الطلاق فیتضمن الأمر بالطلاق مرتین ثم ذکر بعدھما الثالثۃ۔

بیان ہے جس کے ساتھ رجعت کا حق ہوتا ہے۔ یہ قول عروہ بن زبیر اور قتادہؒ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاقِ سُنت کا بیان ہے، جو طلاق کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس قول کی روایت ابن عباس اور مجاہد سے کی گئی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم ہے کہ جب کوئی تین طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس کو ذمہ ہے کہ وہ طلاق الگ الگ کر کے دے۔ اس میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ صرف دوبار طلاق دی جائے، اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا گیا ہے۔

آخری دو اقوال کی رُو سے ان آیات میں طلاق کے ایک ایک کر کے دینے کا ذکر یا حکم ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دینے کا۔ پہلے قول کی رُو سے بھی یہ آیت ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے حکم میں صریح نہیں ہے، کیونکہ اس قول کی رُو سے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاقِ رجعی دو طلاقیں ہوتی ہیں جن کے بعد چھوڑنے اور رُجوع کرنے، دونوں کا حق باقی رہتا ہے۔ دو طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق دے دی جائے تو یہ حق باقی نہیں رہتا۔ تین طلاق ایک ساتھ دینے کا تذکرہ آیت میں کسی مفہوم کی رُو سے نہیں ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ قولِ ثانی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قال أبوبکر: فأما قول من قال إنہ بیانٌ لما یبقی معہ الرجعۃ من الطلاق فإنہ وإن ذکر معہ الرجعۃ عقیبہ فإن ظاھرہ یدل علی أنہ قصد بہ بیان المباح وأما ما عداہ فمحظور وبین مع ذالک حکمہ إذا أوقعہ علی الوجہ المأمور بہ بذکر الرجعۃ عقیبہ۔ والدلیل علی أن المقصد فیہ الأمر بتفریق الطلاق وبیان حکم ما یتعلق بإیقاع ما دون الثلاث من الرجعۃ أنہ قال الطلاق مرتان۔

ابوبکر نے کہا: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اُس طلاق کا ذکر ہے جس میں رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہ اس آیت سے قبل متصل ہی رجعت کا ذکر ہے، ظاہرِ آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود مباح طلاق کا بیان ہے جس کے ماسوا طلاق ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ اگر اس نے حکم کے مطابق طلاق واقع کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اسے بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہ بات کہ اس آیت میں طلاق کو الگ الگ دینے کا حکم اور تین سے کم طلاقوں کے واقع کرنے سے متعلق حکم یعنی رجعت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

وذلك يقتضي التفريق لا محالة، فإنه إن طلق اثنتين معًا لما جاز أن يقال طلقها مرتين. وكذلك لو دفع رجل إلى آخر درهمين لم يجز أن يقال أعطاه مرتين حتى يفرق الدفع فحينئذ يطلق عليه وإذا كان هذا هكذا، فلو كان الحكم المقصود باللفظ هو ما تعلق بالتطليقتين من بقاء الرجعة لأدى ذلك إلى إسقاط فائدة ذكر "مَرَّتَيْنِ" إذا كان الحكم ثابتًا في المرة الواحدة إذا طلق اثنتين. فثبت بذلك أن ذكره للمرتين إنما هو أمر بإيقاعه مرتين ونهي عن الجمع بينهما في مرة واحدة ومن جهة أخرى لو كان اللفظ محتملًا للأمرين لكان الواجب حمله على إثبات الحكم في إيجاب الفائدتين وهو الأمر بتفريق الطلاق متى أراد أن يطلق اثنتين وبيان حكم الرجعة إذا طلق كذلك فيكون اللفظ مستوعبًا للمعنيين. وقوله تعالى "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" وإن كان ظاهره الخبر فإن معناه الأمر. كقوله تعالى "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ" وما جرى هذا المجرى مما هو في صيغة الخبر ومعناه الأمر۔

فرمایا: طلاق دو بار ہے۔ اور اس کا تقاضا لامحالہ الگ الگ طلاق دینا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے دو طلاقیں دیں تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اُس نے دو بار طلاق دی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کو دو درہم دیئے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس نے اسے دو بار دیئے جب تک وہ الگ الگ نہ دے تب تک اُس پر دو بار دینے کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس صورت میں آیت کے الفاظ کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ دو طلاقوں کے بعد رجعت کا حق باقی رہتا ہے تو "مَرَّتَيْنِ" کا ذکر بے فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ایک ہی بار میں دو طلاق دے تب بھی یہ حکم ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا "مَرَّتَيْنِ" (دو بار) کے لفظ کا ذکر دو بار طلاق دینے کا حکم اور دو طلاقوں کو ایک ہی بار میں دے دینے سے منع کرنے کے لئے ہے۔ ایک اور پہلو سے اگر لفظ دو اُمور کو محتمل ہو تو ضروری ہے کہ اسے دونوں امور پر محمول کیا جائے تاکہ دو فائدے ثابت ہوں۔ اور یہاں وہ دو اُمور یہ ہیں (۱) طلاق کو الگ الگ دینے کا حکم، جب دو طلاق دینے کا ارادہ کرے۔ اور (۲) رجعت کے حکم کا بیان جب اس طرح طلاق دے۔ تو لفظ دو معنی پر حاوی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" (طلاق دو بار ہے) ظاہر الفاظ کی رُو سے اگرچہ خبر ہے مگر معناً حکم ہے۔ جیسے "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" (مطلقہ عورتیں تین ماہواری تک انتظار کریں گی) اور "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ" (مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں گی) اور اس طرح کی دوسری آیتیں جن کا صیغہ خبر کا ہے مگر معنیٰ امر (حکم) کا ہے۔

گویا امام ابوبکر جصاصؒ مُصر ہیں کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں دو طلاق کا نہیں دو بار طلاق کا ذکر ہے۔ یہ بحث آگے بڑھتی ہے جس کے بعد وہ امام شافعیؒ کا قول نقل کرکے اُس کے جواب میں مزید دلائل لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

وقال الشافعیؒ فی ما رواہ عنہ المزنی لا یحرم علیہ أن یطلقھا ثلاثاً ولو قال أنتِ طالق ثلاثاً للسنۃ وھی طاھرۃ من غیر جماع طلقت ثلاثاً معاً۔ قال أبوبکر فنبدأ بالکلام علی الشافعی فی ذالک فنقول إن دلالۃ الآیۃ التی تلوتھا ظاھرۃ فی بطلان ھذہ المقالۃ لأنھا تضمنت الأمر بإیقاع ثنتین فی مرتین، فمن أوقع الإثنتین فی مرۃ فھو مخالف لحکمھا ومما یدل علی ذالک قولہ تعالیٰ لَا تُحَرِّمُوا الطَّیِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ ‘‘ وظاھرہ یقتضی تحریم الثلاث لما فیھا من تحریم ما أحل لنا من الطیبات، والدلیل علی أن الزوجات قد تناولھن ھذا العموم قولہ تعالیٰ ’’ فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ ‘‘ فوجب بحق العموم حظر الطلاق الموجب لتحریمھا۔ ولولا قیام الأدلۃ فی إیقاع الثلاث فی وقت السنۃ وإیقاع الواحدۃ لغیر المدخول بھا لاقتضت الآیۃ حظرہ۔ ومن جھۃ أخریٰ من دلائل الکتاب أن اللّٰہ تعالیٰ

’’ اور امام شافعیؒ نے، جیسا کہ اُن سے مُزنیؒ نے روایت کیا ہے، فرمایا ہے کہ تین طلاق (بیک وقت) دینا حرام نہیں ہے اگر مرد نے کہا، تم پر تین طلاقِ سنّت ‘‘ اور وہ پاک ہے اور اس پاکی میں اُس سے مباشرت نہیں کی گئی ہے تو اس پر بیک وقت تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ ابوبکرؒ نے کہا: اب ہم اس مسئلہ میں امام شافعیؒ پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس آیت کی تلاوت میں نے کی ہے اُس ماسبق کا غلط ہونا صراحتًہ ثابت ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ حکم موجود ہے کہ دو طلاقیں دو بار میں دی جائیں۔ تو جس شخص نے ایک بار میں دو طلاقیں دیں، اُس نے آیت کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور تین طلاق کے حرام ہونے کی ایک اور دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرو‘‘۔ آیت کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے کہ تین طلاق حرام ہو کیونکہ اس سے ان پاکیزہ عورتوں کی حرمت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ یہ بات کہ آیت کے لفظ ’’طیبات‘‘ کے عموم میں عورتیں بھی داخل ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ’’عورتوں میں جو تمہیں طیب لگیں اُن سے نکاح کرلو‘‘۔ ان الفاظ کے عموم سے وہ طلاق ممنوع ثابت ہوتی ہے جو عورتوں کو حرام کردے اور اگر سنّت کے وقت میں تین طلاقوں کے واقع کرنے اور غیر مدخول بہا کیلئے ایک طلاق کے واقع کرنے کے سلسلہ میں دلائل نہ ہوتے تو آیت اس کی حرمت کی مقتضی تھی۔ کتاب اللہ کے دلائل کا ایک اور پہلو۔

لم يُبح الطّلاق لمن تجب عليها العدّة إلّا مقرونًا بذكر الرّجعة منها قوله تعالى "اُلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ"، وقوله تعالى "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ" وقوله تعالى "وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ" فلم يُبح الطّلاق المبتدء لذوات العدّة إلّا مقرونًا بذكر الرّجعة وحكم الطّلاق ماخوذ من هٰذه الآيات۔ لولاها لم يكن الطّلاق من أحكام الشّرع. فلم يجز لنا إثباته مسنونًا إلّا على هٰذه الطّريقة وبهٰذا الوصف۔ وقال النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم من أدخل في أمرنا ما ليس منه فهو ردٌّ۔ وأقلّ أحوال هٰذا اللّفظ حظر خلاف ما تضمّنته الآيات الّتي تلونا من إيقاع الطّلاق المبتدء مقرونًا بما يوجب الرّجعة ۔

اللہ تعالیٰ نے عدت والی عورت کے لئے طلاق مباح نہیں کی مگر اس کے ساتھ رجعت کا ذکر ضرور کر دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ" اور "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ" الآیۃ اور "وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوْهُنَّ" الآیۃ۔ تو ابتداءً عدت والی عورتوں کے لئے طلاق کو جائز نہیں قرار دیا مگر رجعت کا ذکر اس کے ساتھ کیا۔ اور طلاق کا حکم ان ہی آیات سے ماخوذ ہے۔ اگر یہ آیات نہ ہوتیں تو طلاق احکام شرع میں سے نہ ہوتی۔ پس ہمارے لئے طلاق کا اثبات سُنّت کے طور پر اُس وقت جائز ہے جب وہ اِس شرط اور اِس وصف کے ساتھ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص ہمارے معاملہ (دین) میں وہ چیز داخل کرے جو اُس میں نہیں ہے تو وہ قابلِ رد ہے"۔ اور ان الفاظ کے مفہوم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ طلاق ممنوع ہو جو اُن آیات کے خلاف ہو جن میں طلاق کے اس طرح واقع کرنے کا ذکر ہے کہ اس کے بعد رجعت ہو سکے۔

اِس کے بعد امام ابوبکر جصّاصؒ احادیث و آثارِ صحابہ نقل کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:-

فقد ثبت من هٰؤلاء الصّحابة حظر جمع الثّلاث، ولا يُروى عن احدٍ من الصّحابة خلافه فصار إجماعًا ۔

"تو ان صحابہؓ سے تین طلاق بیک وقت دینے کی حُرمت ثابت ہوئی۔ اور چونکہ کسی صحابی سے اس کے خلاف مروی نہیں تو (اس پر صحابہ کا) اجماع ہو گیا"۔

اِس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا حرام ہے اور مذکورہ بالا آیات میں ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ تین بار میں تین طلاق

دینے کا ذکر ہے۔

اس ساری بحث کے باوجود امام ابوبکر جصّاصؒ ان آیات سے یہ مفہوم بھی اخذ کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ فرماتے ہیں:۔

قال أبو بكرٍ قوله تعالىٰ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" الآية يدلّ على وقوع الثلاث معًا مع كونه منهيًّا عنها. وذالك لأنّ قوله تعالىٰ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ قد أبان عن حكمه إذا أوقع اثنتين بأن يقول أنتِ طالقٌ أنتِ طالقٌ في طهرٍ واحدٍ وقد بيّنّا أنّ ذلك خلاف السنّة فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الإثنتين على هذا الوجه دلّ ذالك على وقوعها لو أوقعهما معًا لأنّ أحدًا لم يفرّق بينهما وفيها الدلالة عليه من وجهٍ آخر وهو قوله تعالىٰ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الإثنتين، ولم يفرّق بين إيقاعهما في طهرٍ واحدٍ أو في أطهارٍ فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أيّ وجهٍ أوقعه من مسنونٍ أو غير مسنونٍ ومباحٍ ومحظورٍ۔۔

"ابوبکر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" الآیۃ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت واقع ہو جائیں گی باوجودیکہ وہ ممنوع ہیں۔ کیونکہ ارشادِ الٰہی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں طلاق کا حکم بیان ہوا ہے جبکہ وہ ایک طہر میں أنتِ طالقٌ أنتِ طالقٌ کہہ کر دو طلاقیں دے۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ ایسا کرنا خلافِ سنّت ہے۔ تو جب آیت کے اندر اس طرح کا مفہوم موجود ہے کہ اس طور پر دو طلاقیں واقع کرنا جائز ہے تو اگر دونوں کو ایک ساتھ واقع کر دے تو آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ دونوں واقع ہو جائیں گی، کیونکہ کسی نے دونوں شکلوں میں فرق نہیں کیا ہے۔ اور اس بات کے لئے آیت میں ایک اور پہلو سے دلالت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ہے۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے دو کے بعد تیسری طلاق پر عورت کے حرام ہونے کا حکم کیا اور اس بات میں تفریق نہیں کی کہ وہ دونوں طلاقیں ایک طہر میں واقع کی گئی تھیں یا کئی طہروں میں۔ تو اس آیت سے یہ لازم آیا کہ سب طلاقوں کے واقع کرنے کا حکم کیا جائے خواہ وہ کسی طرح دی جائیں، مسنون طریقہ پر یا غیر مسنون طریقہ پر، مباح طریقہ پر یا ممنوع طریقہ پر۔"

لیکن امام جصّاصؒ کی اس بحث سے خود واضح ہے کہ یہ آیت کا صریح حکم نہیں ہے، بلکہ اس سے مُستنبط ہے۔ آیت میں جو حکم ہے وہ تین بار طلاق دینے کے سلسلہ میں ہے، نہ کہ ایکبا

میں تین طلاق دینے کے سلسلہ میں۔ اِس ذیل میں امام ابوبکر جصّاصؒ نے ایک طُہر یا کئی طُہروں کی جو بحث چھیڑ دی ہے، اُس کا تعلق فی الواقع حدیث سے ہے، نہ کہ قرآن سے۔

اپنے اِس قول پر ایک اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:۔

فإن قيل قد مت بديّاً في معنى الآية أنّ المراد بها بيان المندوب إليه والمامور به من الطّلاق وإيقاعُ الطّلاق الثالث معاً خلاف المسنون عندك فكيف تحتج بها في إيقاعها على غير الوجه المباح والآية لم تتضمنها على هذا الوجه قيل له قد دلّت الآية في هذه المعاني كلّها من إيقاع الإثنتين والثلاث لغير السنّة وإنّ المندوب إليه والمسنون تفريقها في الأطهار وليس يمتنع أن يكون مراد الآية جميع ذالك۔ ألا ترى أنّه لو قال طلّقوا ثلاثاً في الأطهار وإن طلّقتم جميعاً معاً وقعن كان جائزاً۔ وإذا لم يتنافى المعنيان واحتملتها الآية وجب حملها عليها۔

• اگر کہا جائے کہ تم نے آیت کے معنی کے سلسلہ میں پہلے ہی واضح کیا تھا کہ آیت کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ طلاق کا مطلوب اور مامور طریقہ کیا ہے، اور تین طلاقوں کا ایک وقت واقع کرنا تمہارے نزدیک خلافِ سُنّت ہے تو تم اِس آیت سے طلاق کے غیر مباح طریقہ پر واقع کرنے کے سلسلہ میں کیوں استدلال کر رہے ہو، حالانکہ آیت کے مفہوم میں یہ طریقہ داخل نہیں ہے۔ جواب میں کہا جائے گا کہ آیت دو اور تین طلاقوں کے غیر مسنون طریقہ پر واقع کرنے کی شکلوں پر بھی دلالت کرتی ہے اور یہ بھی بتاتی ہے کہ مطلوب اور مسنون طریقہ طُہروں میں متفرق طور پر طلاق دینا ہے، اور یہ بات مُمتنع نہیں ہے کہ آیت کا مفہوم یہ سب کچھ ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ "طلاق تین بار (مختلف) طُہروں میں دو، لیکن اگر تم نے تینوں طلاقیں ایک بار دے دیں تو وہ واقع ہو جائیں گی"، تو یہ فرمانا صحیح ہوتا۔ تو جب دونوں مفہوم ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں اور آیت دونوں کو محتمل ہے تو آیت کا دونوں پر محمول کرنا ضروری ہے۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ابوبکر جصّاصؒ فی الواقع اعتراض کا جواب نہیں دے سکے ہیں اور انہوں نے عدمِ امتناع اور احتمال کا سہارا لیا ہے جن سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور وہ بھی عورت کی حُرمتِ مغلّظ جیسا حکم۔ ایسے حکم کے لئے صریح نص چاہیئے، نہ کہ احتمالات اور عدمِ امتناعات۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ہو یا

متعدد مجالس میں، ایک بار میں ہوں یا کئی بار میں، متفرق ہوں یا ایک ساتھ، ہر حال میں عورت حرام ہو جائے گی تو آیت کے الفاظ یہ نہ ہوتے:۔

الطلاق "مرتان" فامساك بمعروف او تسریح باحسان ...... "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔

بلکہ یوں ہوتے:۔

الطلاق "اثنتان" فامساك بمعروف او تسریح باحسان ...." وان طلقها ثلاثا فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔

ان الفاظ کے نہ ہونے اور "مرتان" اور "فان طلقها" کے الفاظ ہونے کی صورت میں آیت کے صریح معنی ہیں کہ فان طلقها فی المرۃ الثالثۃ بعد المرتین جیسا کہ امام ابوبکر جصاصؒ، علامہ زمخشریؒ اور دوسرے مفسرین نے اس مفہوم کا ذکر کیا ہے۔

ایک اور اعتراض کا ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہوئے امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:۔

فان قیل معنی ھذہ الآیۃ محمول علی ما بینہ بقولہ "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" وقد بین الشارع الطلاق للعدۃ وھو أن یطلقها فی ثلاثۃ أطھار إن أراد إیقاع الثلاث، ومتی خالف ذالك لم یقع طلاقہ۔ قیل لہ نستعمل الآیتین علی ما تقتضیانہ من أحکامھما، فنقول إن المندوب إلیہ المامور بہ ھو الطلاق للعدۃ علی ما بینہ فی ھذہ الآیۃ وإن طلق لغیر العدۃ وجمع الثلاث وقعن لما اقتضتہ الآیۃ الأخری وھی قولہ تعالی "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ"

"اگر کہا جائے کہ اس آیت کا مفہوم محمول ہے اس بات پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (انہیں طلاق ان کی عدت کے وقت دو) میں بیان فرمایا ہے اور شارع نے طلاق للعدۃ کی توضیح یہ کی ہے کہ طلاق تین طہروں میں دی جائے اگر تین طلاق دینے کا ارادہ ہو۔ جب طلاق دینے والے نے اس کے خلاف کیا (اور بیک وقت تین طلاقیں دے دیں) تو طلاق واقع نہیں ہوئی جواب میں کہا جائے گا کہ ہم دونوں آیتوں پر ان احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں جن کی وہ مقتضی ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ مطلوب اور مامور بہ طلاق عدت ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں واضح کیا گیا ہے لیکن اگر اس نے طلاق بغیر العدت دی اور تین طلاقیں بیک وقت دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ دوسری آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ کا اقتضاء یہی ہے، کیونکہ آیت

إذ ليس في قوله "فَطَلِّقُوهُنَّ" نفي لما اقتضته هٰذه الآية الأخرى على أنّ في فحوى الآية التي فيها ذكر الطلاق للعدّة دلالة على وقوعها إذا طلّق لغير العدّة وهو قوله تعالىٰ "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" إلى قوله "وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ" فلولا أنّه إذا طلّق لغير العدّة وقع ما كان ظالماً لنفسه بإيقاعه، ولا كان ظالماً لنفسه بطلاقه۔

"فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" میں اس بات کی نفی نہیں ہے جس کا اقتضاء دوسری آیت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے مفہوم میں بھی جس میں طلاقِ عدّت کا ذکر ہے، یہ بات موجود ہے کہ طلاق لغیر العدّت دینے کی شکل میں تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی۔ چنانچہ آیت "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" کے آخر میں ہے "وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ" تو اگر طلاق لغیر العدّۃ واقع نہ ہوتی تو اسے واقع کرنے سے اور طلاق دینے سے وہ خود پر ظلم کرنے والا نہ ہوتا۔"

اِس بحث میں امام موصوف نے ایک بار میں تین طلاق دینے کے سلسلہ میں "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" الآیۃ کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا اِن آیات کی رُو سے ایک مجلس کی تین طلاق کا طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونا کوئی ثابت شدہ امر ہو۔ حالانکہ یہی چیز محلِ گفتگو ہے۔ پھر انہوں نے "فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ" سے طلاق کے وقوع پر جو استدلال کیا ہے وہ اور بھی عجیب ہے۔ ظلمِ نفس سے مُراد صریح طور پر گناہ اور اُس کے نتائج ہیں۔ اِس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ طلاق لغیر العدّۃ واقع ہو جائیں اور وہ بھی اس طرح کہ طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جائے۔

متعلقہ آیات یہ ہیں:-

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۔

"اے نبی! (اہلِ ایمان سے کہو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو تو انہیں اُن کی عدّت کے وقت طلاق دو اور عدّت کا شمار کرو اور اپنے ربّ اللہ سے ڈرو۔ انہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں اِلّا یہ کہ وہ کھُلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا تم نہیں جانتے، ہو سکتا ہے اللہ اس کے بعد کوئی امر پیدا فرما دے۔"

اِن آیات میں فقط ظلم نفسہٗ کا تعلق متعدد اُمور سے ہے، نہ کہ صرف طلاقِ لغیر العدۃ سے اور صحیح مفہوم یہی ہے کہ حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے والا گنہ گار اور عذابِ الٰہی کا مستحق ہوگا۔ ظلمِ نفس کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم اللہ کی نافرمانی کرکے اپنے نفس کی حق تلفی کرنے اور اُسے ہلاکت میں ڈالنے کے مفہوم میں آیا ہے، اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ اس سے کسی قانونی حکم کا استخراج صحیح نہیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ مزید فرماتے ہیں:۔

وفی هذه الآیة دلالۃٌ علی وقوعها إذا طلق لغیر العدۃ ویدل علیه قوله تعالی فی نسق الخطاب " وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا " یعنی واللہ أعلم أنه إذا أوقع الطلاق علی ما أمرہ اللہ کان له مخرجا مما أوقع إن لحقه ندم وهو الرجعة ۔	"اور اس آیت میں تین طلاقوں کے وقوع پر دلالت ہے۔ جبکہ طلاق دینے والا طلاق لغیر العدۃ دے، اور اس پر سلسلۂ کلام میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰهَ الآیۃ۔ (اور جو اللہ کی نافرمانی سے بچے گا، اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا۔) یعنی اگر اس نے خدا کے حکم کے مطابق طلاق واقع کی تو ندامت کی صورت میں اس کے لئے نکلنے کی شکل یعنی رجعت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

لیکن یہ اس آیت کا مدلول نہیں ہے۔ یہ مَخْرَج کی ایک ممکنہ صورت ہو سکتی ہے۔ یوں بھی یہ پوری آیت کسی متعینہ شکل کے بجائے عمومی مفہوم ہی پر دلالت کرتی ہے۔ پوری آیت بلکہ آیات یوں ہیں:۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ	"تو جب وہ اپنی مدّتِ عدت کو پہنچنے لگیں تو انہیں معروف طریقہ پر روک لو یا معروف طریقہ پر اُن سے جدا ہو جاؤ۔ اور اپنے میں سے دو ثقہ لوگوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لئے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔ اس بات کی نصیحت تم میں سے ہر اس شخص کو کی جاتی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکالے گا اور اسے اس جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہوگا اور جو کوئی

فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○

(طلاق ۔ آیت ۲-۳)

بھروسہ کرتا ہے اللہ اُس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یقیناً اللہ اپنے فیصلہ کو نافذ کر کے رہتا ہے ۔ بلاشبہ اللہ نے ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر کر رکھا ہے "۔

اِن آیات میں اِمساک بالمعروف، تفریق بالمعروف، طلاق یا رُجوع پر گواہ بنانے اور سچی گواہی دینے، کئی اُمور کا ذکر ہے ۔ مسئلہ زیرِ بحث سے براہِ راست اِن آیات کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں ! گذشتہ آیت میں طلاق للعدّۃ کا ذکر ضرور ہے ۔ بہر حال اِن آیات سے وہ حکم نکالنا صحیح نہیں ہے جو امام موصوف نے نکالا ہے ـــــ پھر ایک بات اور بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص تین طُہروں میں تین طلاقیں دے تو وہ تقویٰ کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اِس کے باوجود نادِم ہونے کی صورت میں اُس کے لئے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا جبکہ امام ابوبکر جصّاصؒ کی تشریح کی رُو سے اُس کے لئے بھی کوئی صورت نکلنی چاہئیے۔

ایک اور اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام ابوبکر جصّاصؒ فرماتے ہیں :-

فإن قيل لما كان عاصيًا بإيقاع الثلاث معًا لم يقع إذ ليس هو الطّلاق المأمور به كما لو وكّل رجل رجلاً بأن يطلّق امرأته ثلاثًا في ثلاثة أطهار لم يقع إذا جمعهن في طهرٍ واحدٍ قيل له أمّا كونه عاصيًا في الطّلاق فغير مانع صحّته ووقوعه لما دللنا في ما سلف ومع ذالك فإنّ الله جعل الظّهار منكرًا من القول وزورًا وحكم مع ذالك بصحّته ووقوعه فكونه عاصيًا لا يمنع لزوم حكمه والإنسان عاصٍ لله في ردّته عن الإسلام ولم يمنع عصيانه من لزوم

" اگر یہ کہا جائے کہ وہ تین طلاق کے بیک وقت دینے سے گناہگار ہوتا ہے اس لئے وہ واقع نہ ہونگی کیونکہ یہ وہ طلاق نہیں ہے جس کا حکم دیا گیا ہے مثلاً کوئی شخص کسی کو اس بات کے لئے وکیل بنائے کہ وہ اس کی بیوی کو تین طُہروں میں تین طلاقیں دے، اگر وہ ایک ہی طُہر میں تین طلاقیں دیدے تو وہ واقع نہ ہوں گی ۔ (جواباً) کہا جائے گا کہ طلاق کے سلسلہ میں اس کا نافرمان ہونا طلاق کے واقع ہونے میں مانع نہ ہوگا، اُن دلائل کی بنا پر جو ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ظِہار کو قولِ مُنکر و زُور فرمایا ہے ۔ اِس کے باوجود اس کے صحت و وقوع کا حکم دیا ہے۔ تو عاصی ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ حکم ثابت نہ ہو۔ اسی طرح اسلام سے مرتد ہونے کی صورت میں انسان اللہ کا نافرمان ہوتا ہے ۔ یہ نافرمانی اِس بات کے لئے مانع نہیں ہوتی کہ اُس کا حکم ثابت نہ ہو اور اُس کی بیوی اس سے جُدا نہ ہو

حکمہ وفراق امرأتہ وقد نہاہ اللہ عن مراجعتہا ضرارًا بقولہ تعالیٰ "وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا" فلو راجعہا وہو یرید ضرارہا لثبت حکمہا وصحت رجعتہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے کی نیت سے عورت سے رجوع کرنے کو منع کیا ہے۔ "وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا" (اور انہیں نقصان پہنچانے کیلئے نہ روکو کہ اس طرح تم تعدّی کے مرتکب ہو) لیکن اگر کوئی شخص نقصان پہنچانے کی نیت سے رجوع کرے تو حکم رجعت ثابت ہوگا اور اُس کی رجعت صحیح ہوگی۔

یہاں خلطِ مبحث ہوگیا ہے۔ ظہار کا رواج عرب میں پہلے سے تھا۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح حرام کہہ دیتا اور وہ اُس کے لئے حرام ہو جاتی۔ ایک صحابی اس رواج کے مطابق اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے۔ بعد میں انہیں ندامت ہوئی اور اُن کی بیوی کو پریشانی۔ بیوی جو مخلص مومنہ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے مقدمہ کو لے کر آئیں اور بضد ہوئیں کہ اُن کے معاملہ کو حل کیا جائے، تب یہ آیات نازل ہوئیں:۔

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ، وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ، إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا، وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا، ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا، فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ

"اللہ نے اُس عورت کی بات سُن لی جو (اے نبی) تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا، بلا شبہ اللہ سُننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اُن کی بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا ہے اور وہ مُنکر اور جھوٹ بات کہتے ہیں، اور بے شک اللہ معاف کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنے قول سے رجوع کرتے ہیں انہیں ہمبستری سے قبل ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس بات کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ جو شخص غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھے، ہمبستری کرنے سے پہلے، اور جسے اس کی طاقت نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ، وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (مجادلہ)

کھانا کھلائے۔ یہ اس لئے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر یقین رکھو۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

قرآن مجید نے جس بات کو مُنکَر اور زُور کہا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو ماں کہا جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو صریح عقل کے مطابق ہے۔ اس کے باوجود عرب میں یہ طریقہ عورت کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا تھا۔ قرآن مجید نے اس طریقہ کو ممنوع نہیں قرار دیا، بلکہ مشروع طریقہ پر اسے باقی رکھا۔ اگلی آیات میں اس کے احکام بیان کئے اور ان سب کو حدود اللہ سے تعبیر کیا اور وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ سے یہ بات واضح کر دی کہ اس میں معصیت کا جو پہلو ہے اللہ اسے معاف کرتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ نے رجوع اور تلافیٔ مافات کا طریقہ بتایا اور وہ عورت جو عربِ جاہلیت کے رواج کی رُو سے حرام تھی، اللہ کے حکم سے اُس کے حلال ہونے کا راستہ نکل آیا۔

صورتِ زیرِ بحث میں معاملہ اِس کے بالکل برعکس ہے۔ عرب جاہلیت میں نہ طلاق کی کوئی حد تھی، نہ رجوع کرنے کے لئے طلاق کی کوئی تعداد طے تھی۔ اسلام نے طلاق اور رجوع دونوں کے احکام دیئے اور یہ بتایا کہ طلاق ایک مرتبہ میں ایک ہی دینا چاہیئے۔ دو بار طلاق دینے تک رجعت کا حق باقی رہتا ہے اور تیسری بار طلاق دینے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ ایک بار میں تین طلاق دینا غیر مشروع اور معصیت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو شخص ایک بار میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع طریقہ اختیار کرتا ہے، اُس کا کیا حکم ہے؟ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ واقع ہوئی تو کتنی؟ اُس کی عورت اُس پر حرام ہوئی یا رجعت کی گنجائش باقی ہے؟

جہاں تک عربِ جاہلیت کا سوال ہے، مرد کو اس کے بعد بھی رجعت کی گنجائش تھی اور قرآن نے بھی رجعت کو ختم اور عورت کو مرد پر اُس وقت حرام قرار دیا ہے جبکہ وہ تیسری بار طلاق دینے کا مرتکب ہو چکا ہو۔ اِس کے علاوہ طلاق کی کسی صورت میں عورت کو صراحۃً حرام قرار نہیں دیا اور نہ رجعت کے طریقہ کو منسوخ کیا۔ جو لوگ ایک بار کی تین طلاق کو طلاقِ مغلّظہ بائنہ قرار دیتے ہیں، اُن سے سوال یہ ہے کہ اُن کے اِس فتویٰ کا ماخذ کیا ہے؟ ہمارا کہنا یہ ہے کہ

یہ حکم کم از کم قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ظہار کی مثال دینا صحیح نہیں ہے۔ ظہار کے قولِ منکر و زور ہونے کے باوجود عرب جاہلیت کی رکاوٹوں کو اللہ نے دُور فرما دیا اور حرام عورت کو حلال کرنے کا طریقہ اہلِ ایمان کو بتایا۔ مگر یہ حضرات طلاق کے سلسلہ میں اُس سہولت کو جو قبل از اسلام لوگوں کو حاصل تھی اور جسے قرآن نے ختم نہیں کیا، ختم کرنا چاہتے ہیں اور ظہار کی مثال دیتے ہیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ نے ارتداد کی مثال اس سلسلہ میں دی ہے۔ یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے۔ مرتد کی عورت اِس لیئے اُس سے جدا ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور ایک مسلمہ غیر مسلم کے عقد میں نہیں رہ سکتی۔ اِرتداد کی کوئی خاص شکل اسلام نے مشروع نہیں کی ہے کہ غیر مشروع شکل اختیار کرنے کی صورت میں کوئی سوال پیدا ہو۔ یہاں بالکل دوسری بات ہے۔ ایک مسلمان کے عقد میں ایک مسلمان عورت ہے۔ اُس نے اسے غیر مشروع طریقہ پر تین طلاقیں دیں۔ گناہ ہونے سے قطعِ نظر یہ سوال بہرحال پیدا ہوگا کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور ہوئی تو اس کی بیوی اُس پر ہمیشہ کے لیئے حرام ہو گئی یا رجعت کی گنجائش باقی ہے۔ یہ سوال اس لیئے پیدا ہوا کہ قرآن میں تین بار طلاق دینے اور اُس کے بعد بیوی کے حرام ہونے کا ذکر ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دینے کا۔ اِس کے برعکس مسلمان عورت غیر مسلم کے عقد میں نہیں رہ سکتی۔ یہ بات کتاب و سنت سے صراحۃً ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔

آخر میں امام ابوبکر جصاصؒ نے وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا سے جو استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ پوری آیت یوں ہے:-

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا، وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ، وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا، وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت عدت کو پہنچنے لگیں تو انہیں معروف طریقہ پر روک لو یا معروف طریقہ پر چھوڑ دو اور انہیں نقصان پہنچانے کی نیت سے روکے نہ رکھو کہ اس طرح تم تعدی کے مرتکب ہو اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ اور اللہ کے احسانات کو اور اس بات کو یاد کرو کہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی

وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا جس سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ جان لو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

"فَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ" سے واضح طور پر امساک بالضّرار مراد ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ گناہ ضرور ہے، مگر مرد کے اختیار میں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اُس سے رجوع کر لے تو قانوناً اُسے اِس حرکت سے روکا نہیں جا سکتا۔ وہ رجوع کر سکے گا۔ البتہ اُس سے دینی و اخلاقی اپیل کی جا سکتی ہے اور وہ قرآن نے کی ہے۔ ہاں! عورت کو اِس مخمصہ سے نکالنے کے لئے اسلام نے دوسرے قانونی طریقے فراہم کئے ہیں۔ مثلاً خُلع اور فسخِ نکاح کا طریقہ۔

ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا مسئلہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ یقیناً ایک شخص ایک مجلس میں تین کیا، ہزار طلاقیں دے سکتا ہے، لیکن کیا یہ سب طلاقیں واقع ہو جائیں گی؟ تین سے زیادہ طلاق واقع ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے — اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک بار میں ایک سے زائد طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ ایسا کرنا غیر مشروع ہے۔ اسی طرح یہ سوال بھی باقی رہ جاتا ہے کہ اس صورت میں اُس کی عورت اُس کے لئے حرام ہوئی یا نہیں؟

اس سلسلہ کی ایک دلچسپ بات سُن لیجئے۔ امام ابوبکر جصّاص نے طلّقوھنّ لعدّتھنّ والی آیت میں فقد ظلم نفسہٗ سے یہ مراد لیا ہے کہ اُس نے تین طلاق ایک بار میں دے کر اپنے آپ کو اپنی بیوی سے محروم کر لیا اور اس طرح اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ یہی الفاظ عورت کو نقصان پہنچانے کی غرض سے روکنے کے سلسلہ میں بھی آئے ہیں، لیکن اس صورت میں نہ عورت اُس کے لئے حرام ہوئی اور نہ اسے اور کوئی دُنیوی نقصان پہنچا۔ جو کچھ نقصان ہوا عورت کو ہوا۔ ہاں! مرد کی عاقبت خراب ہوئی۔ حالانکہ امام ابوبکر جصّاص کی رائے کی رُو سے اُسے کوئی دُنیوی اور قانونی نقصان پہنچنا چاہیئے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ سے گناہ اور اُس کے عواقب مراد ہیں، نہ کہ کوئی قانونی حکم۔

امام ابوبکر بن عربی مالکیؒ "احکام القرآن" میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے تحت

چار اقوال نقل فرماتے ہیں:۔

المسئلة الرابعة أنّ هذه الآية عرّف فيها الطلاق بالألف واللام واختلف الناس في تأويل التعريف على أربعة أقوال، الأول، معناه الطلاق المشروع مرّتان فما جاء على غيرها فليس بمشروع۔ يروى عن الحجاج بن أرطاة۔ والرافضة قالوا لأنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم إنما بعث لبيان الشرع فما جاء على غيره فليس بمشروع۔ الثاني، معناه الطلاق الذي فيه الرجعة مرّتان وذلك لأنّ الجاهلية كانت تطلق وترد أبدًا، فبيّن الله تعالى أنّ الرد في طلقتين بدليل قوله تعالى "فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" الثالث، إنّ معناه الطلاق المسنون مرّتان، قاله مالك۔ الرابع، معناه الطلاق الجائز مرّتان، قاله أبو حنيفة فأما من قال إنّ معناه الطلاق المشروع فصحيح، لكنّ الشرع يتضمن الفرضَ والسنةَ والجائزَ والحرامَ فيكون المعنى يكون مشروعًا أحد أقسام المشروع الثلاثة المتقدمة وهو المسنون، وقد كنا نقول بأنّ غيره

"چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اس آیت میں لفظِ طلاق پر تعریف کا الف ولام داخل ہے اور لوگوں سے اس لام تعریف کی تفسیر میں چار مختلف اقوال منقول ہیں۔ پہلا قول۔ آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ طلاق مشروع دو بار ہے۔ تو جو طلاق اس طریق پر نہ ہو وہ غیر مشروع ہے۔ یہ قول حجاج بن ارطاۃ سے مروی ہے۔ اور روافض کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں تو جو طلاق اس سے مختلف طریقہ پر ہو وہ مشروع نہیں ہے۔ دوسرا قول:۔ وہ طلاق جس میں رجعت کی گنجائش ہے، دو بار ہے۔ یہ اس لئے کہ جاہلیت میں لوگ طلاق دیتے اور رجوع کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ رجوع صرف دو طلاقوں میں ہے۔ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔
تیسرا قول:۔ آیت کے معنیٰ ہیں، طلاقِ مسنون دو بار ہے یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ چوتھا قول:۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاقِ جائز دو بار ہے۔ یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے تو جن لوگوں نے یہ کہا کہ آیت کے معنیٰ ہیں طلاقِ مشروع انہوں نے صحیح کہا۔ لیکن شرع فرض، سنت، جائز اور حرام سب پر مشتمل ہے۔ تو یہاں اس کے مشروع ہونے کے معنی شروع کے تین اقسام مشروع۔ فرض، سنت اور جائز، ہیں۔ اور یہی مسنون ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے ماسوا طلاق مشروع نہیں ہے اگر

ليس بمشروع لولا تظاهر الأخبار والآثار وانعقاد الإجماع من الأمة بأن من طلق طلقتين أو ثلاثاً أن ذلك لازم له۔

اخبار، آثار اور امت کے اجماع کا اس پر اتفاق نہ ہوتا کہ جس نے دو یا تین طلاقیں دیں تو وہ اس کے لئے لازم (واقع) ہو جائیں گی۔

گویا امام ابوبکر بن عربیؒ نے تسلیم کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ احادیث، آثارِ صحابہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ قرآنِ مجید کا رُخ تو اس کے خلاف ہی ہے۔

علامہ محمود آلوسی حنفیؒ "روح المعانی" میں اس آیت کے تحت تین قول لکھتے ہیں۔

پہلے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

وهذا يدل على أن معنى "مرتان" اثنتان، وهذا هو الذي حمل عليه الشافعية الآية ولعله أليق بالنظم۔

"اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرّتان کے معنی اثنتان (دو) کے ہیں۔۔ اور شوافع نے آیت کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے اور شاید یہ بات نظمِ آیات کے زیادہ مطابق ہے۔"

دوسرے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

وحملوا الآية على أن المراد التطليق الشرعي تطليقة بعد تطليقة على التفريق لما أن وظيفة الشارع بيان الأمور الشرعية، واللام ليست نصاً في العهد بل الظاهر منها الجنس وأيضاً تقييد الطلاق بالرجعي يدعي ذكر الرجعة بقوله سبحانه "فإمساك بمعروف" تكراراً۔ وأيضاً لا يعلم على ذلك الوجه حكم الطلاق الواحد إلا بدلالة النص۔ وهذا الوجه مع كونه أبعد عن توهم التكرار ودلالة على حكم الطلاق الواحد

"اور انہوں نے آیت کو اس مفہوم پر محمول کیا کہ شرعی طلاق، طلاق کے بعد طلاق ہے تفریق کے ساتھ۔ اس لئے کہ شارع کا کام یہ ہے کہ وہ اُمورِ شرعیہ کو بیان کرے۔ اور یہ بات صریح نہیں ہے یہاں لام تعریف عہد کے لئے ہے بلکہ بظاہر وہ جنس ہی کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ طلاق کے ساتھ رجعی کی قید لگا دی جائے تو "فامساک بمعروف" کے الفاظ کے ساتھ رجعت کے تذکرہ سے تکرار لازم آئے گی۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یہ مفہوم لینے کی صورت میں ایک طلاق کا حکم نہیں معلوم ہوگا مگر دلالۃ النص سے۔ لیکن (طلاقِ رجعی کے بجائے) طلاقِ شرعی لینے کی صورت میں آیت تکرار کے واہمہ سے دور ہوگی اور ایک طلاق کا حکم

أو بالعبارة يفيد حكمًا زائدًا وهو التفريق ودلالة الآية حينئذٍ على ما ذهبوا إليه ظاهرة إذا كان معنى مرّتين مجرّد التكرير دون التثنية على حدة "ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ" أي كرّة بعد كرّة لا كرّتين ثنتين إلا أنه يلزم منه إخراج التثنية عن معناها الظاهر، وكذا إخراج الفاء أيضًا وجعل ما بعدها حكمًا مبتدأً و تخييرًا مطلقًا عقيب تعليمهم كيفية التطليق وهو ليس مرتبًا على الأول ضرورة أن التفريق المطلق لا يترتب عليه أحد الأمرين لأنه إذا كان بالثلاث لا يجوز بعده الإمساك ولا التسريح وتحمل الفاء حينئذٍ على الترتيب الذكري أي إذا علمتم كيفية الطلاق فاعلموا أن حكمه الإمساك أو التسريح، فالإمساك في الرجعي والتسريح في غيره۔

عبارۃ النص سے معلوم ہوگا اور اس سے ایک مزید حکم معلوم ہوگا یعنی یہ کہ طلاق الگ الگ دی جائے۔ بہر حال ان اصحاب نے جو کچھ مراد لیا ہے اس پر آیت کی دلالت ظاہر و باہر ہے بشرطیکہ "مرتین" سے تکرار کا مفہوم لیا جائے تثنیہ مراد نہ لیا جائے جیسے آیت ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ میں كَرَّتَيْنِ کے معنی کرۃ بعد کرۃ (بار بار) کے ہیں نہ کہ دو بار کے۔ لیکن اس صورت میں تثنیہ کو اس کے ظاہری مفہوم سے نکالنا ہوگا، اور اسی طرح "فاء" کو بھی اور اس کے مابعد کو ایک نیا حکم ماننا ہوگا یعنی طلاق کی کیفیت کی تعلیم کے بعد مطلق اختیار دیا گیا ہے کہ (رجعت کی جائے یا چھوڑ دیا جائے) اور یہ حکم پہلے حکم پر مترتب نہیں ہے کیونکہ مطلق تفریق پر (بعض اوقات) دونوں میں سے کوئی ایک امر مترتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ تین طلاق کے بعد تفریق کی صورت میں اس کے بعد روکنا جائز نہیں ہے اور نہ (مزید) چھوڑنا ہے۔ اور اس صورت میں "فاء" کو ذکری ترتیب پر محمول کرنا ہوگا یعنی جب تم نے طلاق کی کیفیت جان لی تو جان لو کہ اس کا حکم روک لینا ہے یا چھوڑ دینا ہے۔ روک لینا رجعی طلاق کی صورت میں، اور چھوڑ دینا غیر رجعی کی صورت میں "

لیکن اس قول کو اختیار کرنے کی صورت میں "فَإِنْ طَلَّقَهَا" کا ربط کہاں سے ہوگا اور جب "مَرَّتَانِ" میں تثنیہ کا مفہوم ہے ہی نہیں تو "فَإِنْ طَلَّقَهَا" سے یہ مفہوم کیسے نکل آئے گا کہ تیسری بار طلاق کے بعد عورت حلال نہیں رہتی۔

تیسرے قول کا، جسے وہ راجح قرار دیتے ہیں، ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وإذا كان معنى مرّتين التفريق مع التثنية كما قال بها المحققون بناءً

" اور "مرتین" کے معنی تفریق مع تثنیہ کے ہیں جیسا کہ محققین نے کہا ہے اس وجہ سے کہ یہ لفظ

علیٰ أنّہٗ حقیقۃٌ فی الثّانی ظاھرٌ فی الأوّل
إذ لا یُقال لِمن دفعَ إلیٰ آخر درھمین
مرّۃً واحدۃً أنّہٗ أعطاہ مرّتین حتّیٰ
یفرّق بینہما، وکذا لمن طلّق زوجتہٗ
ثنتین دفعۃً أنّہٗ طلّق مرّتین، إنّہ قع
حدیث ارتکاب خلاف الظاھر فی التّثنیۃ
کما ھو ظاھرٌ، وفی ما بعدھا أیضًا
لصحّۃ التّرتّب، ویکون عدم جواز
الجمع بین التّطلیقتین مستفادًا من مرّتان
الدّالّ علی التّفریق والتّثنیۃ وعدم
جواز الجمع بین الثّالثۃ مستفادًا من
قولہٖ سبحانہٗ "أو تسریحٌ" حیث رتّب
علیٰ ما قبلہٗ بالفاء، قیل إنّہٗ مستفاد
من دلالۃ النّصّ ۔

حقیقت ہے دوسرے معنی میں، ظاہر ہے پہلے معنی میں۔
کیونکہ جو شخص کسی کو ایک بار میں دو درہم دے، اُس کے
بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے اسے دو بار دیا ہے
جب تک الگ الگ دو دفعہ نہ دے۔ اسی طرح جو شخص
اپنی بیوی کو ایک بار میں دو طلاق دے اُس کے بارے میں یہ نہیں
کہا جا سکتا کہ اُس نے دو بار طلاق دی۔ اس صورت میں یہ اعتراض
ختم ہو جائے گا کہ اس مفہوم کے لینے میں تثنیہ کے ظاہری معنی کے
خلاف کا ارتکاب کیا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور اس کے بعد کے
سلسلہ میں بھی اعتراض ختم ہو جائے گا، کیونکہ بعد کے احکام صحیح طور پر اس پر
مرتب ہو سکیں گے۔ اور دو طلاقوں کو جمع کرنے کا عدمِ جواز "مرتان"
سے مستفاد ہوگا جو تفریق اور تثنیہ دونوں پر دلالت کرتا ہے اور تین طلاقوں
کو جمع کرنے کا عدمِ جواز "او تسریح" سے مستفاد ہوگا، کیونکہ یہ
ماقبل پر فاء کے ساتھ مرتب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ
دلالۃ النص سے مستفاد ہے۔"

اِس کے بعد علامہ آلوسیؒ ایک مجلس میں تین طلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثمّ من أوجب التّفریق ذھب إلیٰ أنّہٗ
لو طلّق غیر مفرّق وقع طلاقہٗ وکان
عاصیًا وخالف ذٰلک الإمامیّۃ وبعض
من أھل السُّنّۃ کالشّیخ أحمد بن تیمیّۃ و
مَن اتّبعہٗ قالوا لو طلّق ثلاثًا بلفظٍ واحدٍ
لا یقع إلّا واحدۃٌ احتجاجًا بھٰذہ الآیۃ و
قیاسًا علیٰ شھادات اللّعان ورمی
الجمرات فإنّہٗ لو أتیٰ بالأربع بلفظٍ واحدٍ

"پھر جو لوگ الگ الگ طلاق دینے کو واجب قرار دیتے ہیں
اُن کی رائے یہ ہے کہ اگر اُس نے تفریق کے بغیر تینوں طلاقیں
دے دیں تو سب واقع ہو جائیں گی، مگر وہ گنہگار ہوگا۔ شیعہ اور
بعض اہلِ سنت مثلاً شیخ احمد بن تیمیہ اور اُن کی پیروی کرنے
والوں نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ
اگر ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں تو صرف ایک طلاق واقع
ہوگی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے
اور لعان کی شہادتوں اور رمیِ جمرات پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ اگر

لا تعدّ لهٗ أربعًا بالإجماع كذا لو رمى بسبع حصيات دفعةً واحدةً لم يجزه إجماعًا ومثل ذالك لو حلف ليصلّينّ على النبي صلى الله عليه وسلم ألف مرّةٍ فإنّهٗ لا يكون بارًّا ما لم يأت بإحاد الألف۔

لعان میں ایک ہی لفظ سے چار گواہیاں دے تو اس پر اجماع ہے کہ وہ چار شمار نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر اس نے سات کنکریاں ایک ہی بار میں پھینکیں تو اس پر اجماع ہے کہ وہ کافی نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر اس نے قسم کھائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار بار درود بھیجے گا تو جب تک وہ ہزار بار درود نہ بھیجے اُس کی قسم پوری نہ ہو گی۔"

آگے علامہ آلوسیؒ نے اُن احادیث کو نقل کیا ہے جن سے ایک مجلس میں تین طلاق کے ایک ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

والجواب عن الإحتجاج بالآية أنّها كما علمت ليست نصًّا في المقصود۔

"اور آیت سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ تم کو معلوم ہے، یہ اِس مفہوم میں صریح نہیں ہے۔"

لیکن اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ یہ آیت اس کے مخالف مسلک کے لئے بھی صریح نہیں ہے، بلکہ جہاں تک آیت سے استنباط کا تعلق ہے، آیت کا وزن اُن لوگوں کے حق میں پڑتا نظر آتا ہے جو ایک مجلس میں تین طلاق کے بعد عورت کو حرام قرار نہیں دیتے۔ کیونکہ جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے کہا ہے ۔ اور امام ابوبکر جصّاصؒ نے بھی یہی بات کہی ہے ۔ محققین کی تشریح کے مطابق ایک بار میں تین طلاق، تین بار طلاق نہیں ہوتی، اور قرآن مجید میں عورت کے حرام ہونے کا حکم تین بار طلاق دینے پر دیا گیا ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق پر۔

علامہ آلوسیؒ نے لِعان کی شہادتوں، رمی جمرات اور صلوٰۃ علی النّبی کی مثالوں کا جواب بھی دیا ہے، مگر اِن مثالوں کا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز علامہ کے جواب میں کوئی جان بھی نہیں ہے، اِس لئے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

یہ ہیں ان آیات سے متعلق اہم مفسّرین کی تصریحات! دوسرے حنفی مفسّرین نے بھی عام طور سے یہی کہا ہے کہ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کا مفہوم الگ الگ دو بار طلاق ہے نہ کہ یکجا دو طلاق۔

اِن تصریحات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آیت میں اِس بات کی صراحت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑجاتی ہے۔ ہاں، آیت سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ایک استنباط یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کو تین بار طلاق پر قیاس کیا جائے اور عورت کی حُرمت کے حق میں فتویٰ دیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس دوسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ چونکہ طلاق تین بار نہیں دی گئی ہے اس لئے آیت کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا اور حقِ رجعت باقی رہتا ہے۔ یہ رائے آیت کے مفہوم سے، خصوصاً جس طرح اس کی تشریح علامہ زمخشریؒ اور حنفی محققین نے کی ہے، زیادہ قریب اور زیادہ صحیح محسوس ہوتی ہے۔

بہرحال یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید کی آیات ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بارے میں خاموش ہیں۔ ہاں، احادیث سے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے آیئے احادیث کی طرف رجوع کریں۔

احادیث

جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑجاتی ہے، اُن میں سے نسبتہً قوی روایات حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ عن الحسن قال حدثنا عبد الله بن عمرؓ أنہٗ طلّق امرأتہٗ تطلیقۃً و ھی حائض ثم أراد أن یتبعھا بتطلیقتین عند القرئین فبلغ ذالك رسول الله فقال یا ابن عمر ما ھکذا أمرك الله إنك أخطأت السنۃ والسنۃ أن تستقبل الطھر فتطلق لکل قرءٍ وقال فأمرنی رسول الله فراجعتھا

حسن سے مروی ہے کہ ہم سے عبد اللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی پھر ارادہ کیا کہ دو حیضوں کے وقت انہیں دو طلاقیں اور دیں اس بات کی خبر رسول اللہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ، اے ابن عمرؓ اللہ نے تمہیں اس طرح حکم نہیں دیا تھا۔ تم نے سنت کی خلاف ورزی کی۔ سنت یہ ہے کہ تم طہر کا انتظار کرو اور ہر طہر میں ایک طلاق دو تو مجھے رسول اللہ نے حکم دیا اور میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا

ثم قال إذا هي طهرت فطلق عند ذالك أو أمسك فقلت یا رسول اللہ لو کنت طلقتها ثلاثاً أكان لي أن أراجعها قال لا كانت تبين وتكون معصية۔

پھر آپ نے فرمایا جب وہ پاک ہو جائے تو اس وقت طلاق دو یا روک لو۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! اگر میں اسے تین طلاق دے دیتا تو کیا میں اس سے رجوع کر سکتا تھا۔ فرمایا، نہیں، وہ جدا ہو جاتی اور گناہ ہوتا۔

(بیہقی، دارقطنی، طبرانی)

اس حدیث کے آخری ٹکڑے سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اگرچہ یہ ٹکڑا اس مفہوم میں صریح نہیں ہے۔ طلقتها ثلاثاً کا مفہوم تین بار طلاق بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض دوسری احادیث کی روایات میں یہی مفہوم ہے۔ پوری حدیث کو سامنے رکھ کر جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر حالتِ حیض میں ایک یا دو طلاق دی جائے تو رجوع کا حق باقی رہتا ہے، لیکن اگر تین بار طلاق دے دی جائے تو حقِ رجعت باقی نہیں رہتا البتہ حالتِ حیض میں طلاق دینے کا گناہ باقی رہے گا۔

بہر حال اس ٹکڑے کے مجمل الفاظ سے استدلال کیا جا سکتا ہے، لیکن یہی آخری ٹکڑا جس پر استدلال کا دارومدار ہے، سب روایتوں میں نہیں ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس ٹکڑے کے راوی صرف شعیب ہیں اور ان کے سلسلہ میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ یہی نہیں، تفسیر قرطبی میں اس کے برعکس یہ روایت موجود ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوئی۔ (تفسیر قرطبی جلد سوم صفحہ ۱۲۹)

پھر رزیق بن شعیب یا شعیب بن رزیق کے علاوہ جنہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اس حدیث کی سند میں عطاء خراسانی بھی ہیں جنہیں امام بخاریؒ، شعبہؒ اور ابن حبانؒ نے ضعیف قرار دیا ہے اور سعید بن مسیبؒ نے انہیں جھوٹا بتایا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ روایت اس طرح آتی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر أنہ طلق امرأتہ وھی حائض علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتی تطھر ثم تحیض ثم تطھر ثم إن شاء أمسك بعد وإن شاء طلق قبل أن یمس فتلك العدۃ التی أمر اللہ أن تطلق لھا النساء۔	"عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں۔ تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلہ میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، انہیں حکم دو وہ رُجوع کرلیں، پھر اسے روکے رکھیں یہاں تک کہ پاک ہوجائے، پھر حائضہ ہو، پھر پاک ہوجائے، پھر اگر چاہیں تو روک لیں اور چاہیں تو ہم بستر ہونے سے پہلے طلاق دے دیں تو یہ ہے وہ عدت جس کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے وقت طلاق دی جائے۔"

(بخاری، کتاب الطلاق)

اِس روایت میں مزید ایک طُہر کے انتظار کا ارشاد اس لئے ہے کہ طلاق کا فیصلہ ٹل جائے یا حالتِ حیض میں طلاق دینے کی سزا کے طور پر ہے۔ بہرحال اِس روایت میں وہ آخری ٹکڑا نہیں ہے جس سے استدلال کیا گیا تھا۔ البتہ صحیح مسلم میں اِس کے بعد اِتنا اور ہے:۔

وزاد ابن رُمح فی روایتہ وکان عبد اللہ إذا سُئل عن ذلك قال لأحدھم إن طلقت امرأتك مرۃ أو مرتین فإن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرنی بھذا وإن کنت طلقتھا ثلاثا فقد حرمت علیك حتی تنکح زوجا غیرك و عصیت اللہ فیما أمرك من طلاق امرأتك	"اور ابن رمحؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ اور کیا ہے، اور عبداللہ بن عمرؓ سے جب اِس سلسلہ میں سوال کیا جاتا تو وہ سائل سے فرماتے، اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بار طلاق دی ہے تو یہ وہ صورت ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس (رجعت) کا حکم دیا ہے لیکن اگر تم نے تین طلاقیں دے دیں تو تم پر بیوی حرام ہوگئی جبتک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے اور تم نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلہ میں اللہ کی نافرمانی کی۔"

صحیح مسلمؒ کی ایک روایت میں مرّۃً اور مرّتَین کے بجائے وَاحِدَۃً اور ثِنتَین بھی ہے۔ صحیح مسلمؒ کی یہ روایت صحیح بخاریؒ میں بھی ہے۔ لیکن اِس اضافہ میں عبداللہ بن عمرؓ کا

اپنا فتویٰ ہے، نہ کہ حدیثِ رسول۔ پھر یہ ٹکڑا بھی ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے لئے صریح نہیں ہے۔ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا سے تین بار طلاق مراد ہو سکتی ہے اور عَصَیْتَ اللّٰہَ کا تعلق حالتِ حیض میں طلاق دینے سے ہو سکتا ہے اور اسی صورت میں یہ ٹکڑا اوپر سے صحیح طور پر چسپاں ہوتا ہے۔

۲۔ عن سهل بن سعدٍ أنّ عويمراً العجلاني بعد أن لاعن زوجته أمام رسول الله قال كذبتُ عليها يا رسول الله إن أمسكتُها فطلّقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسولُ الله۔

"سہل بن سعد سے مروی ہے کہ عُویمر عجلانی نے رسول اللہ کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کرنے کے بعد کہا، اگر میں نے اسے روکے رکھا تو اس پر، اے اللہ کے رسول! جھوٹ باندھا۔ تو رسول اللہ کے حکم دینے سے قبل انہوں نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔"

یہ حدیث صحیح بخاری اور دوسری مستند کتبِ احادیث میں ہے اور سب میں یہ بات مشترک ہے کہ عُویمر عجلانی نے لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں اور کسی روایت میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ آپ نے عُویمر عجلانی پر اس سلسلہ میں کوئی تنقید کی ہو۔

لیکن اس روایت سے مسئلۂ زیرِ بحث پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ عویمر عجلانی کی بیوی لعان کے بعد اُن کے پاس رہ نہ سکتی تھی، دونوں میں جُدائی مقدر تھی[1]۔ اس لئے طلاق ایک ہو یا تین، سب بے ضرورت تھیں۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عویمر عجلانی کو ٹوکا کیوں نہیں تو علّامہ سرخسیؒ نے مبسوط میں اس کے دو جواب دیئے ہیں:۔

إنّما ترك الإنكار على العجلاني في الوقت شفقةً عليه لعلمه أنّه بشدّة الغضب ربما لا يقبل قوله فيكفر فأخّر الإنكار إلى وقتٍ آخر و أنكر عليه في قوله فلا سبيلَ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس وقت عویمر عجلانی کو ٹوکا نہیں، یہ بات شفقت کی بنا پر تھی، کیونکہ شدتِ غضب کی بنا پر وہ آپ کی بات شاید قبول نہ کر پاتے اور کافر ہو جاتے۔ اس لئے حضور نے دوسرے (مناسب) وقت کے لئے ٹوکنے کو مؤخر

---

[1] فقہاء کے مابین اس امر میں اختلاف ہے کہ تفرقہ کے لئے لعان کافی ہے یا قضائے قاضی کے بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ بہرحال یہ طے ہے کہ لعان کے بعد طلاق کی ضرورت نہیں ہے۔ لعان کے نتیجہ میں قضائے قاضی سے یا اس کے بغیر دونوں جدا ہو جائیں گے۔

لك عليها أو كراهة إيقاع الثلاث	کر دیا اور اتنا فرما دیا کہ تجھے اس پر (اب) کوئی اختیار نہیں ہے۔
لما فيه من سد باب التلافي من غير	یا یہ بات ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا اس لئے مکروہ ہے
حاجة وذالك غير موجود في حق العجلاني	کہ تلافی کا دروازہ بلا ضرورت بند ہوتا ہے اور عجلانی کے کیس
لأن باب التلافي بين المتلاعنين منسد	میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ کیونکہ لعان کرنے والے
ماداما مصرين على اللعان والعجلاني	جب لعان پر مُصر ہوں تو تلافی کا دروازہ بند ہوتا ہے اور
كان مصراً على اللعان۔	عجلانی لعان پر مُصر تھے "۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فیض الباری " میں اس حدیث پر بحث کی ہے اور علامہ سرخسیؒ کے جوابات کے علاوہ اور بھی جواب دیئے ہیں۔ اُن کا پہلا جواب یہ ہے :۔

أولاً فإن التطابق بين الحكاية والمحكي	" پہلا جواب یہ ہے کہ صورتِ واقعہ اور اس کے بیان کے
عنه في الصفة ليس بضروري يمكن	درمیان صفتِ واقعہ میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔ یہ ہو
أن طلقها في الخارج متفرقاً وعبر	سکتا ہے کہ عجلانی نے تین طلاقیں الگ الگ دی ہوں اور
عنه الراوي ثلاثاً أخذاً بالحاصل	راوی نے بطور حاصل کے انہیں تین کہہ دیا ہو، اور
ولا بُعد فيه۔	اس میں کوئی بُعد نہیں ہے۔

علامہ انور شاہؒ کے اس جواب سے بہت سی متعلقہ احادیث کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

ان جوابات۔ سے قطعِ نظر حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے، کہ وہ اس مسئلہ میں حجت بن سکے۔ صرف تین طلاق دینے کا ذکر ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ عویمر عجلانی اور اُن کی بیوی کے درمیان تفریق لعان کی بُنیاد پر ہوئی، نہ کہ طلاق کی بنیاد پر۔ یہ حدیث اگر حجت بن سکتی ہے تو صرف اس امر کی کہ ایک مجلس میں تین طلاق غیر مشروع اور بدعت نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ جمہور اس کے برعکس ایک مجلس میں تین طلاق کو غیر مشروع اور بدعت قرار دیتے ہیں، اور علامہ سرخسیؒ اور علامہ انور شاہؒ نے انہی کی طرف سے جوابات دیئے ہیں۔

۳- عن محمود بن لبیدٍ قال أُخبر رسول الله عن رجلٍ طلّق امرأتہٗ ثلاث تطلیقاتٍ جمیعًا فقام غضبان ثمّ قال أیُلعب بکتاب الله وأنا بین أظہرکم حتّی قام رجلٌ فقال یا رسول الله ألا أقتلہٗ وفی بعض الرّوایات وأمضاہ علیہ ولم یردّہٗ۔

"محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں تو آپ غصہ میں کھڑے ہو گئے پھر فرمایا، کیا اللہ کی کتاب سے کھیل کیا جا رہا ہے جبکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں اُسے قتل نہ کر دوں؟ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے (تینوں) طلاق جاری کر دیں، انہیں لوٹایا نہیں۔"

لیکن بعض روایات کا یہی ٹکڑا، جو محلِ استدلال ہے، ثابت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں محمود بن لبید عہدِ نبوی میں پیدا ضرور ہوئے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُن کا سماع ثابت نہیں ہے۔

۴- عن عُبادۃ بن الصّامت قال طلّق جدّی امرأۃً لہٗ ألف تطلیقاتٍ فانطلق إلی رسول الله فذکر لہٗ ذٰلک فقال النّبی صلّی الله علیہ وآلہٖ وسلّم ما اتّقی اللهَ جدّک أمّا ثلاثٌ فلہٗ وأمّا تسع مائۃٍ وسبع وتسعون فعُدوانٌ وظلم إن شاء الله عذّبہٗ وإن شاء غفر لہٗ۔

(مُصنّف عبدالرزاق)

"عبادہؓ بن صامت سے مروی ہے کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں تو وہ حضور کے پاس آئے اور انہوں نے (دادا کے) اس فعل کا ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، تمہارے دادا نے خدا کا تقویٰ اختیار نہیں کیا، تین طلاقوں کا تو انہیں حق تھا، باقی رہیں نو سو ستانوے، تو وہ ظلم و عُدوان ہیں۔ اللہ چاہے گا تو عذاب دے گا اور چاہے گا تو معاف فرما دے گا۔"

لیکن یہ روایت سنداً بے حد ضعیف ہے، اِس کے کچھ راوی ضعیف ہیں اور کچھ مجہول۔ پھر یہ روایت درایۃً بھی غلط ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کے والد کے اسلام پانے کے بارے میں بھی کوئی روایت موجود نہیں ہے، چہ جائیکہ اُن کے دادا نے اسلام پایا ہو اور حالتِ اسلام میں طلاق دی ہو۔

۵- عن فاطمۃ بنت قیس قالت طلّقنی

فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے

زوجی ثلاثاً فلم یجعل لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُکنیٰ ولا نفقۃ ۔ (مسلم)

تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے (شوہر کے ذمہ) نہ جائے رہائش رکھی اور نہ نفقہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے، کیونکہ طلاقِ رجعی پڑتی تو بہ اتفاق وہ نفقہ کی مستحق ہوتیں لیکن جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہ رض نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو قبول نہیں کیا اور حضرت عمر رض نے اس روایت کو سُن کر فرمایا :۔

لا نترك كتاب الله وسنة نبينا صلى الله عليه وسلم لقول امرأة لا ندری لعلها حفظت أو نسيت ۔ لها السكنى والنفقة قال الله عزوجل : لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۡ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ إِلَّآ أَنۡ يَأۡتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۔

(صحیح مسلم)

"ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس عورت کو صحیح یاد ہے یا وہ بھول گئی۔ مطلقہ کو جائے رہائش اور نفقہ دونوں ملیں گے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا، لا تخرجوھن الآیۃ (انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کھلا ہوا بے حیائی کا کام کریں۔)"

یوں بھی اس حدیث سے مسئلہ زیرِ بحث میں استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ثَلَاثاً کا لفظ اس مفہوم میں صریح نہیں ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں جبکہ اس حدیث کی دوسری روایات میں اس کی صراحت موجود ہے کہ یہ تین طلاقیں مختلف اوقات میں دی تھیں :۔

عَنِ ابن شهاب أنّ أبا سلمة بن عبد الرحمن بن عوف أخبره أنّ فاطمة بنت قيس أخبرته أنها كانت تحت عمرو بن حفص بن المغيرة فطلقها آخر ثلاث تطليقات ۔ (مسلم)

"ابن شہاب سے مروی ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف نے انہیں بتایا کہ فاطمہ بنت قیس نے انہیں بتایا کہ وہ عمرو بن حفص بن مغیرہ کی زوجیت میں تھیں تو انہوں نے تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی۔"

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے :۔

عن الزهريؒ عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة أن أبا عمرو بن حفص بن المغيرة خرج مع علي بن أبي طالب إلى اليمن فأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطليقة كانت بقيت من طلاقها۔	"زہری سے مروی ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے کہا کہ ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ حضرت علیؓ کے ساتھ یمن کی طرف جانے لگے تو انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو وہ طلاق (لکھ کر) بھیجی جو اُن کی طلاقوں میں سے بچ گئی تھی۔"

امام ابنِ قیمؒ "زاد المعاد" میں اس حدیث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

ألحديث جاء بخمسة ألفاظ، طلقها ثلاثاً، طلقها البتة، طلقها آخر ثلاث تطليقات، وأرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها، وطلقها ثلاثاً جميعاً۔	"حدیث پانچ طرح کے الفاظ سے آئی ہے۔ طلقها ثلاثاً، طلقها البتة، طلقها آخر ثلاث تطليقات، أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها، اور طلقها ثلاثاً جميعاً۔"

اِن میں سے آخری الفاظ وطلقها ثلاثاً جميعاً تو اِس مفہوم میں صریح ہیں کہ تین طلاقیں بیک وقت دیں۔ مگر ان الفاظ کو شعبیؒ سے صرف خالد نے نقل کیا ہے، طلقها ثلاثاً کے الفاظ مجمل ہیں اور طلقها البتة اور بتّ طلاقی کے اور بھی مجمل۔ اور طلقها آخر ثلاث تطليقات اور أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها کے الفاظ صریح ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہیں دی تھیں۔ اب یا تو اِس حدیث کو مضطرب مانئے اور اس صورت میں اس سے استدلال ساقط ہوتا ہے، ورنہ صحیح ترین روایت اور اکثر راویوں کی روایت کی رُو سے اِس کا مسئلۂ زیرِ بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے، تین بار میں تین طلاقیں دینے سے ہے۔

۶۔ عن ابن شهاب قال أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبتّ طلاقي وإني نكحت بعده	"ابن شہاب سے مروی ہے، انہوں نے کہا، مجھے عروہ بن زبیر نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! رفاعہ نے مجھے طلاقِ بتّہ دی اور میں نے ان کے بعد عبد الرحمٰن بن زبیر قرظی سے

عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی و إنما معہ مثل الھُدبۃ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلّكِ تریدین أن ترجعی إلی رفاعۃ۔ لا حتی یذوق عُسیلتكِ وتذوقی عُسیلتہ۔	نکاح کیا اور اُن کے پاس پلّو کی طرح (عضو) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شاید تم چاہتی ہو کہ رفاعہ کے پاس لوٹ کر چلی جاؤ۔ نہیں، جب تک کہ وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لیں اور تم اُن کا مزہ نہ چکھ لو۔

(بخاری)

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتّہ دی تھی، جسے تین طلاق قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں رفاعہ کی بیوی اُن پر حرام ہو گئی۔ حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" میں اس استدلال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واستُدلّ بقولھا "بتّ طلاقی" علی أنّ البتّۃ ثلاثُ تطلیقات، وھو عجیبٌ ممّن استدلّ بہٖ فإنّ البتّۃ بمعنی القطع والمراد بہٖ قطع العصمۃ، وھو أعمّ من أن یکون بالثلاث مجموعۃً أو بوقوع الثالثۃ التی ھی آخر ثلاث تطلیقات۔ وسیأتی فی اللباس صریحاً أنہ طلّقھا آخر ثلاث تطلیقاتٍ فبطل الإحتجاج۔	"اور رفاعہؓ کی بیوی کے قول "بتّ طَلَاقِی" سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ "بتّہ" تین طلاق ہیں۔ جس شخص نے بھی یہ استدلال کیا ہے اُس کا استدلال عجیب ہے۔ کیونکہ بتّ کے معنی قطع کے ہیں اور اس سے مراد قطعِ عصمت ہے اور وہ عام ہے اس بات سے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ ہوں یا تیسری طلاق، جو تین طلاقوں میں سے آخری ہو، واقع ہو۔ اور لباس کے باب میں صراحتاً یہ بات آئے گی کہ رفاعہ نے اپنی بیوی کو آخری تیسری طلاق دی تھی، تو اس سے استدلال ختم ہو گیا۔"

(فتح الباری۔ جلد ۹ صفحہ ۳۶۸)

حافظ ابن حجرؒ نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صحیح بخاری کتاب الادب میں اس طرح ہے:۔

عن عائشۃ أنّ رفاعۃ القرظی طلّق امرأتہ فبتّ طلاقھا فتزوّجھا بعدہٗ عبد الرحمٰن بن الزبیر فجاءت النبیَّ فقالت یارسول اللہ إنّھا کانت عند	"حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رفاعہ قرظیؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور طلاقِ بتّہ دی تو عبدالرحمٰن بن زبیرؓ نے رفاعہ کے بعد ان سے نکاح کر لیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اُس نے کہا، اے اللہ کے رسول! وہ

رفاعة فطلقها آخر ثلاث تطليقات فتزوجها بعده عبد الرحمن بن الزبير (الحديث)

رفاعہ کے پاس تھی تو رفاعہ نے اسے تین طلاق میں آخری طلاق بھی دی تو اس سے عبد الرحمٰن بن زبیر نے اس کے بعد نکاح کر لیا۔

اس روایت میں پہلے "فبتّ طلاقها" (طلاقِ بتّہ دی) کہا۔ پھر اس کی تشریح "فطلقها آخر ثلاث تطليقات" (تو اسے آخری تیسری طلاق دے دی) سے کر دی۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مسئلہ زیرِ بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں سب سے زیادہ صاف و صریح حدیث، حدیثِ رکانہؓ ہے جسے ابوداؤد، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے نقل کیا ہے، اور وہ اس طرح ہے:-

عن ركانة أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما أردت، قال واحدة، قال آلله، قال آلله، قال هو على ما أردت

"رکانہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتّہ دی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے پوچھا، تمہاری نیت کیا تھی؟ کہا، ایک کی۔ فرمایا، بخدا؟ کہا بخدا! فرمایا، تو جیسی تمہاری نیت تھی ویسی ہی طلاق ہو گی۔

وقال أبوداؤد وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثا، لأنهم أهل بيته وهم أعلم به، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس۔

ابوداؤد نے کہا، یہ حدیث ابن جریج کی اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ کیونکہ یہ لوگ رکانہ کے گھر والے ہیں اور وہ ان کا حال زیادہ جانتے ہیں، اور ابن جریج کی حدیث کو بعض بنی رافع نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابنِ عباس سے روایت کیا ہے۔

حدیثِ ابنِ جریج جس کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے، ابوداؤد ہی میں اس طرح نقل کی گئی ہے۔

عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة فجاءت النبي فقالت ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة الشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني وبينه

"ابنِ عباس سے مروی ہے کہ رکانہؓ اور ان کے بھائیوں کے باپ عبد یزید نے رکانہؓ کی ماں کو طلاق دے دی اور مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ تو وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا وہ میرے ذرا بھی کام نہیں آتا، مگر اتنا ہی جتنا یہ بال اس بال کے اور اس نے اپنے سر کا ایک بال پکڑا۔ تو آپ مجھ میں اور

قال النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لعبد یزید طلقها ففعل، قال راجع امرأتك أم رکانة و إخوته، وقال إنی طلقتها ثلاثاً یارسول اللہ۔ قال قد علمتُ راجعها وتلا، یاأیها النبیُّ إذا طلقتم النسآء فطلقوهن لعدتهن۔

اس میں جدائی کرادیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید سے کہا، اسے طلاق دے دو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے کہا، اپنی بیوی رکانہ اور اُس کے بھائیوں کی ماں سے رجوع کرلو۔ انہوں نے کہا، میں نے اسے ایک وقت میں تین طلاقیں دی ہیں فرمایا، مجھے معلوم ہے۔ تم اس سے رجوع کرلو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ یاأیها النبیُّ إذا طلقتم النسآء الآیۃ"

ابوداؤد نے طلاقِ بتّہ والی روایت کو طلاقِ ثلاث والی روایت سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابوداؤد کی طلاقِ ثلاث والی روایت سنداً ضعیف ہے۔ لیکن اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، جیسا کہ ابوداؤد نے کہا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ رکانہ کے والد عبد یزیدؓ نے رکانہ کی ماں کو طلاق دی۔ درحقیقت اس روایت میں دوسرا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے جو رکانہ اور اُن کی بیوی سے نہیں، رکانہ کے والد اور والدہ سے متعلق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونے کے حق میں صریح ہے۔ لیکن ابوداؤد کی یہ روایت فی الواقع صحیح نہیں ہے۔ امام ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں:۔

إن أبا داؤد لم یحکم بصحته وإنما قال بعد روایته هذا أصحّ من حدیث ابن جریج، أنه طلق امرأته ثلاثاً، وهذا لا یدل علی أن هذا الحدیث عنده صحیح، فإن حدیث ابن جریج ضعیف وهذا ضعیف أیضاً. فهو أصحّ الضعیفین عنده، وکثیراً ما یطلق أهل الحدیث هذه العبارة علی أرجح الحدیثین الضعیفین وهو کثیر من کلام المتقدمین

"ابوداؤد نے اِس حدیث کی صحت کا حکم نہیں لگایا، بلکہ اس کی روایت کے بعد صرف یہ کہا کہ یہ ابن جریج کی اُس حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں یہ ہے کہ اُس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں" اور اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ حدیث اُن کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ ابن جریج کی حدیث ضعیف ہے اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے تو اُن کے نزدیک یہ دو ضعیف حدیثوں میں سے صحیح تر ہے۔ اور بسا اوقات محدثین اس عبارت کا اطلاق اس حدیث پر کرتے ہیں جو دو ضعیف حدیثوں میں سے زیادہ راجح ہو اور متقدمین کے کلام میں ایسا بہت ہے۔ اور اگر یہ اُن کی

ولو لم یکن اصطلاحًا لأنّہ لم تدلّ اللغۃ علیٰ إطلاق الصحۃ علیہ۔ فإنّك تقول لأحد المریضین ھٰذا أصحّ من ھٰذا، ولا یدلّ علیٰ أنّہ صحیح مُطلقاً۔	اصطلاح نہ ہوتی تو لغت میں صحت کا اطلاق اس طرح کے معاملہ پر نہ ہوتا۔ کیونکہ تم دو مریضوں میں سے ایک کے لئے یہ کہتے ہو کہ یہ اُس سے زیادہ صحت مند ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ بالکل تندرست ہے۔

یہ انہوں نے سُننِ ابوداوُد کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "إغاثۃ اللھفان" میں وہ فرماتے ہیں:۔

إنّ أبا داؤد إنّما رجّح حدیث بتّۃ علیٰ حدیث ابن جریج لأنّہ روی حدیث ابن جریج عن طریق فیھا مجھول ولم یرو أبو داؤد الحدیث الّذی رواہ احمد فی مُسندہٖ من طریق محمّد بن إسحٰق أنّ رکانۃ طلّق امرأتہ ثلاثاً فی مجلسٍ واحدٍ، فلذا رجّح أبو داؤد حدیث البتّۃ ولم یتعرّض بھٰذا الحدیث ولا رواہ فی سُننہٖ۔ ولا ریب أنّہ أصحّ من الحدیثین، وحدیث ابن جریج شاھدٌ لہٗ۔	ابوداوُد نے حدیث ابن جریج پر حدیث البتّہ کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ انہوں نے ابن جریج کی حدیث کو ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں ایک مجہول راوی ہے، اور ابوداوُد نے اُس حدیث کو روایت نہیں کیا جسے احمد نے اپنی "مُسند" میں محمّد بن اسحٰق کی سند سے روایت کیا ہے کہ "رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں"۔ اسی لئے ابوداوُد نے حدیثِ بتّہ کو ترجیح دی اور اس حدیث سے تعرض نہیں کیا نہ اسے اپنی سُنن میں روایت کیا اور یقیناً مُسندِ احمد کی یہ روایت دونوں روایتوں سے زیادہ صحیح ہے، اور ابنِ جریج کی حدیث اِس کی شاہد ہے۔

امام ابن جوزیؒ نے "کتاب العِلل" میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ حدیث رکانۃ لیس بشیءٍ (رکانہ کی حدیث کچھ بھی نہیں ہے)۔ خلّالؒ نے کتاب العلل میں اثرمؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے رکانہ کی حدیث البتّہ کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے اس کی تضعیف کی۔ اسی طرح امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے حدیث بتّہ کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا، وہ مُضطرب ہے، کیونکہ اس میں کبھی ثلاثًا آتا ہے اور کبھی واحدۃً۔ حافظ مُنذریؒ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ وہ امام بخاریؒ کے علاوہ امام احمدؒ کے حوالہ سے بھی فرماتے ہیں، إنّ طُرقَہٗ ضعیفۃٌ۔ پھر اس حدیث

کی سند میں زبیر بن سعید ہاشمی بھی جنہیں بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مختصر یہ کہ ابوداؤد کی "البتہ" والی روایت مضطرب بھی ہے اور ضعیف بھی، اس لئے وہ قابل استدلال نہیں۔ مسند احمد کی رکانہ والی حدیث جس میں طلاق بتہ کے بجائے طلاق ثلاث کا ذکر ہے اور جو صحیح ہے، آگے آتی ہے۔

۷۔ عن علیؓ قال سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً طلق البتۃ فغضب وقال تتخذون آیات اللہ ھزوًا ولعبًا، من طلق البتۃ ألزمناہ ثلاثًا لا تحل لہ حتی تنکح زوجًا غیرہ۔ (دار قطنی)	"حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا، تم اللہ کی آیات کا مذاق اور کھیل بناتے ہو۔ جو شخص بھی طلاق بتہ دے گا، ہم اس پر تین طلاق لازم کر دیں گے اور اس کی عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی جبتک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔"

لیکن اس روایت کے ایک راوی کے بارے میں دار قطنی خود فرماتے ہیں۔

اسمٰعیل بن ابی اُمیۃ القرشی ضعیفٌ متروک الحدیث۔	"اسماعیل بن ابی اُمیہ قرشی ضعیف اور متروک الحدیث ہیں۔"

اس سے پہلے وہ اس کے بارے میں لکھ چکے ہیں، ھذا یضع الحدیث (وہ جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے) اس روایت کے ایک اور راوی عثمان بن قطر کے بارے میں ابن معینؒ نے کہا، لا یُکتب حدیثہٗ (اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی) ابن حبان نے کہا، یروی الموضوعات عن الثقات (ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے)۔

ایک اور راوی عبد الغفور کے بارے میں علامہ محمد طاہرؒ نے کہا، یضع الحدیث (حدیثیں گھڑتا ہے) اس روایت کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا، فی إسنادہٖ ضعفاء و مجاھیل (اس کی سند میں ضعیف اور مجہول راوی ہیں)۔

دار قطنی ہی کی ایک اور روایت ہے:۔

۸۔ أیما رجلٍ طلق امرأتہٗ ثلاثًا مبھمۃً أو ثلاثًا عند الأقراء لم تحل لہٗ حتی تنکح	"جس شخص نے اپنی بیوی کو تین مبہم طلاقیں دیں یا تین طلاقیں تین طہروں میں دیں اُس کے لئے وہ عورت حلال نہ ہوگی جبتک

زوجاً غیرہٗ — کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے"۔

لیکن اِس روایت کے ایک نہیں، متعدد راوی ضعیف ہیں۔

یہ ہے اُن روایات کا حال جنہیں اِس سلسلہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیتِ محکمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنّتِ ثابتہ اس بات کے حق میں موجود نہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑجاتی ہے۔ میری نظر میں وہ تمام کوششیں ہیں جن کے ذریعہ ان روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے زور لگایا گیا ہے۔ مگر پوری دیانت داری اور غیر جانبداری سے ان پر غور کرنے سے رائے یہی بنتی ہے کہ ان میں سے کوئی روایت جرح اور ضُعف سے پاک نہیں ہے اور ان سے اتنا اہم حکم ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

اِجماع

احادیث کے بعد اِس مسئلہ میں اجماعِ اُمّت سے استدلال کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونے پر اجماع منعقد ہوچکا ہے، اس لئے اس کے خلاف رائے غلط اور باطل ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بعض دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اجماع کا دعویٰ کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے، اجماع کا کوئی ثبوت فی الواقع موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس مسئلہ میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے محدّثین اور فقہاء کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ باب مَن جوّز الطّلاق الثّلاث (جس نے تین طلاق کو جائز قرار دیا) کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

وفی التّرجمۃ إشارۃٌ إلیٰ أنّ من السّلف من لم یجز وقوع الطّلاق الثّلاث۔ — "اور ترجمۃ الباب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سلف میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تین طلاق کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے۔"

(جلد ۹، صفحہ ۲۸۹)

کچھ دُور آگے چل کر اسی سلسلۂ کلام میں وہ فرماتے ہیں:۔

أَلرَّابِعُ أَنَّہٗ مذہب شاذ فلا یُعمل بہ وأُجیب بأنّہٗ نُقل عن عليٍ وابنِ مسعودٍ وعبد الرحمٰن بن عوفٍ والزّبیر، مثلہٗ نقل ذالك ابن مغیث فی کتاب الوثائق لہٗ وعزاہ لمحمد بن وضّاح ونقل الغنوی ذالك عن مشائخ قرطبۃ کمحمد بن تقی بن مخلد ومحمد بن عبد السّلام الخشنی وغیرھما ونقلہٗ ابن المنذر عن أصحاب ابن عبّاس کعطاء وطاؤس وعمرو بن دینار۔ ویتعجب من ابن التّین حیث جزم بأنّ لزوم الثّلاث لا إختلاف فیہ وإنّما الإختلاف فی التّحریم مع ثبوت الإختلاف کما تریٰ۔

(فتح الباری، جلد ۹۔ صفحہ ۲۹)

"چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے ایک ہونے کی بات شاذ مسلک ہے، اس لئے اس پر عمل نہ ہوگا۔ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی بات منقول ہے۔ ابن مغیث نے کتاب الوثائق میں نقل کیا ہے اور اسے محمد بن وضاح کی طرف منسوب کیا ہے اور غنوی نے اس مسلک کو قرطبہ کے مشائخ کے ایک گروہ مثلاً محمد بن تقی بن مخلد اور محمد بن عبدالسلام خشنی وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ابن المنذر نے اسے ابن عباسؓ کے اصحاب مثلاً عطاء، طاؤس اور عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے۔ اور ابن تین پر حیرت ہے کہ انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ تین طلاق کے لزوم میں اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف تحریم میں ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اختلاف ثابت ہے"۔

اس سے چند سطر اوپر انھوں نے محمد بن اسحٰق صاحب مغازی کو اس مسلک کا قائل بتایا ہے۔ امام طحاویؒ "شرح معانی الآثار" میں فرماتے ہیں:-

فذھب قومٌ إلی أنّ الرّجل إذا طلّق امرأتہٗ ثلاثًا معًا فقد وقعت علیھا واحدۃٌ إذا کان فی وقت السُّنّۃ وذالك أن تکون طاھرًا فی غیر جماعٍ واحتجوا فی ذالك بھٰذا الحدیث۔

(جلد ۲۔ صفحہ ۳۱)

"تو ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو عورت پر ایک ہی طلاق واقع ہوگی جبکہ وقتِ سُنّت میں یعنی اس وقت دی گئی ہو کہ وہ پاک ہو اور اُس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔ اور انھوں نے اس سلسلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے"۔

واضح رہے کہ امام طحاویؒ، امام ابنِ تیمیہؒ سے بہت پہلے کے محدث ہیں۔ وہ

امام بخاریؒ کے معاصر ہیں۔ گویا امام طحاویؒ کے زمانہ تک بھی اس مسلک کے قائل اتنے تھے کہ انہیں "قوم" (یعنی گروہ) سے تعبیر کیا جا سکتا تھا۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے تحت لکھتے ہیں:۔

ثمّ القائلون بهذا القول اختلفوا على قولين، الأوّل وهو اختيار كثير من علماء الدين أنّه لو طلّقها اثنين أو ثلاثاً لا يقع إلّا الواحدة وهذا القول هو الأقيس لأنّ النهي يدلّ على اشتمال المنهي عنه على مفسدة راجحة۔ والقول بالوقوع سعي في إدخال تلك المفسدة في الوجود وأنّه غير جائز فوجب أن يحكم بعدم الوقوع۔	"پھر اس قول کے قائلین میں اختلاف ہو گیا اور ان کے دو قول ہیں۔ ایک قول جو بہت سے علماء دین کا اختیار کردہ ہے یہ ہے کہ اگر اس نے بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیں تو صرف ایک واقع ہو گی اور یہی قول قیاس سے قریب تر ہے۔ کیونکہ ممانعت سے واضح ہوتا ہے کہ ممنوع چیز کوئی راجح مفسدہ رکھتی ہے۔ اور وقوع کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کی کوشش ہے جو غیر جائز ہے۔ تو ضروری ہوا کہ عدم وقوع کا حکم کیا جائے۔"

امام رازیؒ کے اس بیان سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ مسلک زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مسلک، شاذ مسلک نہیں، بلکہ بہت سے علماءِ دین کا ہے۔

امام ابنِ قیمؒ نے بھی "اعلام الموقعین" میں متعدد صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے علماء کا ذکر کیا ہے جو اس قول کے قائل ہیں۔

علامہ عینیؒ "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں:۔

ذهب طاؤس وابن إسحٰق والحجاج بن أرطاة والنخعي وابن مقاتل والظاهرية إلى أنّ الرجل إذا طلّق امرأته ثلاثاً معاً فقد وقعت عليها واحدة واحتجّوا بحديث أبي الصهباء	"طاؤس، ابن اسحٰق، حجاج بن ارطاۃ، نخعی، ابن مقاتل اور اہلِ ظاہر کا مسلک یہ ہے کہ جب آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیں، تو اس پر ایک ہی واقع ہوں گی، اور انہوں نے ابو صہباء کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔"

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی فرماتے ہیں :-

والقول الثانی أنہ إذا طلق ثلاثاً تقع واحدۃ رجعیۃ وھذا ھو المنقول عن بعض الصحابۃ وبہ قال داؤد الظاھری وأتباعہ وھو أحد القولین لمالک و أصحاب أحمد۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں تو ایک رجعی واقع ہوگی، اور یہ قول بعض صحابہ سے منقول ہے اور اس کے قائل داؤد ظاہری اور اُن کے پیرو ہیں۔ اور یہ امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمدؒ کے بعض اصحاب کا قول ہے۔

(عمدۃ الرّعایۃ۔ جلد ۲، صفحہ ۷۱)

اور علامہ شوکانیؒ نے "نیل الاوطار" میں اس قول کو حضرت علیؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابن عباسؓ، طاؤسؒ، عطاءؒ، جابر بن یزیدؒ، ہادیؒ، قاسمؒ، ناصرؒ، احمد بن عیسیٰؒ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہؒ، زید بن علیؒ اور اصحابِ ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (جلد ۶ ص ۲۴۵)

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ نہ صرف یہ کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے پر اجماع نہیں ہے، بلکہ اس کے ایک طلاق ہونے کا مسلک، علماء کی قابلِ لحاظ تعداد کا ہے۔

آثارِ صحابہؓ

قرآن مجید، احادیثِ رسول اور اجماعِ اُمت کے بعد آثارِ صحابہ کا نمبر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صحابۂ کرام کے آثار سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاق کو طلاقِ مغلظہ بائنہ مانتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے مسلک کو، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا معروف مسلک تو یہی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو وہ تین طلاق مانتے تھے، مگر اُن کی طرف یہ قول بھی منسوب ہے کہ وہ اس طلاق کو ایک طلاق مانتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے :-

عن عکرمۃ عن ابن عباسٍ إذا قال أنتِ طالقٌ ثلاثاً بفمٍ واحدٍ فہی واحدۃٌ۔

"عکرمہ سے مروی ہے وہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایک منہ سے تین بار اَنتِ طالِقٌ کہا تو یہ ایک طلاق ہوگی۔"

ایک اور صحیح روایت میں حضرت طاؤسؒ سے مروی ہے:۔

واللہِ ماکان ابن عباسٍ یجعلہا إلّا واحدۃً۔ "بخدا! ابنِ عباسؓ اسے ایک ہی شمار کرتے تھے۔"

(عون المعبود، جلد ۲، صفحہ ۲۲۷)

ایک طلاق ہونے کے دلائل

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے، یہ بات نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے، نہ سنّتِ رسول اللہ سے اور نہ اس پر اُمّت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد مزید کسی بحث کی فی الواقع ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن ایجابی طور پر دو احادیث ایسی ہیں جو اس مسئلہ کا فیصلہ کر دیتی ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم اور دوسری کتبِ حدیث میں ہے:۔

عن ابن عباسٍ قال کان الطّلاق علی عہد رسول اللہ و أبی بکرٍ و سنتین من خلافۃ عمرَ طلاق الثّلاث واحدۃً فقال عمر بن الخطّاب إنّ النّاس قد استعجلوا فی أمرٍ کانت لہم فیہ أناۃ فلو أمضیناہ علیہم فأمضاہ علیہم۔

- ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور اور خلافتِ عمرؓ کے دو برسوں تک (بیک وقت) تین طلاق ایک ہوا کرتی تھی تو عمر بن خطاب نے کہا، لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جس میں اُن کیلئے غور و فکر کا موقع تھا جلدی کی۔ تو ہم اُن طلاقوں کو نافذ کر دیں، تو آپ نے انہیں نافذ کر دیا۔"

الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت مختلف اسناد سے صحیح مسلم اور دوسری کتب میں آئی ہے۔ روایۃً اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث اپنے اِس مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کے

سِہام میں اور دَورِ فاروقی کے ابتدائی دو برسوں میں (بعض روایات میں تین سال آئے ہیں) ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بجائے اس کے کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت و سہولت سے فائدہ اٹھاتے اور ایک مجلس میں ایک طلاق پر بس کرتے، انھوں نے ایک مجلس میں تین طلاق کو معمول بنا لیا اور طلاق کے غیر مشروع طریقہ پر مُصر ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ لوگوں پر تین طلاقیں نافذ کر دی جائیں۔ چنانچہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہ حکم انہوں نے نافذ کر دیا۔

حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے۔ اس مفہوم کی رُو سے دَورِ نبوی، دَورِ صدّیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی کا یہ تعامل سامنے آتا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق مانا جاتا تھا۔

جو لوگ اس کے خلاف مسلک رکھتے ہیں انھوں نے اس حدیث کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ ہم اُن میں سے قابلِ ذکر تاویلات کو ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ امام نوویؒ شرحِ مسلم میں ایک تاویل کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

وقیل المراد أنّ المعتاد فی الزمن الأوّل کان طلقۃً واحدۃً وصار النّاس فی زمن عُمر یوقعون الثّلاث دفعۃً فنفّذہٗ عمر، وعلی ھٰذا یکون إخبارًا عن اختلاف عادۃ النّاس، لا عن تغیّر حکمٍ فی مسئلۃٍ واحدۃٍ۔	" کہا گیا ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دورِ اوّل میں یہ رواج تھا کہ طلاق ایک ہی دی جاتی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تین طلاق ایک ہی بار میں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے انہیں نافذ کر دیا تو یہ لوگوں کی عادت کے مختلف ہونے کی اطلاع ہے، نہ کہ ایک ہی مسئلہ میں حکم کے بدل جانے کی "

یہ تاویل متعدد اربابِ علم نے کی ہے، مگر آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کے متحمل ہیں۔ علامہ ہمامؒ اس تاویل پر یہ اشکال عائد کرتے ہیں:۔

وما قیل فی تأویلہٖ أنّ الثّلاث الّذی یوقعونہا الآن إنّما کانت فی الزّمان الأوّل واحدۃً تنبیہٌ علی تغیّر الزّمان	" اور اس حدیث کی تاویل میں یہ جو کہا گیا ہے کہ تین طلاقیں جو اب دیتے ہیں دورِ اوّل میں ان کا رواج نہ تھا، ایک ہی کا رواج تھا اور یہ اس زمانہ کے تغیر اور سنّت کی مخالفت

وعلى الفتة السنتر فيشكل إذ لا يتجه حينئذٍ قوله فأمضاه عمرؓ

کی خبر ہے تو یہ مشکل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں "فأمضاہ" عمرؓ" متعلق نہیں ہو پاتا"۔

صحیح مسلم کی بعض روایات صراحۃً اس تاویل کی تردید کرتی ہیں :-

عن طاؤس أنّ أبا الصهباء قال لابن عبّاس أتعلم أنّما كانت الثلاث تجعل واحدةً على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلّم وأبي بكرٍ وثلاثاً من إمارة عمرؓ فقال ابن عبّاس، نعم۔

"طاؤسؒ سے مروی ہے کہ ابو صہباءؒ نے ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاقوں کو دورِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلّم)، دورِ ابو بکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے تین برسوں میں ایک شمار کیا جاتا تھا۔ انہوں نے فرمایا! ہاں"

(مسلم، ابوداؤد)

پھر یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ دورِ نبوی میں لوگ ایک مجلس میں تین طلاقیں نہیں دیتے تھے۔ روایات سے اس کے برعکس ثابت ہے۔

۲۔ یہ حکم غیر مدخول بہا کے لئے ہے، جیسا کہ بعض روایات میں صراحۃً ہے :-

عن أيّوب عن غير واحدٍ عن طاءوس أنّ رجلا يقال له أبو الصّهباء كان كثير السّؤال لابن عبّاس قال أما علمت أنّ الرّجل كان إذا طلّق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدةً على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وأبي بكرٍ وصدرًا من إمارة عمر، قال ابن عبّاس بلى، كان الرّجل إذا طلّق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدةً على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وأبي بكرٍ وصدرًا من إمارة عمر فلمّا رأى النّاس

"ایوب سے، انہوں نے متعدد افراد سے نقل کیا ہے، انہوں نے طاؤس کہ ایک شخص جسے ابو صہباء کہا جاتا تھا، ابنِ عباس سے بہت سوال کرتا تھا۔ انہوں نے ابن عباس سے پوچھا کیا آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو ہم بستری سے پہلے بیک وقت تین طلاق دیتا تھا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، حضرت ابوبکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے ابتدائی دور میں ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔ ابنِ عباسؓ نے کہا، ہاں، آدمی جب ہم بستری سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو دورِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلّم)، دورِ صدیقؓ اور ابتدائی دورِ عمرؓ میں اسے ایک شمار کیا جاتا تھا، تو جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ پے در پے میں طلاقیں

قد تتابعوا فیها قال أجیزوھنّ علیھم۔	دینے لگے تو اُن پر تینوں نافذ کر دیں ؛

(ابوداؤد)

یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ غیر مدخول بہا کے لئے ہوگی، اور دوسری روایات غیر مدخول بہا اور مدخول بہا دونوں کے لئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابوداؤد کی یہ روایت ضعیف ہے اور طاؤسؒ سے روایت کرنے والے مجہول لوگ ہیں۔ (شرح مسلم للنوویؒ)

۳۔ یہ حدیث ایک خاص صورت سے متعلق ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں:۔

قال ابن سُریج وغیرہٗ یشبہ أن یکون ورد فی تکریر اللفظ کأن یقول، أنتِ طالق أنتِ طالق أنتِ طالق وکانوا أولاً علیٰ سلامۃ صدورھم یُقبل منھم أنھم أرادوا التاکید۔ فلما کثُر الناس فی زمن عُمرَ وکثُر فیھم الخداع ونحوہٗ مما یمنع قبول من ادّعی التاکید حمل عمر اللفظ علیٰ ظاھر التکرار فامضاہ علیھم۔	"ابن سریج نے کہا، خیال ہوتا ہے کہ یہ حدیث الفاظ کی تکرار کے سلسلہ میں آئی ہے۔ جیسے کہ وہ کہے، تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ تو دورِ اوّل میں دلوں کی سلامتی کے باعث اُن کا یہ قول قبول کر لیا جاتا تھا کہ اُن کا ارادہ تاکید کا تھا (تین طلاق کا نہیں) تو جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان زیادہ ہو گئے اور فریب دہی وغیرہ بھی زیادہ ہو گئی جس کے باعث تاکید کا دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے لفظ کو ظاہر تکرار پر محمول کر دیا اور تین طلاقیں اُن پر نافذ کر دیں"

(فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ـــ)

امام نوویؒ نے اِس تاویل کو صحیح ترین تاویل قرار دیا ہے۔ علّامہ ابن الہمامؒ نے بھی "فتح القدیر" میں اس تاویل کو اختیار کیا ہے۔ مگر آپ خود دیکھ لیجئے کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ نہ حدیث میں خاص الفاظ کا ذکر ہے، نہ اس بات کا کہ جو لوگ تاکید کا دعویٰ کرتے تھے اُن کا دعویٰ مان لیا جاتا تھا اور جو دعویٰ نہ کرتے تھے اُن کے حق میں تین طلاقوں کا فیصلہ ہوتا تھا، نہ دلوں کی صفائی یا کھوٹ کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ آخر تاویل کے لئے کوئی بُنیاد تو ہو۔

۴۔ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔ ورنہ حضرتِ ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کے خلاف مسلک پر اجماع نہ ہوتا۔ امام نوویؒ اس

تاویل کو نقل کر کے اس پر علامہ مازریؒ کی تنقید نقل کرتے ہیں۔

قال المازریؒ وقد زعم من لا خبرة له بالحقائق أنّ ذالك كان ثمّ نسخ قال وهذا اغلطٌ فاحشٌ لأنّ عمرؓ لا ينسخ ولو نسخ حاشاه لبادرت الصحابةُ إلى إنكاره، وإن أراد هذا القائل أنّه نُسخ فی زمن النبیّ فذالك غير ممتنع ولكن يخرج عن ظاهر الحديث لأنّه لو كان كذالك لم يجز للرّاوی أن يُخبر ببقاء الحكم فی خلافة أبی بكرٍ وبعض خلافة عمر — فإن قيل قد يجمع الصحابة على النسخ فيُقبل ذالك منهم، قلنا إنّما يقبل ذالك لأنّه يستدلّ بإجماعهم على ناسخ وأمّا إنّهم ينسخون من تلقاء أنفسهم فمعاذ الله لأنّه إجماعٌ على الخطأ، وهم معصومون عن ذالك — فإن قيل فلعلّ النسخ إنّما ظهر لهم فی زمن عمرؓ، قلنا هذا غلطٌ أيضًا لأنّه يكون قد حصل الإجماع على الخطأ فی زمن أبی بكرٍ والمحقّقون من الأصوليين لا يشترطون إنقراض العصر لصحّة الإجماع، والله أعلم۔

"مازری نے کہا، جن لوگوں کو حقائق کی خبر نہیں ہے ان کا خیال ہے کہ یہ حکم تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔ مازری نے کہا، یہ واضح طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ منسوخ نہیں کر سکتے اور اگر وہ حاشا وکلّا منسوخ کرتے تو صحابہ فوراً انکار کرتے۔ اور اگر قائل کا منشا یہ ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منسوخ ہو گیا تھا تو یہ بات غیر ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو راوی کے لئے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ خلافت ابوبکرؓ اور خلافت عمرؓ کے بعض برسوں میں اس حکم کے باقی رہنے کی خبر دیتا — اگر یہ کہا جائے کہ کبھی صحابہ نسخ پر اجماع کر لیتے ہیں اور اُن کا اجماع قبول کر لیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اُن کا اجماع اس لئے قبول کر لیا جاتا ہے کہ اس سے ناسخ کے وجود کے لئے دلیل فراہم ہوتی ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ خود منسوخ کرتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ۔ کیونکہ یہ غلطی پر اجماع ہوگا اور وہ اس سے معصوم ہیں۔ — اگر یہ کہا جائے کہ نسخ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ظاہر ہوا — ہم کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں غلطی پر اجماع ہو گیا تھا، اور محقق اصولیین اجماع کی صحت کے لئے زمانہ کے ختم ہونے کی شرط نہیں ٹھہراتے۔ واللہ اعلم۔"

(شرح نووی جلد ۱، صفحہ ۴۷۸)

حافظ ابنِ حجرؒ نے مازریؒ کی اس تنقید کا ذکر کر کے جگہ جگہ اس پر تعقب کیا ہے۔ مگر تعقب میں فی الواقع کوئی جان نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ان تاویلات میں سے کسی تاویل کی متحمل نہیں ہے اور حدیث کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ متعدد حنفی علماء نے بھی حدیث کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا وہ یا تو اُن کا اجتہاد تھا کہ حالات بدل گئے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول نے لوگوں کے لئے جو سہولت فراہم کی تھی، شریعت کی نافرمانی کی بناء پر وہ اُس کے مستحق نہیں رہے، یا خلیفہ کی حیثیت سے یہ اُن کا سیاسی فرمان تھا جس کا مقصد لوگوں کی اصلاح اور ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے رواجِ عام کو روکنا تھا، ان میں سے کوئی بھی بات ہو۔ تم اس اجتہاد یا اس سیاست سے کیوں اختلاف کر رہے ہو؟ —— جواب یہ ہے کہ اصل چیز کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ ہے۔ وہ ہر چیز پر حتیٰ کہ خلیفۂ راشد کے اجتہاد پر بھی مقدم ہے اور خلفاءِ راشدین کے اجتہادات سے اختلاف سلف میں کوئی انوکھی بات نہیں رہی ہے اور سیاسی نوعیت کے فیصلے اور بھی عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ پھر یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ اس میں ایک تعامل عہدِ نبوی اور دورِ صدیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی کا ہے اور دوسرا دورِ فاروقی کا۔ ہم پہلے تعامل کو دوسرے تعامل پر ترجیح دے رہے ہیں۔

جہاں تک حالات کا تعلق ہے وہ بلاشبہ پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ خراب ہیں، لیکن حالات کی یہ خرابی اور سنگینی ہی اس کی متقاضی ہے کہ ہم اس مسئلہ پر ازسرِ نو غور کریں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں یہی ایک فیصلہ نہیں کیا تھا، انھوں نے جیسے اور انتظام بھی کئے تھے۔ ایک انتظام دینی تعلیم کو عام کرنے کا تھا، دوسرا انتظام معاشرہ کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے اور تیسرا حدود و تعزیرات کے قیام کا تھا۔ اس سلسلہ کی مزید ایک بات یہ تھی کہ حضرت عمرؓ ایک مجلس میں تین طلاق دینے والوں کو دُرّے مارتے تھے۔ اور آخری بات یہ کہ مسلمانوں کے معاش کی حکومت کفالت کرتی تھی۔ عامۃ المسلمین بھی

نادار اور معذور مردوں اور عورتوں کی کفالت کی طرف زیادہ متوجّہ رہتے تھے اور مسلمان معاشرہ کی اخلاقی اور دینی حالت آج سے بہت زیادہ بہتر تھی۔ اسی کے ساتھ عرب میں طلاق کوئی عار کی بات نہ تھی اور مطلّقہ عورتوں کا نکاح بہت آسانی سے ہو جاتا تھا۔

اب دین کی تعلیم کا نظم درہم برہم ہو چکا ہے، لوگ طلاق کے بنیادی مسائل بھی نہیں جانتے، حضرت عمرؓ کا دُرّہ بھی نہ رہا جس کے ڈر سے لوگ تین طلاقیں نہ دیں، حدود و تعزیرات کتابوں میں بند ہیں، معاشرہ کی دینی و اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہے، ماحول اس قدر پُرفتن ہے کہ مردوں اور عورتوں کو اخلاق و عفّت کا بچا لینا مشکل ہو گیا ہے اور بے شوہر کی عورت کے لئے تو فتنے ہی فتنے ہیں۔ ہندوستانی سماج ایسا ہے کہ اس میں مطلّقہ عورتوں کا نکاح بہت دشوار ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مطلّقہ عورت کی اگر شادی نہ ہو تو یا طویل مدّت تک نہ ہو تو عورت اور معاشرہ دونوں کے اخلاق کی نگہداشت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے جو بے سہارا عورتوں کی کفالت کر سکے، نہ معاشرہ ہی اس طرف متوجّہ ہے —— یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم خیال کرتے ہیں کہ دورِ فاروقی کے تعامل سے عہدِ نبوی اور دورِ صدّیقی کے تعامل کی طرف واپس جانا چاہئے۔

۴ — مُسندِ احمد میں ہے :-

حدّثنا سعد بن إبراهيم قال حدّثنا أبي عن محمّد بن إسحٰق قال حدّثني داؤد بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عبّاس قال طلّق ركانة بن عبد يزيد أخو بني مطّلب امرأته ثلاثًا في مجلسٍ واحدٍ فحزن عليه حزنًا شديدًا قال فسأله رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كيف طلّقتها قال طلّقتها ثلاثًا، قال فقال في مجلسٍ واحدٍ قال نعم، قال فإنّما تلك واحدةٌ

"سعد بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے میرے باپ نے بیان کیا، انھوں نے محمّد بن اسحٰق سے، انہوں نے کہا مجھ سے داؤد بن حصین نے بیان کیا، انہوں نے عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے کہا، رکانہ بن عبد یزید اخی بنی مطّلب نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس پر انہیں شدید غم ہوا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے پُوچھا، تم نے اپنی بیوی کو کس طرح طلاق دی؟ کہا، میں نے اسے تین طلاقیں دیں۔ پُوچھا، ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی۔ تو اگر تم چاہو تو

فارجعها إن شئت قال فراجعها فكان ابن عباس يرى إنّما الطلاق عند كلِّ طُهرٍ۔

اُس سے رُجوع کرلو، تو رکانہ نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔ تو ابن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ طلاق ہر طُہر کے وقت ہونی چاہیئے"۔

اِس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں:۔

وأخرجهُ أحمد وأبو يعلى وصححهُ من طريق محمد بن إسحٰق وهٰذا الحديث نصٌّ في المسئلة لا يقبل التأويل الّذي في غيرهِ من الرّوايات الآتي ذكرها وقد أجابوا عنها بأربعة أشياء، أحدها أنّ محمد بن إسحٰق وشيخهُ مُختلف فيهما وأُجيب أنّهم احتجوا في عِدّةٍ من الأحكام بمثل هٰذا الاسناد كحديث "أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ردّ على ابن العاص بن الرّبيع زينبَ ابنتهُ بالنّكاح الأوّل" وليس كلّ مختلفٍ فيه مردودًا۔ والثّاني معارضتهُ بفتوى ابن عبّاسٍ بوقوع الثّلاث كما تقدّم من رواية مجاهدٍ وغيرهِ، فلا يظنّ بابن عبّاسٍ أنّهُ كان عندهُ هٰذا الحكم عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ثمّ يفتي بخلافهِ إلّا بمرجّحٍ ظهر لهُ، وراوي الخبر أخبر من غيرهِ بما روى، وأُجيب بأنّ الإعتبار برواية الرّاوي لا برأيهِ لما يطرق رأيهُ من احتمال النّسيان وغير ذالك، وأمّا كونهُ تمسّك

" احمد اور ابو یعلیٰ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اسے محمد بن اسحٰق کی سند سے صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں جو آگے آنے والی روایتوں میں ممکن ہے۔ لوگوں نے اس حدیث کے چار جواب دیئے ہیں:۔ ایک یہ کہ محمد بن اسحٰق اور ان کے شیخ (داؤد بن حصین) میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ متعدد احکام میں اس طرح کی سند کو مانا گیا ہے، جیسے کہ یہ روایت کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینبؓ کو ابو العاصؓ کے پاس پہلے ہی کے نکاح کے ساتھ بھیج دیا" (اس روایت میں یہی سند ہے) اور ہر وہ شخص جس میں اختلاف کیا جائے وہ لازماً قابلِ رد نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباسؓ کے فتویٰ کے معارض ہے۔ جیسا کہ مجاہد وغیرہ نے اُن سے روایت کیا ہے اور یہ روایت اوپر گذر چکی ہے۔ اور ابن عباسؓ کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہو پھر وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں مگر یہ کہ کوئی مرجح اُن کے سامنے ظاہر ہوگیا ہو، اور حدیث کا راوی دوسروں کے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ جانتا ہے۔ جواب دیا گیا کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اُس کی رائے کا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نسیان وغیرہ کا اُس کی رائے پر اثر پڑا ہو۔ رہی یہ بات کہ اُس نے کسی مرجح سے تمسک کیا ہو،

بموقع فلم ينحصر في المرفوع لاحتمال
التمسك بتخصيص أو تقييد أو تأويل،
وليس قول مجتهد حجة على مجتهد آخر،
الثالث، أن أبا داؤد رجح أن ركانة
إنما طلق امرأته البتة كما أخرجه هو
من طريق آل بيت ركانة وهو تعليل قوي
لجواز أن يكون بعض رواته حمل "البتة"
على الثلاث فقال "طلقها ثلاثا" فبهذه
النكتة يقف الإستدلال بحديث ابن
عباس - الرابع أنه مذهب شاذ فلا
يعمل به، وأجيب بأنه نقل عن علي و
ابن مسعود وعبد الرحمن بن عوف والزبير
مثله، نقل ذلك ابن مغيث في كتاب الوثائق
له وعزاه لمحمد بن وضاح ونقل الغنوي
ذلك عن جماعة من مشايخ قرطبة
كمحمد بن تقي بن مخلد و محمد بن
عبد السلام الخشني وغيرهما ونقله ابن
المنذر عن أصحاب ابن عباس كعطاء وطاؤس
وعمرو بن دينار، ويتعجب من ابن التين حيث
جزم بأن لزوم الثلاث لا اختلاف فيه، و
إنما الاختلاف في التحريم مع ثبوت الاختلاف
كما ترى ويقوى حديث ابن إسحق
المذكور ما أخرجه مسلم من طريق

تو یہ مرجح حدیثِ مرفوع ہی تک محدود نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا
ہے کہ اُس نے تخصیص یا تقیید یا تاویل کا سہارا لیا ہو، اور کسی
مجتہد کا قول دوسرے مجتہد کے لئے حجت نہیں ہے۔ تیسرا
جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ ابوداؤدؒ نے اس بات کو ترجیح
دی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی تھی جیسا کہ انہوں نے
رکانہ کے اہلِ بیت سے روایت کیا ہے اور یہ ایک قوی تعلیل
ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض راویوں نے "بتہ" کو تین پر
محمول کیا ہو تو یہ کہہ دیا ہو کہ "انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں"
اس نکتہ کے باعث ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال
موقوف ہو جائے گا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ شاذ مسلک ہے
اس لئے اس پر عمل نہ ہوگا۔ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت علی،
ابن مسعود، عبد الرحمٰن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم سے اس طرح
کی بات نقل کی گئی ہے۔ اس بات کو ابن مغیث نے کتاب الوثائق
میں نقل کیا ہے اور اسے محمد بن وضاح کی طرف منسوب کیا ہے
اور غنوی نے اسے قرطبہ کے مشائخ کے ایک گروہ، جیسے محمد
بن تقی بن مخلد اور محمد بن عبد السلام خشنی وغیرہ سے نقل
کیا ہے۔ اور ابن منذر نے اسے ابن عباس کے اصحاب
مثلاً عطاء، طاؤس اور عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے۔
اور ابن تین پر حیرت ہے انہوں نے یقین سے کہا ہے کہ
تین طلاق کے لازم ہو جانے میں اختلاف نہیں ہے اختلاف
اس کی تحریم میں ہے۔ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ اختلاف
ثابت ہے، اور ابن عباسؓ کی حدیث کی تائید وہ حدیث
کرتی ہے جسے مسلمؒ نے عبد الرزاق عن معمر عن

عبدالرزاق عن معمر عن عبداللہ بن طاؤس عن
أبیہ عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بکرؓ وسنتین
من خلافۃ عمرؓ طلاق الثلاث واحدۃ
فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد
استعجلوا فی أمر کانت لہم فیہ اناۃ فلو
أمضیناہ علیہم فأمضاہ علیہم ۔

عبداللہ بن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباسؓ کی سند
سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کے عہد کے شروع کے دوٗ
برسوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ تو عمرؓ بن خطاب
نے کہا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلدی کی
جس میں اُن کے لئے غور وفکر کا موقع تھا، تو کیوں نہ ہم اُن پر
تین طلاق لازم کردیں تو انہوں نے اُن پر تین طلاقیں لازم کردیں۔"

(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۹۷)

حافظ ابن حجرؒ نے روایت پر کئے گئے چار اعتراضات میں سے تین کا جواب تو خود دے دیا، مگر تیسرے اعتراض کا ذکر کرکے خاموش ہو گئے ہیں، اُنھوں نے اسے قوی خیال کیا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض بھی قوی نہیں ہے۔ ابوداؤد نے "البتۃ" کی روایت کو طلاقِ ثلاث کی اُس روایت سے صحیح تر قرار دیا ہے جو انہوں نے ابن جریج سے روایت کی ہے۔ اس روایت کی سند میں مجہول راوی موجود ہے اور وہ یقیناً ضعیف ہے۔ مُسند احمد کی مذکورہ روایت کو ابوداؤد نے روایت نہیں کیا ہے، نہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی موجود ہے، نہ اس روایت کے مقابلہ میں اُنھوں نے طلاقِ البتۃ والی روایت کو صحیح تر بتایا ہے۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ کسی راوی نے غلطی سے "البتۃ" کو "ثلاث" کے ہم معنی سمجھ کر "البتۃ" کے بجائے "طلاق ثلاث" کی روایت کردی ہو۔ کیونکہ یہاں صرف دوٗ لفظوں کا فرق نہیں ہے، بلکہ دوٗ واقعات الگ الگ ہیں۔ ایک روایت کی رُو سے رُکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتّہ دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا کہ میری نیت ایک کی تھی۔ آپ نے قسم دلائی اور نیت کے مطابق فیصلہ کردیا۔ روایت اس باب میں خاموش ہے کہ اگر وہ تین کی نیت بتاتے تو آپ کیا فیصلہ فرماتے؟ —— دوسری روایت کی رُو سے واقعہ اس کے برعکس یہ ہے کہ رکانہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کس طرح کی طلاق دی؟

کہا تین طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا، ایک مجلس میں؟ رکانہ نے کہا، ایک ہی مجلس میں۔ آپ نے فرمایا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی۔ تو اگر تم چاہو تو رجوع کر لو۔ تو انھوں نے رجوع کر لیا۔ اس روایت کی رو سے نہ آپ نے نیت پوچھی، نہ رکانہ نے ایک کی نیت بتائی، نہ آپ نے حلف لی، بلکہ رکانہ نے صراحت کی کہ میں نے تین طلاق دی اور ایک مجلس میں دی۔ یہ سن کر آپ نے اُسے ایک طلاق قرار دیا اور رجوع کرنے کا رکانہ کو حق دے دیا — بہرحال یہ دو واقعے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اِن میں سے ایک ہی روایت صحیح ہو سکتی ہے۔ یہ صرف "البتہ" اور "طلاقِ ثلاث" کے اشتباہ کی بات نہیں ہے۔

امام ابنِ تیمیہؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ھٰذا الحدیث قال فیہ ابن إسحٰق حدثنی داؤد، وداؤد من شیوخ مالکٍ و رجال البخاری. وابن إسحٰق إذا قال حدثنی فھو ثقۃ عند أھل الحدیث وھٰذا إسنادٌ جیدٌ۔	"اس حدیث میں ابن اسحٰق نے کہا، حَدَّثَنِیْ دَاؤدُ (مجھ سے داؤد نے بیان کیا) اور داؤد مالک کے شیوخ میں سے ہیں اور بخاری کے رُواۃ میں سے۔ اور ابنِ اسحٰق جب حَدَّثَنِیْ کہیں تو محدثین کے نزدیک ثقہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اچھی اسناد ہے۔"

امام ابنِ قیمؒ "اعلام الموقعین" میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقد صحح الإمام أحمد ھٰذا الإسناد وحسنہ فقال فی حدیث عمرو بن شعیبٍ عن أبیہ عن جدہٖ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ردّ ابنتہٗ علی أبی العاص بمھرٍ جدیدٍ ونکاحٍ جدیدٍ ھٰذا حدیثٌ ضعیفٌ أو قال واہٍ لم یسمعہ حجاج عن عمرو بن شعیبٍ وإنما سمعہٗ عن محمد بن عبید اللّٰہ العرزمی، والعرزمی لا یساوی حدیثہٗ شیئًا۔	"امام احمد نے اس سند کو صحیح بتایا ہے اور اس کی تحسین کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اُس حدیث کے بارے میں جسے عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو ابوالعاص کے پاس واپس بھیجا نئے مہر اور نئے نکاح سے۔ اس حدیث کو انہوں نے ضعیف یا لغو بتایا اور کہا کہ حجاج نے عمرو بن شعیب سے اسے نہیں سنا بلکہ محمد بن عبید اللہ عرزمی سے سنا اور عرزمی کی حدیث کوئی قیمت نہیں رکھتی۔"

اِسی سلسلۂ کلام میں مزید فرماتے ہیں۔

والحديث الصحيح الذي روى أن النبي صلى الله عليه وسلم أقرهما على النكاح الأول وإسناده هو إسناد حديث ركانة بن عبد يزيد، هذا وقد قال الترمذي فيه ليس بإسناده بأس فهذا إسناده صحيح عند أحمد وليس به بأس عند الترمذي فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده ما هو نظيره أو أقوى منه۔

"اور صحیح حدیث وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کی گئی ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی اور اُن کے شوہر کو (اسلام لانے کے بعد) پہلے نکاح پر قائم رکھا۔ اور امام احمد کے پاس اس کی سند بعینہٖ رکانہ بن عبد یزید کی روایت کی سند ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تو یہ سند امام احمد کے نزدیک صحیح ہے اور ترمذی کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تو وہ حجت ہے جب تک اس سے قوی روایت اس کے معارض نہ ہو اور یہاں تو اس جیسی یا اُس سے قوی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔"

(اعلام الموقعین۔ جلد ۲، صفحہ ۲۵)

ابوداؤد کی ترجیح پر امام ابنِ تیمیہؒ کی تنقید بیان کرتے ہوئے امام ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں۔

قال شيخنا رضي الله عنه أبو داؤد لما لم يرو في سننه الحديث الذي في مسند أحمد يعني الذي ذكرناه آنفا فقال حديث البتة أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثا لأنهم أهل بيته ولكن الأئمة الأكابر العارفون بعلل الحديث والفقه كالإمام أحمد وأبي العقيل والبخاري ضعفوا حديث البتة وبينوا أن رواته قوم مجاهيل لم تعرف عدالتهم وضبطهم. وأحمد ثبت حديث الثلاث وبين أنه الصواب وقال

"ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) نے کہا، ابوداؤد نے اپنی سنن میں وہ حدیث روایت نہیں کی جو مسند احمد میں ہے یعنی جسے ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ حدیث البتہ ابن جریج کی روایت سے صحیح تر ہے جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ کیونکہ اس حدیث کی روایت کرنے والے رکانہ کے گھر کے لوگ ہیں۔ لیکن حدیث کے بڑے بڑے امام جو حدیث کی علتوں اور فقہ سے واقف ہیں، مثلاً امام احمد، ابن عقیل اور بخاری۔ انہوں نے حدیث البتہ کو ضعیف قرار دیا ہے اور انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول لوگ ہیں جن کی عدالت اور انضباط کے بارے میں معلومات نہیں، اور امام احمد نے تین طلاق والی روایت کو ثابت

حدیث رکانة لا یثبت أنّہ طلّق امرأتہ البتّة وفی روایة عنہ حدیث رکانة فی البتّة لیس بشیٔ لأنّ ابن إسحٰق یرویہ عن داؤد بن حصین عن عکرمة عن ابن عبّاس أنّ رکانة طلّق امرأتہ ثلاثًا وأھل المدینة یسمّون الثلاث البتّة۔ قال الأثرم قلتُ لأحمد حدیث رکانة فی البتّة فضعّفہ۔	ٹھہرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہی روایت صحیح ہے اور انہوں نے کہا کہ رکانہ کی وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی، ثابت نہیں ہے اور اُن سے ایک روایت یہ ہے کہ رکانہ کی حدیث البتہ کوئی وزن نہیں رکھتی۔ کیونکہ ابن اسحٰق نے داؤد بن حصین سے انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور اہلِ مدینہ تین طلاقوں کو بتہ کہتے ہیں۔ اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے رکانہ کی حدیثِ بتہ کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے اس کی تضعیف کی۔

(اعلام الموقعین۔ جلد ۲، صفحہ ۲۵)

ایک اور بات قابلِ ذکر ہے، اور وہ یہ کہ لوگ مُسند احمد کی روایت اور ابو داؤد کی ابنِ جریج والی روایت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں گویا دونوں ایک ہی روایتیں ہیں اور فرق صرف سند کا ہے۔ حالانکہ دونوں میں سند کے علاوہ متن کا کھلا ہوا فرق ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ تمام روایات کی رُو سے ــــ "البتہ" والی روایات ہوں یا طلاق ثلاث والی ــ واقعہ کا تعلق رکانہ اور اُن کی بیوی سے ہے۔ پھر اس روایت میں واقعات بالکل دوسرے ہیں، جو نہ مُسندِ احمد کی روایت میں ہے اور نہ ابو داؤد کی البتہ والی روایت میں۔ اس طرح ابنِ جریج کی روایت ایک الگ روایت ہے اور اس کا دوسری روایات سے کوئی معارضہ نہیں ہے۔ اصل معارضہ ابو داؤد کی طلاق البتہ والی اور مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت میں ہے اور دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے، اور گذشتہ تصریحات کی رُو سے مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت کو ابو داؤد کی طلاقِ البتہ والی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ ابو داؤد کی طلاقِ البتہ والی روایت کی طرح مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت پر بھی کلام کیا گیا ہے اور سچّی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی قطعی اور آخری بات کہنا مشکل ہے۔ اب یا تو اختلاف اور اضطراب کی وجہ سے دونوں روایتوں کو

ساقط قرار دیجئے۔ اِس صورت میں صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت رہ جائے گی اور یہ بات کہ قرآن مجید سے تین طلاق کا، طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ آیات کے ظاہر الفاظ اس کے خلاف جاتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت کو ترجیح دیجئے۔ اس صورت میں تنہا اس حدیث سے نہیں ___ کہ اس کے صحیح ہونے میں کچھ لوگوں کو کلام ہے ___ بلکہ صحیح مسلم کی روایت سے مِل کر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ نہیں ہوتی۔ قرآن مجید سے استدلال اس کے علاوہ ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ابوداؤد کی طلاقِ البتّہ والی روایت کو ترجیح دیجئے۔ مگر یہ روایت ایک طرف تو صحیح مسلم کی صحیح روایت سے ٹکراتی ہے ___ اگر طلاق البتّہ والی روایت کا یہ مفہوم لیا جائے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے ___ دوسری طرف ایک ضعیف حدیث سے، خواہ وہ دوسری ضعیف حدیث کے مقابلہ میں راجح ہی کیوں نہ ہو، عورت کی حُرمتِ مغلّظہ جیسا حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ اس میں یہ بات صراحتہً موجود بھی نہ ہو۔

اوپر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ اور اجماعِ اُمّت سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اس کے برعکس صحیح مسلم اور مُسند احمد کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ نہیں ہے۔ وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ ائمہ اور علماءِ حق کی عظیم اکثریت اگرچہ کہ یہ رائے رکھتی ہے کہ یہ طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہے، لیکن علماء کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اس رائے کی قائل ہے کہ یہ طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ نہیں ہے اور یہی ہمارے نزدیک قولِ راجح ہے۔

لیکن اس قول کو قولِ مرجوح بھی قرار دیا جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ کتاب و سُنّت کی رُو سے اس قول کے اختیار کئے جانے کی گنجائش ہے، اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ حالات و ضروریات اور مصالحِ اُمّت کے تحت قولِ مرجوح پر فتویٰ دیا جائے۔ علماءِ حق نے بارہا ایسا کیا ہے۔ اس وقت کے حالات میں مسلمانوں کا سب سے

سنگین مسئلہ یہ ہے — اور ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ نہ اجماعی ہے، نہ کتاب اللہ و سُنّتِ ثابتہ کی رُو سے صریح و منصوص، بلکہ اختلافی اور اجتہادی مسئلہ ہے — اس لئے اس میں قولِ مرجوح کو اختیار کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ میں علماءِ اُمّت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات و ضروریات کے تحت اس مسئلہ پر از سرِ نو غور فرمائیں اور ہزاروں لاکھوں خاندانوں کو تباہی سے بچائیں۔

میری اِن معروضات سے سوال نمبر۳ اور نمبر۴ کا جواب تو واضح طور پر سامنے آگیا۔

اب میں پہلے اور دوسرے سوال کا جواب عرض کروں گا۔

نمبر ۱:۔ میرے نقطۂ نظر سے تو اِس سوال کا جواب واضح ہے۔ طلاق، طلاق، طلاق کہے اور نیت ایک کی رکھے یا تین کی، اگر قائل نے یہ الفاظ ایک ہی مجلس میں کہے ہیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ نیت ایک کی ہو یا تین کی، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ حنفی نقطۂ نظر سے بھی اس صورت میں جبکہ طلاق دینے والا کہے کہ میری نیت ایک ایک طلاق کی تھی۔ میں نے تو صرف تاکید کے لئے تین بار طلاق کہا تھا۔ دیانۃً ایک ہی طلاق ہوگی، مگر قضاءً تین طلاق شمار ہوگی — وقت آگیا ہے کہ حنفی فقہاء دیانت اور قضاء کے اس فرق کو ختم کر کے نیّت کے مطابق فتویٰ دینے کا فیصلہ کریں۔

یہ بات تو عربی زبان کی ہے۔ جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے، یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ "طلاق، طلاق، طلاق، یا طلاق دی، دی، دی، یا طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی"۔ ان سب الفاظ کا تعداد کے لئے نہیں، تاکید کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب تک کوئی واضح قرینہ تعداد کے لئے نہ ہو، ان الفاظ کو تاکید ہی پر محمول کرنا چاہیئے اور نیت کی کھوج میں نہ پڑنا چاہیئے۔ لیکن اگر طلاق دینے والا صراحۃً کہہ رہا ہے کہ اس کی نیت ایک طلاق کی تھی تو لازماً اس کی بات مان لینی چاہیئے۔ کیونکہ یہی بات ظاہرِ الفاظ کے بھی مطابق ہے۔

نمبر ۲:۔ ہندوستان میں جہالت عام ہے۔ عوام ہی نہیں بہت سے وکلاء تک یہی سمجھتے ہیں کہ طلاق کی ایک ہی شکل ہے اور وہ یہ کہ تین طلاق کے الفاظ بولے یا لکھے

جائیں ۔ اِس صورت میں اگر کوئی شخص حلفیہ یہ بیان دیتا ہے کہ اس کی مراد تین طلاق کے الفاظ سے صرف طلاق دینے کی تھی، تعداد مراد نہ تھی، تو اس کے بیان کو باور کر لینا چاہئے۔

جہاں تک میرے نقطۂ نظر کا تعلق ہے، آدمی تین طلاق دے یا ہزار۔ اس سے طلاقِ مغلّظہ یا بائنہ نہ پڑے گی، صرف ایک طلاق پڑے گی، خواہ وہ تین یا ہزار دینے کی نیّت کرے یا اُس کا مقصود صرف طلاق دینا ہو۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود نہ فتویٰ دینا ہے، نہ بحث ومناظرہ کا باب وا کرنا ہے — یہ اہلِ علم کے غور و فکر کے لئے بصد ادب پیشِ خدمت ہے۔ شاید اس سے انھیں اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کے سلسلے میں کوئی مدد مل سکے۔

اِن اُرید اِلّا الاِصلاح ما استطعتُ، وما توفیقی اِلّا باللہ علیہ توکّلت و اِلیہ اُنیب، واٰخر دعوٰنا اَن الحمد للہ ربِّ العٰلمین
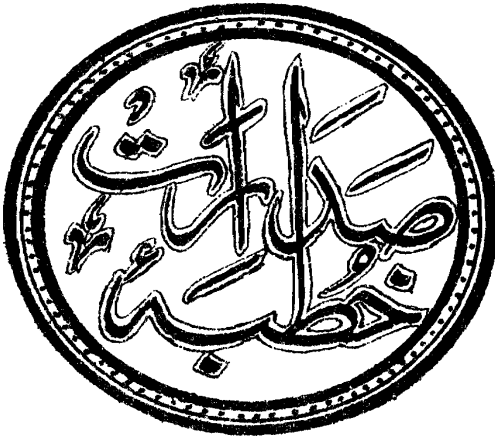
خطبہ صدارت
از
جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب
صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت

مقالہ نگار حضرات جب اپنے مقالات سُنا کر فارغ ہو گئے تو مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے خطبۂ صدارت پیش فرمایا، جو سیمینار کی اب تک کی کارروائی پر ایک وقیع تبصرہ کی حیثیت رکھتا تھا، نیز جس میں شرکاء سے نقطۂ اتفاق اور نقطۂ اشتراک تلاش کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ مولانا موصوف کا یہ خُطبہ جو تقریر کی صورت میں تھا، افسوس ہے کہ ٹیپ ریکارڈر کی خرابی کی وجہ سے ٹیپ نہ ہو سکا۔ تاہم اس کے جو نوٹ لئے گئے تھے اُن کے پیشِ نظر خُطبۂ صدارت کا خُلاصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے ــــــــ

حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اِس مذاکرہ میں جو مقالات پیش کئے گئے ہیں وہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ درجہ کے مقالے ہیں۔ مقالہ نگار علماءِ کرام نے نہایت محققانہ انداز میں طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر بحث کی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کچھ مزید اہلِ علم اس سیمینار میں شرکت فرماتے تو کس قسم کے خیالات کا اظہار فرماتے۔ جہاں تک علماءِ احناف کا تعلق ہے وہ ان مقالات کو پڑھ کر کیا رائے دیتے ہیں، اُس پر میں اِس وقت کچھ کہنے کے موقف میں نہیں ہوں۔

زمانے کی ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں سے قطعِ نظر کر کے غور کیا جائے تو طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ میں دو فقہی مسلک (School of thoughts) ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک فقہی مکتب وہ ہے جو یکجائی تین طلاقوں کو مغلظہ قرار دیتا ہے، لیکن دوسرا ایک کے وقوع کا قائل ہے۔ اوّل الذکر کے سامنے جدید حالات و ضروریاتِ زمانہ اور اِس سلسلہ کی دوسری مشکلات لاکھ بیان کریں، لیکن وہ اپنے فیصلہ میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ شوہر کو کس نے مجبور کیا تھا کہ تین طلاق دے۔ لیکن ہمیں اِس وقت ان اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ شریعت کا حکم اصلاً اس سلسلہ میں کیا ہے۔

طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر سیمینار منعقد کرنا ایک نہایت جُرأت مندانہ قدم ہے جس کے لئے اسلامک ریسرچ سنٹر کے ارکان قابلِ مبارکباد ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور حالات و زمانہ کی تبدیلی کے باعث اس کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی

ہیں، اِس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر مختلف مسالک کے علماءِ کرام بیٹھ کر غور کریں اور اُن مشکلات پر قابو پانے کی کوئی سبیل نکالیں جن سے مسلمان دوچار ہیں۔

بمبئی میں جو بے مثال آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن منعقد ہوا تھا اُس کے سامنے بھی یہ مسئلہ کسی نہ کسی حیثیت سے موجود تھا، لیکن اُس وقت ہمیں صرف اِس بات پر غور کرنا تھا کہ مسلم پرسنل لا میں حکومت کو مداخلت یا ترمیم و تنسیخ کا حق ہے یا نہیں ـــ لیکن اِس وقت تین طلاق کا مسئلہ اُبھر کر سامنے آگیا ہے اور جدید حالات کے کچھ تقاضے بھی سامنے آرہے ہیں، ان میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے، اس پر غور ہونا چاہیئے اور مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک ریسرچ سنٹر نے یہ قدم اُٹھا کر ایک راستہ کی نشاندہی کردی ہے۔ میری یہ خواہش ہوگی کہ یہاں جو کچھ طے ہو وہ سب اُٹھا کر پرسنل لا بورڈ کے سامنے رکھ دیا جائے۔ اسی طرح اتحاد و تعاون سے کوئی بڑا کام ہوسکتا ہے، ورنہ انتشار پیدا کرنا تو آسان ہے' اتفاق و یکجہتی کی فضا بڑی مشکل سے بنتی ہے۔ اس سیمینار میں مختلف مکتبِ فکر کے لوگ شریک ہیں، لیکن کوشش کی جائے تو ایک مشترک نقطۂ نظر سامنے آسکتا ہے۔

یہاں جو مقالات پڑھے گئے ہیں اُن کی علمی حیثیت کا جہاں تک تعلق ہے تمام ہی پہلو نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ ان میں حنفی نقطۂ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے، اہلِ حدیث مسلک بھی سامنے آگیا ہے اور ایک طرزِ فکر وہ بھی پیش کیا گیا ہے جو اِن دونوں کے درمیان ہے۔ مولانا عروج قادری صاحب نے حنفی نقطۂ نظر کو وضاحت سے پیش کیا ہے تاہم موصوف نے حالات کے پیشِ نظر ایک اعتدال کی راہ بھی دکھائی ہے۔ مولانا مختار احمد ندوی اور مولانا عبید الرحمٰن صاحب مبارک پوری نے اہلِ حدیث طرزِ فکر سے بحث کی ہے۔ مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب اور مولانا شمس پیرزادے صاحب نے موضوع پر وسیع النظری کے ساتھ بحث کی ہے۔ نیز مولانا حامد علی صاحب نے بڑی کاوش کے بعد ایک گراں قدر اور مبسوط مقالہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں اس سلسلہ کی ایک ایک حدیث کی تنقیح و تنقید مناسب انداز پر کی ہے۔

اُئمہ اربعہ کی نظروں سے مسئلہ کے یہ پہلو کیسے اوجھل رہے؟ یہ بات سمجھ میں

نہیں آتی۔ خصوصاً امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں جنہیں دس لاکھ حدیثیں اسناد و متن کے فرق کے ساتھ حفظ تھیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زمانہ میں کچھ معاشرتی مسائل کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ مسلم عورتیں اپنے غیر مسلم آشناؤں کے ساتھ اسلام چھوڑ کر چلی جا رہی تھیں۔ اس لئے موصوف نے پیش آمدہ مسائل پر علماء سے مشورہ کیا اور "الحیلۃ الناجزۃ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں ان مسائل کا حل تجویز کیا گیا ہے۔

ہمارے علماء پوتے کی وراثت کے سلسلہ میں تو کچھ توسّع پیدا کرتے ہیں، لیکن تطلیقاتِ ثلاثہ کے باب میں کہا جاتا ہے کہ اس پر اجماع ہے لہٰذا ترمیم کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ اجماع اِس قسم کا نہیں ہے کہ اس کے بعد کلام کی گنجائش نہ ہو، بلکہ یہ اجماع سکوتی ہے۔

نئے حالات و مسائل ہی نے فقہ کی تدوین کا احساس دلایا تھا۔ مدینہ میں تو صحابہ کرامؓ کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے کتاب و سُنّت کافی تھے۔ البتّہ جب صحابہؓ آگے بڑھے تو کوفہ و بصرہ وغیرہ میں نئے حالات اور نئے مسائل سامنے آئے۔ چنانچہ علماء مجتہدین نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور فقہ کی تدوین کی اور ساتھ ہی مختلف مسائل کی اصل اور نصّ واضح کی۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کے مسئلہ میں حنفی نقطۂ نظر یہ ہے کہ یکجائی تین طلاقیں تین ہی پڑیں گی۔ لیکن احناف کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ ایک سے زیادہ طلاق اگر تاکید کے لئے ہے یا نیّت تین دینے کی نہیں تھی تو تین واقع نہیں ہوں گی۔ قاضی خان میں "فاء" کی بحث موجود ہے۔ یعنی "فَاَنْتِ طَالِقٌ" کہنے کا کیا اثر طلاق پر پڑتا ہے۔ لوگ جہالت کی وجہ سے تین طلاق دے دیتے ہیں، لیکن ان کی نیّت تین کی نہیں ہوتی۔ اِس لئے یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔ طلاقِ بدعی کو اُسوۂ حسنہ کی حیثیت نہیں دی جانی چاہیئے۔ جو لوگ تین کے قائل ہیں اُن کے یہاں بھی ایسی شکلیں ہیں کہ ایک کی گنجائش نکل سکتی ہے ہمیں چاہیئے کہ یہاں ہم جو بھی فیصلہ کریں، اتّفاقِ رائے سے کریں اور اس بات

کا بھی لحاظ رکھیں کہ کچھ خواتین ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو مرد سے کسی قسم کا تعلق باقی ہی نہ رکھنا چاہتی ہوں۔ علاوہ ازیں اِس سلسلہ میں جو دشواریاں آئندہ پیدا ہو سکتی ہیں، نیز جو غلط فہمیاں ہو سکتی ہیں، ان کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔

طلاق کے صحیح طریقہ کی تشہیر وسیع پیمانہ پر کی جانی چاہیئے۔ اِسلامک ریسرچ سنٹر کو چاہیئے کہ اس سلسلہ میں جدّوجہد کرے۔ اس وقت جو مذاکرہ ہو رہا ہے، ملک میں بہت سے لوگوں کو اِس کا علم بھی نہیں ہے۔ اس کی تشہیر ہونے کے بعد جو مسائل کھڑے ہوں گے، اُن کا ہمیں سامنا کرنا ہوگا۔ بہرحال ہم وقت کے مسائل اور ملّت کی ضرورتوں سے صَرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کے سیمینار اور بھی منعقد کئے جائیں تاکہ مسائل منقّح ہوں اور اُن کا حل اُبھر کر سامنے آئے۔

وما علینا الّا البلاغ

طلاق کے معاملہ میں احتیاط اور اصلاح کی ضرورت

از

شمس پیرزادہ

امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رشتۂ نکاح کی اہمیت

نکاح وہ مضبوط بندھن ہے جس میں مرد و عورت ایک عہد و پیمان کے ذریعہ بندھ جاتے ہیں۔ اس بندھن کے معاشرتی زندگی پر نہایت گہرے اثرات مرتّب ہوتے ہیں، اِس لئے اسلام اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مُستحکم بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں نکاح کو میثاقِ غلیظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَاَخَذْنَ مِنْکُمْ مِّیْثَاقاً غَلِیْظاً (نساء-۲۱) "اور وہ تم سے میثاقِ غلیظ (پختہ عہد) لے چکی ہیں"

اِس رشتہ کو میاں بیوی کے درمیان محبت و اُلفت اور مودّت و رحمت کا ذریعہ بنایا گیا ہے تاکہ دونوں کو راحت و سکون حاصل ہو اور وہ نہایت خوشگوار زندگی بسر کر سکیں۔

وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً (روم-۲۱) "اور اُس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی"

ھُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا (اعراف-۱۸۹) "اُس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے"

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (بقرہ-۱۸۸) "وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو"

یعنی تمہارے درمیان نکاح کا تعلّق ویسا ہی ہے جیسا جسم اور لباس کے درمیان ہوتا ہے۔ لباس جسم سے متّصل ہوتا ہے، اسی طرح زوجین کے دل ایک دوسرے سے متّصل ہوتے ہیں۔ لباس ستر پوشی کرتا ہے، اسی طرح زوجین ایک دوسرے کی ستر پوشی کرتے ہیں۔ لباس خارجی اثرات سے جسم کو بچاتا ہے، اسی طرح زوجین ایک دوسرے کو عزّت پر اثر انداز ہونے والی باتوں سے بچاتے ہیں۔ لباس جسم کے لئے زینت ہے، اسی طرح زوجین بھی ایک دوسرے کے لئے زینت ہیں۔

طلاق دینے میں احتیاط

ازدواجی تعلّق کی اِس اہمیت کے پیشِ نظر جو مرد و زن رشتۂ نکاح میں بندھ چکے ہیں، اُن کو باہم جمع رکھنے کی انتہائی کوشش کی جانی چاہئے۔ لیکن جب موافقت کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہنے پر اصرار مناسب نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے علٰحدگی کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ بالفاظ دیگر طلاق ایسی صورت میں دی جانی چاہئے جبکہ ناگزیر ہو۔ بیوی میں اگر کوئی عیب، خامی یا کمزوری موجود ہے تو اس پر طلاق کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے :-

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء ۱۹)

"اُن کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے اُس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

اگر بیوی میں ایک نقص ہو تو اُس کے بالمقابل خوبیوں کے دوسرے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں مثلاً بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت خوبصورت نہیں ہوتی، لیکن خوب سیرت ہوتی ہے۔ لہٰذا تنگ نظری سے کام لے کر عیوب و نقائص کو دیکھنے کے بجائے وسیع النظری سے کام لے کر اُن اچھائیوں اور خوبیوں کو دیکھنا چاہئے جو ازدواجی زندگی کے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔ (مسلم)

"کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی ایک عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری عادت پسندیدہ ہوگی۔"

اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عورتیں عموماً جذباتی ہوتی ہیں، اس لئے وہ اُلجھتی زیادہ ہیں۔ اس کا کوئی اثر قبول کرنے کے بجائے مرد کو معاملہ فہمی سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ قوّام ہونے کی حیثیت سے اُس کا کام ہی مسائل کو حل کرنا اور اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سُلجھانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے موثر انداز میں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے :

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ (متفق علیہ)

"عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو، کیونکہ انہیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ کر رکھ دوگے اور اُس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ اپنے حال پر رہے گی۔ اس لئے عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک ہی کرنا چاہئے۔"

دوسری حدیث میں ہے :-

إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَإِنَّ كَسْرَهَا طَلَاقُهَا۔

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کبھی سیدھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر تم اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو اسی حال میں فائدہ اُٹھا سکتے ہو کہ وہ ٹیڑھی رہے۔ تم اسے سیدھی کرنے جاؤ گے تو توڑ کر رکھ دو گے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے۔"

طلاق کے اثرات معاشرتی زندگی پر

اسلام نے طلاق کو نہایت ہی ناپسندیدہ چیز قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ (ابوداؤد)

"اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"

طلاق کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور طلاق کے نتیجہ میں متعدد مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں :-

(۱) اگر بیوی سے اولاد ہے تو اُن کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور ماں باپ کی جُدائی سے بچوں کی نفسیات پر بُرے اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں۔

(۲) میاں بیوی کے گہرے میل ملاپ کے بعد جدائی سخت ذہنی کوفت کا باعث بن جاتی ہے اور دل بھی زخمی ہو جاتے ہیں۔

(۳) بیوی کے لئے گذربسر کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے ہمارے ملک میں جہاں پہلے سے معاشی حالات خراب ہیں اور روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں، ایک عورت کو طلاق کی صورت میں جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۴) موجودہ حالات میں عورت کے لئے عقدِ ثانی کرنا آسان نہیں ہے اور عام طور سے اُسے بغیر عقد کئے ہی زندگی گذارنا پڑتی ہے۔ اِس لئے طلاق اُسی صورت میں دینا چاہیے جبکہ بالکل ناگزیر ہو، لیکن آخری طور سے طلاق دینے کا فیصلہ کرنے سے پہلے مصالحت کی ایک کوشش حَکَم کے ذریعہ کی جانی چاہیئے۔ یعنی عورت اور مرد دونوں کی طرف سے ایک ایک نمائندہ ہو جو باہم موافقت کے لئے کوشش کرے۔ اگر خدانخواستہ یہ کوشش کامیاب نہ ہو تو پھر طلاق دینے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

ایسی صورت میں جبکہ طلاق ناگزیر ہو تو طلاق دینے کا شرعی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ: (۱) صرف ایک طلاق دی جائے۔ یعنی شوہر بیوی سے کہے کہ "میں نے تجھے طلاق دی" یا "تجھے طلاق ہے" بس ایک طلاق دینے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ (۲) طلاق دُو عادل گواہوں کی موجودگی میں دی جائے۔ (۳) حالتِ طُہر میں طلاق دی جائے۔ یعنی اُن دنوں میں جن میں عورت کو ماہواری آئی ہوئی نہ ہو اور اس حالتِ طہر میں اُس نے مجامعت بھی نہ کی ہو۔ یعنی ماہواری گذرنے کے بعد عورت پاک صاف ہوئی ہو اور اس پاکیزگی کی حالت میں مرد نے مقاربت نہ کی ہو۔ (۴) ایک طلاق دینے کے بعد عِدّت گذرنے دی جائے۔ عِدّت تین ماہواری تک ہے۔ یا اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک ہے اور جس عورت کو ایام نہ آتے ہوں اُس کی عدّت تین ماہ ہے۔ یعنی جس دن طلاق دی تھی اُس دن سے تین قمری ماہ تک۔ عدّت کے اندر مرد رجوع کر سکتا ہے۔ رجوع کے لئے صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ "میں نے رجوع کر لیا"۔ البتہ دُو عادل گواہوں کی موجودگی میں رجوع کیا جائے۔ (۵) عدّت کے اندر اگر رجوع نہیں کیا ہے تو عدّت گذرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ یعنی مرد کو اب رجوع کا حق باقی نہیں رہا۔ لیکن مرد اور عورت دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

طلاق کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس لئے اگر غصّہ کی حالت میں طلاق کا فیصلہ کیا گیا تھا تو عدت کے گزر جانے کے بعد بھی دوبارہ نکاح کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے اور پچھتانے کی نوبت نہیں آتی۔

قرآن و سنّت کی رُو سے طلاق دینے کا صحیح اور بہترین طریقہ یہی ہے۔

طلاق دینے کا غلط طریقہ

اس کے برعکس طلاق دینے کا غلط اور غیر شرعی طریقہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں چنانچہ عام طور سے یہ بات سامنے آتی رہتی ہے کہ مرد نے غصّہ میں آکر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالیں۔ ایسی طلاق طلاقِ بدعت کہلاتی ہے جو کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ شریعت نے مرد کو طلاق دینے کا جو اختیار دیا ہے اُس کو اُسی طریقہ پر استعمال کرنا چاہیے جو طریقہ شریعت نے اس کے استعمال کا مقرر کیا ہے۔ اس طریقہ سے ہٹ کر اس اختیار کو من مانے طریقہ پر استعمال کرنا دین کے ساتھ مذاق کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلافِ سُنّت، بدعت اور صریح گناہ کا کام ہے۔ اس سے پھر ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے اور ایک واقع ہونے کا مسئلہ۔ جو اُمت کے درمیان بڑا اختلافی مسئلہ ہے۔ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اِس مخمصہ میں آدمی اپنے کو ڈالے ہی کیوں؟ لیکن جو لوگ اپنے کو اس مخمصہ میں ڈالتے ہیں وہ اس سے نکلنے کی بڑی قبیح صورت اختیار کرتے ہیں۔ یعنی بیوی کو ایک دن کے لئے کسی کے نکاح میں دے کر حلالہ کرانے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس کو حدیث میں مستوجبِ لعنت قرار دیا گیا ہے۔

عام طور سے لوگ دین کے احکام سے عدم واقفیت کی بنا پر یا اس سے بے پرواہ ہو کر طلاق دینے کا غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں اور نتیجۃً صرف اپنے لئے ہی نہیں بلکہ معاشرہ کے لئے بھی مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ معاشرتی زندگی کے ان اُلجھے ہوئے مسائل کو دیکھ کر اسلام کے مخالفین شریعت اور مسلمانوں کے پرسنل لاء ہی کو نشانہ بنانے اور شرعی قوانین میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان طلاق کے معاملہ میں اسلام کے احکام سے واقفیت حاصل کریں اور حالات سے متاثر ہو کر یا جذبات سے مغلوب ہو کر بیک وقت تین طلاقیں دینے کا غلط اور غیر شرعی طریقہ ہرگز ہرگز اختیار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کے احکام پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبدالرحمٰن شیخ نے رحیمی پریس بمبئی ۸ میں چھپوا کر اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد سے شائع کیا۔

اعتراضات کے جوابات

طلاق بندوق کی گولی نہیں ہے

از مولانا سید احمد عروج قادری صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "زندگی" رامپور

(ایڈیٹر ماہنامہ "تجلی" دیوبند مولانا عامر عثمانی صاحب نے اپنے پرچہ میں مولانا عروج قادری صاحب کے مقالہ پر جو تبصرہ کیا تھا، اس کا جواب مولانا عروج قادری صاحب نے انہیں ایک مراسلہ کی شکل میں روانہ فرمایا ہے۔ ذیل میں اسی مراسلہ کی نقل شائع کی جارہی ہے ـــــ مرتب)

مکرمی و محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بیک مجلس یا بیک کلمہ تین طلاقوں کے مسئلہ پر رام پور میں آپ نے جو گفتگو کی تھی میں برابر اس پر غور کرتا رہا اور اب طلاق نمبر کے مطالعہ کے بعد بھی اس پر غور کیا۔ آپ نے میرے دونوں مقالوں پر اجمالاً جو کچھ لکھا ہے، اس کو بغور پڑھنے کے بعد بھی مجھے اپنے موقف میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں اس خط میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس پر آپ غور فرمائیں۔

(۱) سیمینار والے مقالے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی دو باتوں پر آپ نے اعتراض کیا ہے: ایک یہ کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ نے پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں تو پھر کس بنیاد پر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ:

"اگر طلاق دینے والے نے اس خیال کے تحت تین کی صراحت کے ساتھ طلاق دی ہے کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو ایسی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جانا چاہئے"

اس پر آپ نے جو اعتراض کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قانون سے ناواقفیت دین و دنیا کے کسی قانون میں عذر معتبر نہیں اور اگر اس طرح کی مفروضہ جہالت جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے، تسلیم بھی کر لی جائے تو لوگوں کا جہل کسی فعل کی تاثیر میں آخر رکاوٹ کیسے بن سکتا ہے۔ اسی بات کو سمجھانے کے لئے آپ نے مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے بھری ہوئی بندوق داغ دے اور گولی کسی انسان کے سینے میں لگ جائے تو وہ زخمی ہو ہی جائے گا۔ بھولے سے داغی ہوئی گولی بے اثر نہیں رہے گی۔

میں پہلے یہ یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ کے حوالے سے میں نے جو بات لکھی ہے

اس کا تعلق علم وفہم کے ساتھ طلاق دینے سے ہے۔ میں نے مقالے کے اخیر میں صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے:

"میں اوپر مقالے میں واضح کر چکا کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں" (زندگی، طلاق نمبر، ص ۲۰)

میں نے مزید صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

"جو لوگ یہ جان کر اور سمجھ کر کہ بیک دفعہ و بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالنے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، تین طلاقیں دے ڈالیں، ایسے لوگوں کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا، میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص تین طلاقیں دینے کی نیت سے میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی کہے تو یہ تین طلاقیں ہوں گی۔ ان کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے" (ایضاً، ص ۲۰)

ان صراحتوں سے معلوم ہوا کہ میری وہ دونوں عبارتیں جنہیں آپ نے اپنے تبصرے میں نقل کیا ہے، دو صورتوں سے متعلق ہیں اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس یاددہانی کے بعد اب میں آپ کے اعتراض کے سلسلے میں عرض کرتا ہوں۔

میں نے احادیث اور فقہ کا جو مطالعہ کیا ہے اس سے یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ طلاق، بندوق کی گولی نہیں ہے۔ بیک دفعہ تین طلاقیں دینے والے "جاہل مطلق" کی طلاقوں کو بندوق کی گولی سے تشبیہ دے کر معارضہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ بندوق کی گولی کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی پاگل بھی کسی شخص کے سینے پر تین گولیاں داغ دے تو تینوں اس کے سینے میں پیوست ہو جائیں گی، لیکن اگر وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو ایک بھی واقع نہیں ہوگی اور اس پاگل کے الفاظِ طلاق ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے۔

دوسری مثال:۔ زید سویا ہوا ہے اور بھری ہوئی بندوق اس کے بغل میں رکھی ہوئی ہے۔ نیند میں اس کا ہاتھ لبلبی پر پڑ جاتا ہے، گولی نکلتی ہے اور اس کی بیوی کو زخمی کر دیتی ہے۔ اور یہی زید نیند میں اپنی بیوی کو ایک، دو، تین طلاقیں دے ڈالتا ہے۔ کیا یہ تین طلاقیں اس کی بیوی پر واقع ہو جائیں گی؟ نہیں۔ ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی۔

تیسری مثال:۔ زید نے ناواقفیت میں گنے کا ایسا رس پی لیا جس میں نشہ پیدا ہو گیا تھا اور اس نشے میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ یہ طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

چوتھی مثال:۔ زید نے جان بوجھ کر شراب پی لیکن اس سے اس کے سر میں شدید درد پیدا ہو گیا اور اس نے درد کی شدت میں اپنی بیوی کو طلاق دی۔ یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

پانچویں مثال:۔ کسی نے زید کے ہاتھ میں بندوق دے کر اُس کو مجبور کیا کہ بکر پر گولی چلا دے۔ اُس نے حالتِ اکراہ میں گولی داغ دی۔ بکر زخمی ہوگیا، گولی اپنا کام کر گئی۔ اسی زید کو کسی نے مجبور کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اُس نے حالتِ اکراہ میں طلاق کی نیّت اور قصد کے بغیر محض مجبوراً اپنی بیوی کو لفظاً طلاق دے دی تو کیا الفاظِ طلاق اپنا کام کریں گے؟ مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ الفاظِ طلاق بے اثر رہیں گے اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر حالتِ اکراہ میں کتابۃً اس نے طلاق دی ہے، یعنی مُنھ سے طلاق کے الفاظ نہیں نکالے ہیں، بلکہ کاغذ پر لکھ دیئے ہیں تو فقہ حنفی کا جواب بھی یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ان مثالوں سے واضح ہوا کہ طلاق کو بندوق کی گولی سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بندوق سے گولی نکل کر اپنا کام کر جاتی ہے، خواہ بندوق چلانے والا کسی حال میں ہو۔ لیکن لفظِ طلاق ہر حال میں اپنا کام نہیں کرتا۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو یہ مسئلہ یقیناً قابلِ غور ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جان کر تین طلاقیں دے ڈالے کہ جب تک وہ تین کا لفظ استعمال نہ کرے طلاق واقع ہی نہ ہوگی اور وہ حلفیہ بیان دیتا ہے کہ اُس کی نیّت تین طلاق دینے کی نہ تھی تو کیا اُس کے لفظ کو بندوق کی گولی مان کر اس کو نافذ کر دیا جائے، یا یہ مان کر کہ وہ صرف طلاق دینا چاہتا تھا، تین کے لفظ کو بے اثر مان کر اُس کی نیّت کے مطابق ایک طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا جائے؟ ۔۔۔ میں نے پہلے بھی غور کیا تھا اور آپ کا معارضہ سُن کر اور پھر تجلّی میں پڑھ کر بھی غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس صورت میں تین کی صراحت کو غلط فہمی یا دھوکے پر مبنی سمجھ کر طلاق دینے والے کی نیّت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ فریب خوردہ کے ساتھ رعایت دین و دنیا کے ہر قانون میں معتبر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی نظیر:۔ ہمیں کتبِ فقہ میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک چالاک عورت نے اپنے بھولے بھالے شوہر کو دھوکا دے کر اس سے طلاق کے الفاظ کہلوائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاقِ بائن دے دی ہے اور اب انکار کر رہا ہے۔ اُس کے شوہر نے وہاں پہنچ کر اصل واقعہ سنایا تو انہوں نے عورت کو سزا دی اور وقوعِ طلاق کا فیصلہ نہیں کیا۔ ھدایہ کی شرح فتح القدیر میں یہ واقعہ بایں الفاظ منقول ہے:

وقد روی وکیع عن ابن أبی لیلی عن الحکم بن عُیینة عن خیثمة بن عبد الرحمٰن أن امرأۃ قالت لزوجها سمّنی فسمّاها الطیّبة

"وکیع نے ابن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے حکم بن عُیینہ سے، انہوں نے خیثمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا: میرا کوئی نام رکھو۔ اس نے اس کا نام طیّبہ رکھا۔

فقالت ما قلت شيئاً فقال هاتِ ما أسميكِ فقالت سمّني "خليّة طالق" قال فأنتِ خليّة طالق فجاءت إلى عمر فقالت له إنّ زوجي طلّقني فجاء زوجها فقصّ القصّة فأوجع عمر رأسها وقال له خذ بيدها وأوجع رأسها۔

(فتح القدیر ج ۳۔ مطبوعہ مصر، ص ۴۷)

عورت نے کہا یہ تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا۔ شوہر نے کہا، تو اب تمہیں اپنا کوئی نام بتاؤں۔ اُس نے کہا میرا نام "خلیّہ طالق" رکھو۔ شوہر نے کہا، "تو خلیّہ طالق ہے"۔ اس کے بعد وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس گئی اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ اُس کے پیچھے اُس کا شوہر پہنچا اور اس نے پورا قصہ سُنایا۔ اس کی بات سن کر حضرت عمرؓ نے عورت کے سر پر ضرب لگائی (دُرّہ مارا) اور شوہر سے کہا، اس کا ہاتھ پکڑ اور عورت کے سر پر ضرب لگائی۔

شوہر نے بیوی سے مخاطب ہو کر اس کو "انت خلیۃ طالق" کہا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن سے طلاقِ بائن پڑجاتی ہے اور یہی اس عورت کا مقصد تھا۔ حضرت عمرؓ نے، دھوکا دے کر کہلوائے ہوئے الفاظِ طلاق کو طلاق تسلیم نہیں کیا۔ شوہر نے نادانی میں دھوکا کھا کر وہ الفاظ کہہ دیئے تھے اُس کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ شاید عورت کو یہ غلط فہمی تھی کہ خواہ جس طرح بھی ہو شوہر کے مُنھ سے وہ اپنے لئے طلاق کا لفظ نکلوا دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے دُرّے نے اس عورت کو بتا دیا ہوگا کہ اُس کا خیال غلط تھا۔ لفظِ طلاق، بندوق کی گولی نہیں ہے۔

نادانی کی وجہ سے دھوکے میں الفاظِ طلاق مُنھ سے نکالنے کی ایک اور مثال، امام ابن الھمام نے خلاصہ کے حوالہ سے لکھی ہے:

قالت لزوجها اقرأ عليّ۔ اعتدّي أنتِ طالق ثلاثاً۔ ففعل طلّقت ثلاثاً في القضاء لا فيما بينه وبين الله تعالى إذا لم يعلم الزوج ولم ينو۔

(ایضاً۔ ص ۴۶)

"عورت نے شوہر سے کہا، تم مجھے یہ الفاظ سُناؤ "عدت گزار، تجھے تین طلاق"۔ شوہر نے ایسا ہی کیا تو اگر شوہر الفاظ کا مطلب نہیں جانتا تھا اور اس کی نیت بھی طلاق دینے کی نہیں تھی تو قضاءً اس عورت پر تین طلاق پڑ جائے گی لیکن اُس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان یہ طلاق واقع نہ ہوگی"۔

جہالت کی وجہ سے دھوکا کھا کر شوہر نے جو الفاظِ طلاق مُنھ سے نکالے اُس کی وجہ سے قاضی کی عدالت میں تو تین طلاق واقع ہو جائے گی لیکن دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ یعنی طلاق فی الحقیقت واقع نہ ہوگی، لیکن قاضی وقوعِ طلاق کا فیصلہ کر دے گا۔ سوال یہ ہے کہ اسی طرح کا واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا جس کا ذکر ابھی اوپر گزرا اور انھوں نے وقوعِ طلاق کا فیصلہ نہیں کیا اور اس کے ثبوت میں ابن الھمام نے یہ واقعہ فتح القدیر میں نقل کیا ہے تو پھر فریب دہی کے

اس واقعے میں جس کا ذکر خلاصہ کے حوالہ سے گذرا، قاضی یہ فیصلہ کیوں نہیں کرے گا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی؟ بہرحال فقہ حنفی یہ تو صراحۃً کہہ رہی ہے کہ نادانی کی وجہ سے قصدِ طلاق کے بغیر بھی طلاق کے الفاظ منھ سے نکل جائیں تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ اب اگر ہم یہ فیصلہ کریں کہ ایسی صورت میں قضاءً بھی طلاق واقع نہ ہوگی تو حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے پیشِ نظر اس کو بالکل بے اساس اور بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ قاضی ظاہرِ الفاظ پر فیصلہ کرتا ہے، کیونکہ دل کا حال اُسے معلوم نہیں، لیکن اگر قرینہ موجود ہو تو شوہر کے بیان پر فیصلہ کرنے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک اور مثال کُتبِ فقہ میں موجود ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں "ذخیرہ" کے حوالہ سے لکھا گیا ہے:

وإذا قال لامرأته أنت طالق ولا يعلم أن هذا القول طلاق طلقت في القضاء ولا تطلق فيما بينه وبين الله تعالیٰ

"اور جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أنتِ طالقٌ" لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ یہ قول طلاق ہے تو اُس کی بیوی پر قضاءً طلاق پڑ جائے گی لیکن اس اور اللہ تعالیٰ کے درمیان طلاق واقع نہ ہوگی۔"

(ج ۱، مطبوعہ مصر، ص ۳۵۲)

اس صورت میں بھی کہنے والے کا عدمِ علم حقیقۃً اور دیانۃً وقوعِ طلاق سے مانع بن گیا ہے۔ وہ طلاق کے صریح الفاظ "أنتِ طالقٌ" بولتا ہے، اور اس کے معنی بھی جانتا ہے لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ اصطلاحی طور پر انہیں الفاظ سے بیوی کو طلاق دی جاتی ہے۔ اس جہل کی وجہ سے اس کی بیوی پر دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ کُتبِ فقہ ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن صورتوں میں دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوتی، اُن میں مفتی تو عدمِ وقوع کا فتویٰ دے گا، البتہ اگر قاضی کے پاس مقدمہ دائر ہو جائے تو وہ وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو "أنتِ طالقٌ" کہے اور پھر بیوی سے یہ بیان کرے کہ میری نیت اس جملے سے یہ تھی کہ تو اس قید یا پابندی سے آزاد ہے جو میں نے تجھ پر لگا رکھی تھی تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف قضاءً طلاق واقع ہوگی، دیانۃً نہ ہوگی۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی نے لکھا ہے:

أي تصح نيته فيما بينه وبين ربه تعالیٰ لأنه نوى ما يحتمله لفظه فيفتيه المفتي بعدم الوقوع۔ أما القاضي فلا يصدقه ويقضي عليه بالوقوع لأنه خلاف الظاهر بلا قرينة

"یعنی اس کی نیت خود اس کے اور اس کے بلند و برتر رب کے درمیان صحیح ہے کیونکہ اس نے اس چیز کی نیت کی جس کا احتمال لفظِ طلاق میں موجود ہے، لہٰذا مفتی اس کو یہ فتویٰ دیتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی لیکن قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا اور اس کے خلاف وقوعِ طلاق کا فیصلہ کر دے گا کیونکہ طلاق دینے والے کا بیان ظاہرِ لفظ کے خلاف ہے اور کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے۔"

(شامی ج ۲ مطبوعہ مصر ص ۲۶۶)

علامہ شامیؒ کی یہ عبارت اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو قاضی بھی طلاق واقع نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اب میں ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جس میں نادانی وجہل کی وجہ سے دی ہوئی طلاق کے بارے میں فقہاءِ احناف کے ایک گروہ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق قضاءً بھی واقع نہ ہوگی۔ وہ مثال یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے شوہر سے اپنے لئے طلاق کے الفاظ کہلوائے اور شوہر کو ان الفاظ کے معنی معلوم نہیں ہیں، اس صورت میں مشائخ اوزجند کا فیصلہ ہے کہ طلاق بالکل واقع نہ ہوگی، نہ دیانۃً اور نہ قضاءً۔ (بحر الرائق۔ ج ۳۔ مطبوعہ مصر، ص ۲۵۷)

بحر الرائق پر علامہ شامی نے جو حاشیہ لکھا ہے اس میں تتارخانیہ کے حوالہ سے یہ صراحت کی ہے کہ اوزجند میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور قاضی امام محمود اوزجندی نے شہر کے دوسرے فقہاءِ احناف سے اس مسئلے میں مشورہ کیا اور سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اس صورت میں طلاق بالکل واقع نہ ہوگی۔ یعنی اگر مقدمہ قاضی کے پاس جائے تو وہ بھی وقوعِ طلاق کا فیصلہ نہ کرے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشائخ اوزجند نے شوہر کی جہالت اور فریب خوردگی کو قضاءً بھی عذرِ معتبر تسلیم کیا۔

یہ تفصیل اس بات کی وضاحت کے لئے پیش کی گئی ہے کہ "جہل" فقہ حنفی میں دیانۃً تو عذرِ معتبر ہے ہی، بعض حالات میں قضاءً بھی اس کو عذرِ معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ نے چونکہ مسئلے کا ایک رُخ مطالعہ کیا ہے اس لئے یہ مثالیں نظر سے اوجھل رہ گئیں یا آپ نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ زیرِ بحث میں، میں جس نتیجے تک پہنچا ہوں وہ فقہی نقطۂ نظر سے بالکل بے اساس و بے بنیاد نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) ایک مجلس کی تین طلاقوں کے طلاق بائن مغلظہ ہونے پر اجماع کے دعوے کو میں نے اپنے مقالے میں "محلِ نظر" قرار دیا ہے۔ آپ نے مجھ سے اس پر گفتگو کی تھی اور طلاق نمبر میں بھی آپ نے اس پر گفتگو کی ہے۔ اس کے باوجود اس مسئلے کو اجماعی اور قطعی سمجھنا دشوار ہے ــــ میرے نزدیک دعوئ اجماع کے محلِ نظر ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت اس مسئلے پر اجماع کا انکار کرتی آرہی ہے۔ (اس سلسلے میں، میں نے غلطی سے ابنِ حزم کا نام بھی لکھ دیا تھا۔ میرے حافظے میں "بَعْضُ أَهْلِ الظَّاهِرِ" کے الفاظ محفوظ تھے۔ لکھتے وقت داؤد ظاہری کے بجائے ابنِ حزم کا نام قلم بند ہو گیا۔ اس غلطی پر آپ کی تنبیہ کا میں شکر گزار ہوں۔)

علماء کی جو جماعت دعوئ اجماع کا انکار کرتی آرہی ہے اس میں علامہ ابن تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ جیسے اساطینِ امت بھی شامل ہیں۔ میں اس کو ایک ثبوت اس لئے مانتا ہوں کہ اگر اس مسئلے پر بلا اشتباہ یقینی طور پر اجماع ثابت ہوتا تو یہ

لوگ اس کا انکار نہ کرتے، کیونکہ کسی مسئلے پر ثابت شدہ اجماع سے انکار گمراہی ہے۔

دعویٔ اجماع کے محلِ نظر ہونے کا دوسرا ثبوت میرے نزدیک یہ ہے کہ جو علماء و فقہاء ایک مجلس کی تین طلاقوں کے طلاقِ بائن مغلظہ ہونے کے قائل ہیں وہ بھی اپنی کتابوں میں اسے اختلافی مسئلہ قرار دیتے آرہے ہیں اور متعدد صحابہ وتابعین اور اُن کے بعد کے علماء کی طرف یہ منسوب کرتے آرہے ہیں کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک تسلیم کرتے تھے۔ آپ نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

> "مدیر زندگی کا اجماع میں شُبہ ظاہر کرنا ظاہراً معقولیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ بجا طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سیکڑوں سال سے اہلِ علم اپنی کتابوں میں اختلاف کا ذکر کرتے ہی آرہے ہیں اور علمائے خلف کی کتابیں بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔
>
> واقعی ایسی صورت میں یہ سمجھنا ہی چاہئے کہ مسئلہ کسی درجے میں اختلافی ہے، لیکن ہم نے انہیں بتایا کہ یہ فتنے اور اختلاف کا بیج دراصل خوارج اور روافض کا بویا ہوا ہے۔ دس بارہ نام جو بعض کتابوں میں اختلاف کرنے والوں کے مدرج ہوگئے ہیں وہ سب دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے اُن میں سے تو کسی ایک کی طرف بھی اختلاف کی نسبت کذب وافتراء کے سوا کچھ نہیں، سفید جھوٹ۔ باقی ناموں میں اکثریت ان کی ہے جو اجتہاد و تفقہ کے بازار میں پھوٹی کوڑی کی بھی قیمت نہیں رکھتے۔ رہے ایک دو، وہ نام جن کی واقعی کوئی اہمیت ہے تو اُن کی طرف اختلاف کی نسبت ہی درست نہیں۔ قوی سندوں سے نقل کا کہیں پتہ نہیں۔ البتہ اجماع ثابت کرنے والی نقلیں قوی ترین اور کثیر سندوں سے مروی ہیں جنہیں جھٹلانا کسی واقفِ فن کیلئے ممکن ہی نہیں۔"
>
> (تجلّی دیوبند، طلاق نمبر، ص ۱۶۶)

گذارش ہے کہ آپ کو اپنی اِس عبارت پر دوبارہ غور کرنا چاہئے۔ آپ کی تحریر پڑھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن علماء نے اس مسئلے کو اختلافی قرار دیا اور بعض صحابہ وتابعین کی طرف ایک دوسرا قول منسوب کیا ہے، کیا وہ خود افتراء کرتے رہے اور سفید جھوٹ لکھتے رہے ہیں یا وہ اتنے بے خبر رہے ہیں کہ انہیں اس "دھوکے کی ٹٹی، کذب وافتراء اور سفید جھوٹ" کا احساس تک نہیں ہوا؟ آپ کی یہ عبارت علماء و فقہاء کی کثیر جماعت کو کس پوزیشن میں ڈال رہی ہے؟

اب میں ایک اور بات آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس مسئلے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے، ان کی دلیل کیا ہے؟ ان کی سب سے بڑی دلیل مسلم شریف کی وہی روایت ہے جس کے مقابل استدلال

ہونے پر میں نے مقالہ شائع کیا ہے اور آپ نے بھی اپنے انداز میں اس کی پُرزور تائید کی ہے۔ اجماع کا دعویٰ کرنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار بھی کی جاتی رہی ہوں تو اُن کے فیصلے کے بعد اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں، تین ہی ہوں گی، انھیں ایک شمار نہیں کیا جائے گا۔ انعقادِ اجماع کی دلیل یہ ہے کہ کسی نے بھی ان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ روایت ہی قابلِ احتجاج نہیں ہے تو پھر اس سے اجماع ثابت کرنا کس طرح صحیح ہوگا؟ ۔ اور جہاں تک مجھے علم ہے اس روایت کے سوا کوئی دوسری ایسی روایت موجود نہیں ہے جو اس مسئلے پر انعقادِ اجماع کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہو۔ اس صورتِ حال میں اگر میں نے دعویٰ اجماع کو محلِ نظر قرار دیا ہے تو کیا غلطی کی ہے؟

اس مسئلے پر ایک اور پہلو سے غور فرمائیے۔ اجماع کی اصطلاح تین قسم کے اجماع کے لئے استعمال کی جاتی ہے:-

(الف) اُن احکام و مسائل پر اجماع جو کتاب و سنت کے صریح اور قطعی الثبوت دلائل سے ثابت ہوں۔ جیسے نمازِ پنجگانہ، زکوٰۃ، صومِ رمضان اور حج وغیرہ۔ ان کے لئے بھی علماء "ثابت بالکتاب والسنۃ والاجماع" کے الفاظ لکھتے ہیں۔

(ب) کسی مسئلے میں پہلے کچھ اور حکم تھا اور پھر اُس کے خلاف پر اجماع ہو گیا۔ مثلاً پہلے اُمِّ ولد کی بیع جائز تھی، پھر اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہو گیا۔

(ج) کسی آیت یا حدیث سے مستنبط، اجتہادی مسئلے پر اجماع۔ مثلاً مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر آپ جس اجماع کا دعویٰ یا زور دار تائید کرتے ہیں وہ اجماع کی کس قسم میں داخل ہے پہلی قسم میں داخل نہیں اس لئے کہ کوئی اس کا قائل نہیں اور غالباً آپ بھی اس مسئلے کو نمازِ پنجگانہ کی طرح قطعی نہیں سمجھتے ہوں گے۔ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں، اس لئے کہ آپ یہ نہیں مانتے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلے سے پہلے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو بہر حال ایک شمار کیا جاتا تھا اور بعد کو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ تیسری قسم میں بھی داخل نہیں، اس لئے کہ آپ اس کو اجتہادی مسئلہ تسلیم نہیں کرتے۔ تو پھر غور فرمائیے کہ آپ نے جس زور و شور سے اس مسئلے پر اجماع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ کس قسم کا اجماع ہے؟

جہاں تک میں نے غور کیا ہے، یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور ابتدائے عہدِ فاروقی

میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بہرحال ایک شمار کی جاتی تھیں اور یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کے بعد اس مسئلے پر کوئی اجماع منعقد ہو گیا ہے کہ وہ تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی۔ اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جمہور کے مسلک کے دلائل قوی ہیں، اس لئے ان کا مسلک راجح ہے اور جن لوگوں نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو بہرحال ایک قرار دیا ہے ان کے دلائل ضعیف ہیں، اس لئے اُن کا مسلک مرجوح ہے۔

(۳) مسلم شریف کی روایت پر میرا جو مقالہ شائع ہوا ہے اُس کے تعلق سے آپ نے میری طرف ایک ایسی بات منسوب کی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں دی ہے۔ زبانی گفتگو میں آپ نے مجھے مخاطب کر کے صرف یہ کہا تھا کہ "آپ فقہاء سے خفا کیوں ہیں؟" آپ نے میری کسی عبارت کی نشاندہی نہیں کی تھی، اس لئے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میری کس عبارت میں آپ کو فقہاء کی تحقیر و تخفیف نظر آئی اور میری کس عبارت سے آپ نے یہ معلوم کیا کہ میرے دل میں فقہاء کی طرف سے بدظنی اور کدورت موجود ہے۔ فقہاء کی تعریف اور اُن کے احترام میں آپ کی تقریر و تلقین پڑھ کر احساس ہوا کہ مجھ سے زیادہ خود آپ اس کے مخاطب ہیں۔ زبانی آپ نے فرمایا تھا کہ طلاق نمبر آپ نے بہت نرمی کے ساتھ مرتّب کیا ہے، لیکن آپ کی جارحانہ تنقید کی عادت اپنا کرشمہ دکھانے سے باز نہیں آئی ہے۔

جب آپ نے مجھے تقلید کو دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دیا تھا اور اپنی تقلید پسندی کا اقرار کیا تھا تو میں نے ہنستے ہوئے عرض کیا تھا کہ آپ کسی مسئلے میں مقلّدِ جامد بن جاتے ہیں اور کسی مسئلے میں مجتہدِ مطلق ہو جاتے ہیں۔ اب مزید عرض کرتا ہوں کہ اگر میں تقلید کو دانتوں سے پکڑے رہتا تو مسلم شریف کی روایت پر وہ مقالہ کبھی تیار نہ ہوتا جس کو آپ نے بھی "بہت اچھا" کہا ہے۔ اور اگر آپ خود تقلید کو دانتوں سے نہ چھوڑتے تو طلاق نمبر مرتّب نہ ہوتا۔ میں بھی اپنے آپ کو مجتہد نہیں سمجھتا جس طرح آپ اپنے کو مجتہد نہیں سمجھتے۔ اِس حقیر کو بھی یہ علم ہے کہ اجتہاد کا درجہ بہت بلند ہے۔

اجماع کا غلط دعویٰ

از مولانا محفوظ الرحمن صاحب فاضل دیوبند

پہلا اعتراض :- طلاقِ ثلاثہ کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس میں تو کوئی فرق نہیں کہ یہ دونوں ہی امام وقوع کے قائل ہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ بیک کلمہ طلاق دینا حرام و معصیت ہے کہ نہیں۔ امام شافعیؒ اس کو حرام و معصیت نہیں مانتے بخلاف امام ابوحنیفہؒ کے کہ وہ اس کو طلاقِ بدعی کہتے ہیں اور اس کے مرتکب کو معصیت کار اور گنہگار سمجھتے ہیں ـــــ اب سوال پیدا ہوا کہ اگر احناف اس کو معصیت کہتے ہیں تو اس کے دلائل کیا ہیں؟ اس سلسلے میں محققین علماءِ احناف متعدد دلائل و براہین کے علاوہ تین طلاق کے معصیت ہونے پر قرآن پاک کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو بیوی مراجعت کے قابل نہیں رہی۔ یہاں لفظ مَرَّتَانِ کا مطلب یہ ہے کہ مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ، یعنی طلاق یکبارنہ دی جائے۔ بلکہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ اگر ایک ہی مرتبہ میں تین دے دی گئی تو بیوی حرام ہو گی مگر طلاق دینے والا قرآن کی اس آیت کی مخالفت کے باعث گنہ گار ہو گا۔ امام شافعیؒ کے اس خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام و معصیت نہیں۔

یہی باتیں سیکڑوں برس سے احناف کے چوٹی کے علماء لکھتے آرہے ہیں اور ان میں یہ بات مسلمہ تھی کیونکہ مقصد امام شافعیؒ کا رد تھا۔ اب جبکہ یہی استدلال اُن لوگوں کے حق میں جا رہا ہے جو تین کو الگ الگ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیک کلمہ تین طلاقیں کم سے کم تین نہیں سمجھی جائیں گی کیونکہ یہ تین مرتبہ نہیں واقع کی گئی ہیں ـــــ تو اب مولانا عامر عثمانی صاحب احناف کی ان متفقہ تصریحوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اصرار کر رہے ہیں کہ ان بزرگوں نے جو سمجھا غلط سمجھا۔ یہاں بھی یہ اثنین ہی کے معنی میں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس کا احتمال تھا کہ مرتان یہاں اثنین کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے تو آخر اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ کے باوجود محققینِ احناف کیوں لکھتے چلے آرہے ہیں کہ مرتان، اثنین کے معنی میں نہیں ہے ـــ مزید تعجب خیز بات یہ ہے کہ چلیئے آپ نے اثنین کے معنی کا بیڑہ اٹھایا تھا، کوئی حرج نہیں تھا اگر دلائل معقول دیئے ہوتے۔ بعض ایسی باتیں آپ اس سلسلے میں لکھ گئے ہیں جس سے ہمیں سخت حیرت ہوئی۔ مثلاً آپ لعان کا

جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ "وہ تمام احکام جن میں کسی عدد کا ذکر ہوتا ہے، دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن میں تعدّدِ عملی مقصود ہو اور ایک وہ جن میں مجموعی تعداد مقصود ہو" اس کے آگے آپ نے پہلی شکل کی مثال میں اذان و اقامت، رکعاتِ نماز اور پانچ وقت کی نمازوں کی مثال دی ہے اور دوسری شکل کی مثال میں آپ نے مسکینوں کو کھانا کھلانا اور زکوٰۃ کا تذکرہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہاں تعدّدِ عمل مقصود نہیں بلکہ مجموعی تعداد پیشِ نظر ہے۔ چاہے زکوٰۃ کے سو روپے ایک ہی شخص کو دو یا الگ الگ تو زکوٰۃ بہرحال ادا ہو جائے گی۔ آپ مزید آگے یہ بتلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق والا مسئلہ بھی تعدّدِ عمل کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اُن اعمال کے قبیل سے ہے جن میں مجموعی تعداد پیشِ نظر ہوتی ہے — آپ لکھتے ہیں کہ "اس کے برخلاف طلاق کا معاملہ یہ ہے کہ تعدّدِ عمل کا مقصود ہونا تو دور کی بات ہے، طلاق سرے سے اللہ و رسول کو پسند ہی نہیں ہے اور وہ اسے حلال چیزوں میں سب سے خراب چیز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے طلاق مت دو، مفاہمت و مصالحت کر لو، صبر و تحمل سے کام لو۔ آخری درجہ میں جب کوئی صورت نباہ کی نظر نہ آئے تب ہی طلاق کا استعمال کر سکتے ہو"۔

ہمارا اصل جواب تو بعد میں آ رہا ہے مگر سب سے پہلے اس لفظ پر غور کر لیجئے کہ "طلاق میں تعدّدِ عمل کا مقصود ہونا دور کی بات ہے"۔ اگر یہی بات صحیح ہے تو آخر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ایک طلاق طُہر کی حالت میں دینا طریقۂ سُنّت اور امرِ محمود ہے اور اگر تین طلاق بیک کلمہ یا ایک ہی طلاق بحالتِ حیض دی جائے تو معصیت اور گناہ ہے — سوال یہ ہے کہ جب طلاق میں تعدّدِ عمل مقصود نہیں تو سُنّت و بدعت کا کیا سوال ہے؟ جس طرح زکوٰۃ چاہے ایک فقیر کو دو یا دس کو، سب یکساں۔ کسی میں بھی گناہ نہیں۔

جواب سے پہلے ہم ناظرین سے عرض کریں گے کہ وہ تجلّی طلاق نمبر صفحہ ۵۳ سے آگے تک مطالعہ کر لیں، کیونکہ مولانا کا یہ جواب جو انھوں نے لعان کی قسموں کے سلسلے میں دیا ہے، کئی صفحوں تک پھیلا ہے۔ اس کے بعد ہمارا یہ جواب پڑھ لیں کہ طلاق کا تعلق انہیں افعال و اعمال سے ہے جن میں تعدّد مقصود ہوتا ہے ——

افعال دو طرح کے ہوتے ہیں، جیسا ابھی آپ نے پڑھا۔ ایک وہ کہ آنِ واحد میں صرف ایک ہی فعل کا صُدور ممکن ہے۔ وقتِ واحد میں ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ مثلاً کوئی ہم سے کہے کہ تم سو قدم چلا کرو — ظاہر ہے کہ سو قدم چلنا آنِ واحد میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس قسم کے افعال کو تفریق پر ہی محمول کیا جائے گا۔ چاہے مرّۃً او مرّاتٍ کا لفظ ہو یا نہ ہو۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمائیں کہ ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت پڑھو تو چونکہ تین رکعت اور چار رکعت وقتِ واحد میں محال ہے لہٰذا اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جائے کہ

چاہے ثَلٰثَ مَرّاتٍ یا اَربَعَ مَرّاتٍ کا لفظ ہو یا نہ ہو، محمول تفریق پر ہی کیا جائے گا۔ اب رہے وہ افعال جو آنِ واحد میں ایک بھی واقع ہو سکتے ہیں اور متعدد بھی، تو بحث اسی میں ہو گی کہ شریعت کا آخر منشا کیا ہے؟ آیا ایک مرتبہ میں ادا کیا جائے یا متعدد مرتبہ میں۔ جیسے زکوٰۃ ہے، طلاق ہے، مساکین کو کھلانا ہے، اذان و اقامت کے کلمات ہیں۔ آنِ واحد میں ایک فقیر کو ایک روپیہ بھی دیا جا سکتا ہے اور ہزار بھی۔ آنِ واحد میں ایک عورت کو ایک طلاق بھی دی جا سکتی ہے اور تین بھی۔ اب اگر شریعت مصارفِ زکوٰۃ میں سَبْعَ مَرّاتٍ کا لفظ استعمال کرتی تو لامحالہ تفریق پر ہی محمول کیا جاتا۔ جس طرح اذان و اقامت کے کلمات میں مَرَّتَین مَرَّتَین کا لفظ روایتوں میں آتا ہے۔ مگر چونکہ شریعت نے زکوٰۃ، اِطعامِ مساکین، ادائے قرض وغیرہ کے لئے کہیں تخصیص نہیں کی کہ الگ الگ مرتبوں میں دو۔ اس لئے وہاں مجموعی حالت پیشِ نظر ہو گی۔ بخلاف اس کے طلاق کے سلسلے میں فرمایا گیا اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اور کلماتِ اذان و اقامت کے سلسلے میں ابنِ عمر کی جو روایت آتی ہے وہ یہ ہے کہ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَہْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَۃُ مَرَّۃً مَرَّۃً۔ لہٰذا طلاق کے معاملے کو کسی طرح بھی ادائے قرض، زکوٰۃ، اِطعامِ مساکین وغیرہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا اعتراض :- جو لوگ اس مسئلے پر غور کرنا چاہتے ہیں وہ اجماع کی بحث کو بھی اُٹھائیں۔ ہمارے علماء اب تک یہی لکھتے آرہے ہیں کہ اجماع سکوتی ہے جو بہر حال اجماعِ تقریری سے کم ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اجماعِ سکوتی کے حجت ہونے میں ہی سرے سے امام شافعی کا اختلاف ہے۔ وہ اجماعِ سکوتی کو حجت نہیں مانتے۔

یہاں ہم علامہ ابنِ رشد قرطبی کی بدایۃ المجتہد سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔

وکان الجمھور غلبوا حکم التغلیظ فی الطلاق سدّ اللذریعۃ ولکن تبطل بذالک الرخصۃ الشرعیۃ والرفق المقصود فی ذالک اعنی فی قولہ تعالیٰ "لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا"۔	"جمہور نے سدِّ ذریعہ کے طور پر تین طلاق کو مغلّظہ مان لیا ہے۔ حالانکہ اس سے خدائے پاک کی وہ رحمت وشفقت اور وہ رخصت بھی ختم ہو جاتی ہے جو اللہ کے اس قول میں ہے: لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

(ج ۲، ص ۶۲ مطبوعہ مصر)

مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ نے الگ الگ طلاق دینے کی مصلحت یہ بتلائی ہے کہ شاید تمہارے دل مل جائیں اور تمہیں اس پر ندامت ہو۔ لہٰذا پھر سے ملنے کی کوئی شکل باقی رہنی چاہئے۔ ابنِ رشد کا کہنا ہے کہ اب اگر ایک طہر میں ادا کی گئی تین طلاق کو بھی تین مرتبہ کی طلاق کا درجہ دے دیا جائے تو یہ رخصت باطل ہو جاتی ہے۔

گویا اُن کا صاف رُجحان اس طرف ہے کہ تین کو ایک کہنے والا قول ہی اللہ کی رُخصت اس کی رحمت سے زیادہ قریب ہے۔ علّامہ ابنِ رُشد کوئی آٹھویں صدی کے نہیں بلکہ ان کی پیدائش سنہ ۵۲۰ھ میں ہے اور وفات ۵۹۵ھ میں۔ گویا چھٹی صدی ہجری کے عالم اور وہ بھی ایسے کہ جن کا شمار چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے۔

دوسری بات حلالہ کا مسئلہ ہے ہم نے اپنے مقالہ میں اس کے متعلق بھی کچھ معروضات پیش کی تھیں۔ مگر حیرت ہے کہ مولانا عامر صاحب نے تحلیل کے مسئلہ پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس طرح تین طلاق دینے سے تین پڑ جانے کا مسلک جمہور کا ہے۔ اسی طرح بشرط تحلیل کیا ہوا نکاح سرے سے جمہور کے نزدیک نکاح ہی نہیں۔ مولانا مودودی بھی صاف طور سے اس کے منکر ہیں۔ امین احسن اصلاحی بھی اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اگر تین طلاق کو ایک کہنے کا خیال جمہور کی مخالفت ہے تو بشرطِ تحلیل کئے ہوئے نکاح کو درست کہنا بھی جمہور کی مخالفت ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون طریقہ فرمایا، کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی۔ اس کو ہمارے مفتیانِ کرام ماجور عند اللہ کا فتوی دیں۔ جواہر الفقالیہ کے اندر وہ فتاوے مذکور ہیں۔

تیسرا اعتراض:۔ اب آئیے اجمالاً اس طرف کہ مولانا عامر عثمانی صاحب نے پہلا اعتراض ابوداؤد والی روایت پر جو عکرمہ سے منقول ہے کیا ہے اور یہ یاد دلانے کی کوشش کی ہے کہ یہ ہماری اتنی بڑی غلطی ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور انصاف پسند عالم ہمارے مقالے کو بادلِ ناخواستہ ہی پڑھے گا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے ابوداؤد کی وہ سب تشریحات نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل تھے۔ اس کے بعد وہ اصل قابلِ بحث عبارت نقل کرتے ہیں: "حماد ابن زید نے ایوب سے، ایوب نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے ابنِ عباس سے یہ نقل کیا کہ جب تو ایک زبان میں بیوی سے یوں کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوگی۔ لیکن اسمٰعیل بن ابراہیم، ایوب سے یہ بات نقل کرتے ہیں کہ یہ قول ابنِ عباس کا نہیں، عکرمہ کا ہے۔ عکرمہ نے اسے ابنِ عباس کا قول کہہ کر بیان نہیں کیا۔ ابنِ عباس کا اس طرح کا قول جو کچھ ہے وہ تو اس سے مختلف ہے۔ ملخصاً:

اس کے بعد مولانا عامر صاحب لکھتے ہیں: "دیکھا آپ نے، خود امام ابوداؤد صراحت کر رہے ہیں کہ یہ فَمٍ وَاحِدٍ والا قول ابنِ عباس کا نہیں ہے لیکن محفوظ الرحمٰن صاحب پوری بے تکلفی سے ابنِ عباس کا فرمودہ کہہ کر نقل فرما رہے ہیں اور پوری روایت چیخ چیخ کر جو کچھ کہہ رہی ہے، اُس کی صدا ان کے کانوں میں نہیں پہنچ رہی ہے۔ اس طرزِ عمل کو دہی کچھ نام دیں۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔" یہاں پہنچ کر ناظرین ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ

مولانا عامر صاحب کا کہنا ہے کہ تین طلاقوں کے ایک سمجھنے کا خیال آٹھویں صدی کے قبل تک کسی بھی قابلِ ذکر فرد کا نہیں، مگر ابوداؤد کی اس عبارت کو غور سے پڑھ جائیے، مان لیا کہ فَمِ وَاحِدٍ والا قول ابنِ عباس کا نہیں ہے، مگر اسی عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ عکرمہ بہرحال اس کے قائل تھے۔ چنانچہ اسمٰعیل ابنِ ابراہیم خود ایوب سے یہ بات نقل کر رہے ہیں اور خود امام ابوداؤد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جی ہاں، ابنِ عباس تو نہیں مگر عکرمہ اس کے قائل تھے اور جس روایت میں عکرمہ کا انتساب ابنِ عباس کی طرف ہے، وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح بات وہ ہے جو اسمٰعیل بن ابراہیم، ایوب سے نقل کرتے ہیں کہ یہ عکرمہ کا اپنا قول ہے۔ اگر ابوداؤد عکرمہ کا مسلک یہ نہیں سمجھتے تو ایسی روایت ہی کیوں ذکر کرتے جس سے ابنِ عباس کی طرف انتساب تو غلط ہو جائے مگر عکرمہ کے لئے ثابت ہو جائے۔ مولانا عامر عثمانی صاحب عکرمہ پر ہزار تنقید کر گذریں، مگر اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ ان کی انتہائی محبوب شخصیت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی عکرمہ کو الجہاد فی الاسلام میں امام المفسرین لکھا ہے اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اعیان الحجاج میں فقہ کا امام بنایا ہے۔

اب آئیے اصل بات کی طرف۔ ہم نے ابوداؤد کی مذکورہ بالا عبارت کا حوالہ اس لئے دیا ہے کہ جس پیچیدگی کو ابوداؤد رفع کرنا چاہتے ہیں، وہ جوں کی توں ہے۔ انھوں نے ابنِ عباس کی طرف منسوب شدہ فمِ واحد والے قول کا جو مطلب بیان کیا ہے، وہ درست نہیں۔ یعنی کہ یہ غیر مدخول بہا عورت کے لئے ہے۔ جیسا کہ خود عامر صاحب نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ یعنی ابنِ عباس تین طلاق کو اس وقت ایک مانتے تھے، جبکہ وہ ایسی عورت کو دی گئی ہو جس سے ابھی خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو۔ چلئے مان لیا کہ ابنِ عباس غیر مدخول بہا کی تین طلاق کو ایک سمجھتے تھے۔ مگر کیا عامر عثمانی صاحب غیر مدخول بہا والی روایت کو جسے ابوداؤد نے پیش کیا ہے، صحیح سمجھتے ہیں؟ اگر صحیح سمجھتے ہیں تو ہمارے ان اعتراضات کا جواب لائیں جو اوپر اس روایت کی بابت ہم نے کیا ہے۔ اسی روایت میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بار بار یہ حرکت کرنے لگے ہیں تو انہوں نے حکم جاری کیا کہ اب یہ تینوں، تینوں ہی مانی جائیں گی۔ آخر وہ کون سی تین طلاق تھی جسے حضرت عمرؓ نے تین کا درجہ دیا؟ اگر متفرق جملے والی تین طلاق مراد ہے یعنی أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ غیر مدخول بہا کی ایک طلاق بائنہ ہوتی ہے۔ بائنہ ہونے کے بعد اب عورت محلِ طلاق میں نہیں رہی، لہٰذا باقی دو طلاقیں لغو ہو گئیں۔ جیسا کہ امام صاحبؒ کا مسلک ہے، تو آخر حضرت عمرؓ نے لغو طلاق کس طرح نافذ کر دی؟

اور اگر تین طلاق سے مراد اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ہے تو آخر دورِ نبوت اور دورِ صدیقی کے تعامل کو حضرت عمرؓ نے کس مصلحت سے بدلا۔ وہ کوئی شارع اور قانون ساز تو تھے نہیں۔ پھر قانون سازی بھی ایسے مسئلے میں کہ جس میں دورِ رسالت اور دورِ ابوبکرؓ کا تعامل موجود ہو۔ جب مسلم شریف کی روایت ابو الصہباء کے متعلق ہم کچھ عرض کرتے ہیں تو فوراً وہی اعتراض ہم سے کیا جاتا ہے۔ پھر آخر آپ اس غیر مدخول بہا والی روایت کا کیا جواب رکھتے ہیں۔ کسی حدیث کو مخالف کے خلاف پیش کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جب ہی تو پیش کر رہے ہیں، ورنہ اگر خود آپ کے نزدیک وہ روایت غلط ہو تو کیا حاصل اس کے پیش کرنے کا؟ اب آپ ہمیں واضح طور سے دوٹوک انداز میں یہ بتائیے کہ حضرت عمرؓ کے لئے دورِ رسالت اور دورِ صدیقی کے تعامل کا بدلنا اس روایت سے بالکل واضح ہے۔ آخر حضرت عمرؓ نے ایسا کیوں کیا؟

خود آپ نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک اور خود ابنِ عباسؓ کے نزدیک بھی اگر صریح عدد کے ساتھ دی جائیں تو غیر مدخول بہا پر بھی تین ہی پڑیں گی" (تجلّی، ص ۴۹) —— سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی جمہور علماء اور خود آپ کیوں اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں؟ کیا حدیث کے خلاف بھی کسی کی رائے کا کچھ اعتبار ہے؟ یا تو جمہور علماء کا مسلک غلط ہے، یا آپ حضرات کی یہ توضیح غلط ہے کہ قیم واحد والا جو قول ابنِ عباس سے منسوب ہے، وہ غیر مدخول بہا کے لئے ہے۔

یہ ہے ہماری وہ بنیاد جس کی وجہ سے ہم نے حوالہ دیا ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ ابو داؤد دونوں باتوں کی تطبیق میں ناکام رہے ہیں —— آپ حضرات کہیں گے کہ عجیب تماشے کی بات ہے کہ آج کے معمولی پڑھے لکھے لوگ اٹھتے ہیں اور محدثینِ کبار کی رایوں سے اختلاف کرتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ اختلاف پہلے ہی سے آرہا ہے، ہم تو محض وضاحت اور شرح کرنے والے ہیں۔ آخر ناظرین بھی تو جانتے ہوں گے کہ عامر عثمانی صاحب نے امام بخاریؒ پر بھی تنقید کی ہے کہ ان سے چوک ہوئی، امام مسلم کے متعلق بھی لکھا ہے کہ ابو الصہباء والی روایت کا مسلم میں لانا ان کی غلطی ہے۔ حالانکہ وہی روایت ابو داؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ لہٰذا یہ الزام ان سب پر عائد ہوگا، علامہ ابنِ حجرؒ کے خلاف بھی آپ بولے ہیں —— لہٰذا اگر امام ابو داؤد کے خلاف ہم نے ایک رائے نقل کر دی تو کون سی قیامت آگئی۔

امام ابو داؤد ہی نے لکھا ہے۔ لَا طَلَاقَ فِي إِغْلَاقٍ کہ اس حدیث میں جو لفظ إِغْلَاقٍ ہے أَظُنُّهُ فِي الْغَضَبِ، میرا خیال ہے کہ اغلاق کے معنی یہاں غضب کے ہیں۔ مطلب اس حدیث کا

امام ابوداؤدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ غضب میں دی گئی طلاق، طلاق ہی نہیں سمجھی جائے گی۔ حالانکہ خود احناف کا مسلک اس تصریح کے خلاف ہے۔ احناف کے نزدیک طلاق چاہے غصہ میں ہو یا ہنسی مذاق میں یا جہالت اور انجانے میں، سب واقع ہو جاتی ہیں۔ معلوم کیا ہوا کہ امام ابوداؤدؒ کی ہر رائے کو خود عامر عثمانی بھی نہیں مانیں گے لہٰذا یہ توقع ہر ایک سے کیوں کی جائے کہ امام ابوداؤد کی ہر تصریح اور وضاحت کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لے۔

چوتھا اعتراض:۔ اس کے بعد مزید اعتراض کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:

"مولانا (محفوظ الرحمٰن) اب حدیثِ رکانہ کا بھی ذکر فرماتے ہیں اور بلا تکلف فرماتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور حضورؐ نے اُن کو مراجعت کا اختیار دیا۔ ہم اس حدیث پر گفتگو کر آئے ہیں، دیکھ لیجئے۔ معاملہ صریحاً کیا ہے اور دکھلایا کیا جارہا ہے۔ مولانا معاف کریں جس بات کو خود وہ بے تکلفی سے صریحاً فرما رہے ہیں وہ اتنا صریح نہیں ہے۔ آئیے ہم اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے کچھ گوشے رکھ دیں۔

مُسندِ احمد میں ہے کہ رکانہ بن عبد یزید مطلبی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دیں پھر بہت ہی غمگین ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا کہ کس طرح تم نے طلاق دی؟ عرض کیا کہ میں تو تین طلاقیں دے چکا۔ آپ نے فرمایا، ایک ہی مجلس میں؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ حضور نے فرمایا، تمہیں صرف ایک کا اختیار تھا۔ اگر چاہو تو رجوع کر لو۔ چنانچہ انھوں نے رجوع کر لیا۔"

امام احمدؒ اس کی سند کو صحیح اور حسن بتلاتے ہیں، چنانچہ جس روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنی صاحبزادی کو حضرت ابوالعاصؓ پر نئے نکاح اور نئے مہر سے لوٹایا اسے آپ ضعیف کہتے ہیں۔ ہاں اُس حدیث کی امام احمد نے تصحیح کی ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضورؐ نے انہیں پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا۔ جبکہ یہ حدیث اور رکانہ بن عبد یزید کی جو حدیث اوپر مذکور ہوئی، دونوں کی سند ایک ہے۔ خود امام ترمذیؒ اس کی سند کی بابت فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ ڈر اور خوف نہیں۔ اسی حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں: یہ حجت و دلیل ہے جس کے خلاف اس سے زیادہ قوی روایت کوئی نہیں۔

مزید یہ کہ اس کی تائید کچھ ایسی روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو سند میں اسی جیسی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ رکانہ اور اُس کی بہنوں کے باپ عبد یزید نے اُمّ رکانہ کو طلاق دی اور قبیلۂ مُزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ وہ آنحضرتؐ کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے، یہ شخص مجھے صرف اتنا ہی فائدہ دیتا ہے جتنا میرے سر کا یہ بال۔ آپ مجھ میں اور اُس میں علیحدگی کرا دیجئے۔ آنحضرتؐ کو حمیت آگئی۔ رکانہ اور اُس کے بھائی بہنوں کو

بلوایا اور مجلس کے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ دیکھو یہ عبد یزید سے مشابہت رکھتا ہے اور اس میں فلاں فلاں بات اس کے مشابہ ہے۔ سب نے کہا: بیشک یہ لڑکے اپنے باپ کے مشابہ ہیں۔ پھر حضور نے عبد یزید سے فرمایا: تم اسے طلاق دیدو۔ انہوں نے تعمیل کی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: اپنی پہلی بیوی اُمّ رکانہ سے رجوع کر لو، تو انھوں نے کہا: حضور میں تو تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، تم اس سے رجوع کر لو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ؕ (اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدّت میں دو، یعنی تین طلاقوں کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ہر طُہر میں ایک ایک طلاق دے۔

ابوداؤد میں یہ روایت بھی مل جائے گی کہ عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ پھر حضور نے انھیں ان کی طرف لوٹا دیا۔ امام ابوداؤد نے طلاق بتّہ والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کی ترجیح میں یہ الفاظ کہے ہیں کہ یہ روایت ان کی اولاد کی ہے اور انسان کو اپنے خاندان کا پورا علم ہوتا ہے۔ مگر شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد نے چونکہ وہ روایت نہیں بیان کی جو مسند کے حوالہ سے ابھی ہم نے اوپر نقل کیا۔ اس لئے انھوں نے کہا کہ حدیثِ بتّہ زیادہ صحیح ہے۔ حالانکہ حدیثِ بتّہ کے سلسلے میں حدیث و فقہ کی علّتوں کے ماہرین اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً امام احمد، امام ابوعقیل، امام بخاری رحمہم اللہ ان سبھوں نے بتّہ والی حدیث کو ضعیف کہا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں جن کی عدالت و ضبط معلوم نہیں۔ امام احمد نے تین طلاق والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کا درست ہونا بیان کیا ہے۔ وہ تو صاف کہتے ہیں کہ جس روایت میں ہے کہ طلاقِ بتّہ دی گئی وہ ثابت نہیں، بلکہ امام احمد تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ "بتّہ کی روایت کوئی چیز نہیں"۔

اثرم نے جب امام احمدؒ سے طلاق بتّہ کے سلسلے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: "یہ ضعیف ہے"۔

علامہ شوکانیؒ جن کا حوالہ مولانا عامر عثمانی صاحب نے دیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ وہ طلاقِ بتّہ والی روایت کو ثابت مانتے ہیں، مگر ساتھ ہی رد بھی کر دیتے ہیں دو وجہوں سے، ایک تو مضطرب ہونے کی وجہ سے، دوسرے صحیح حدیثوں کے معارض ہونے کی وجہ سے۔ اضطراب کے لئے وہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی نسبت امام بخاریؒ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: یہ حدیث مضطرب ہے۔ (انتہی)۔ علامہ شوکانیؒ مزید فرماتے ہیں اس بتّہ والی حدیث کی سند میں زبیر بن سعید ہاشمی ہیں اور ایک سے زیادہ محدثین نے اسے ضعیف ہی نہیں

بلکہ متروک الحدیث بتلایا ہے۔ مزید وہ فرماتے ہیں کہ مضطرب اس لیے بھی ہے کہ "بتّہ" کے علاوہ "ثلاثاً" کی روایت بھی آتی ہے اور وہی حدیث مسند احمد کی نقل کی ہے جو اوپر گذری، ابن اسحق عن رکانۃ کی یہ روایت بھی انہوں نے تعارض کے سلسلے میں ذکر کی ہے۔ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ طَلَّقْتُہَا ثَلَاثًا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ اَرْجِعْہَا ثُمَّ تَلَا "اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ" الخ۔

یہ وجہ تو انھوں نے مضطرب ہونے کی نقل کی ہے، معارض اس طرح ثابت کیا ہے کہ یہ بتّہ والی حدیث مسلم کی روایت ابو الصہباء کے خلاف بھی پڑتی ہے جو صحت میں اس سے زیادہ بڑھ کر ہے اور متن حدیث اس کا اس سے بہت واضح اور صاف ہے، کوئی خفلہ ہی نہیں۔ محمود بن لبید کی وہ روایت جو نسائی میں ہے، اس سے بھی اس کا معارض ہونا ثابت کیا ہے۔ یعنی وہ مشہور حدیث اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاَنَا بَیْنَ اَظْہُرِکُمْ اس روایت کے متعلق شوکانیؒ فرماتے ہیں، قَالَ ابْنُ کَثِیْرٍ اِسْنَادُہٗ جَیِّدٌ وَقَالَ الْحَافِظُ فِیْ بُلُوْغِ الْمَرَامِ رُوَاتُہٗ مَوْثُوْقُوْنَ۔

غرضیکہ "البتّہ" والی روایت کو اصح بتانے کے بعد بھی ان وجوہات سے انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔

بہرحال اس تصریح سے اتنی بات واضح ہو گئی کہ بات اتنی واضح اور صریح نہیں جتنا عامر عثمانی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں۔ بات اتنی واضح ہوتی تو ائمہ حدیث اس قدر ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوتے۔ آپ کو بیشک حق ہے کہ جس روایت کو اپنے مفیدِ مطلب جانیں، ترجیح دینے کی کوشش کریں، مگر اس سلسلے میں دیگر لوگوں کو ایک دم جاہل اور اجہل نہ فرض کر لیں۔

پانچواں اعتراض:۔ رہا ابن تیمیہؒ والے استدلالِ لعان پر اعتراض، تو اس کا جواب ماسبق میں عرض کیا جا چکا۔ مولانا کے سارے استدلال کا مبنیٰ یہ ہے کہ طلاق میں تعددِ عمل مقصود نہیں، لہٰذا ایک ساتھ بھی تین طلاقیں دی جا سکتی ہیں۔ جس طرح ہزار روپے زکوٰۃ کے ایک ہی وقت میں ایک ہی فقیر کو دیئے جا سکتے ہیں حالانکہ کھلی بات ہے کہ بحث تین طلاقوں میں چل رہی ہے کہ آیا اسے ایک ساتھ دیا جائے یا نہیں، قرآن و حدیث میں واضح طور سے فرما دیا گیا کہ تین طلاق ایک ساتھ نہ دی جائے بلکہ الگ الگ طہروں میں دی جائے تو آخر تعددِ عمل مقصود کیوں نہیں ہوا؟ لہٰذا جس طرح لعان کی قسموں وغیرہ کے معاملے میں تعددِ عمل کے مقصود ہونے کی وجہ سے محض اس طرح کہہ دینے سے کہ میں چار قسم کھاتا ہوں، چار نہیں ہوں گی، تو اس طرح یہ کہہ دینے سے کہ میں تین طلاق دیتا ہوں، کس طرح تین پڑ جائے گی جبکہ فَاِنْ طَلَّقَہَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ اور یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا

طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ الخ میں تفویق ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چھٹا اعتراض: رہا علامہ آلوسی کی عبارت ھذہ مسئلۃ اجتہادیۃ کانت علیٰ عہدہ الخ اس میں واقعی غلطی ہوئی ہے۔ ھذہ کا مشار الیہ وہ طلاق مدخول بہا نہیں بلکہ غیر مدخول بہا ہے۔ اس تصریح سے ہمارا حوالہ غلط ہو گیا۔ مگر ہم مولانا سے ایک بات پوچھنے کی جسارت چاہیں گے کہ مدخول بہا کی جب تین طلاقیں حضرت عمرؓ نافذ کریں تو اجماع ہو جائے اور اجتہاد کی گنجائش ختم۔ مگر جب وہ غیر مدخول بہا کی تین طلاقیں نافذ کریں تو وہ مسئلہ اجتہادی ہی رہے حضرت عمرؓ کی بات اجماع نہ بن سکے۔ آخر ایک ہی طرح کے دو مسئلوں میں یہ فرق کیوں ملحوظ رکھا جاتا ہے؟

ساتواں اعتراض: اس کے بعد مولانا کا اعتراض اُس حدیث طحاوی پر ہے جس کا ایک حصہ ہم نے حذف کر دیا ہے۔ اس حدیث کے نقل میں اصل موضوع سخن صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ معصیت ہیں۔ اس کے لئے ہم نے ابن عباسؓ کے جواب کا وہی حصہ نقل کیا جو اس سے متعلق تھا یعنی "تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور شیطان کی پیروی کی"۔ آگے کا جملہ ہے فَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَہٗ مَخۡرَجًا (یعنی اب اس کے لئے اللہ نے کوئی راہ نہیں چھوڑی، تین طلاقیں پڑ گئیں) یہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کو بھی مولانا نے ہماری خیانتوں میں شمار کیا ہے ــــ مولانا کا شاید خیال ایسا ہو کہ میں تین طلاقوں کے ثبوت کو سرے سے مانتا ہی نہیں اس لئے انھوں نے اس ٹکڑے کو اہم بنا کر پیش کیا۔ حالانکہ مقالہ کے شروع ہی میں میں نے کہہ دیا ہے کہ تین طلاقوں کے تین ہونے کا مسلک اصح ہے، مگر اس کے باوجود وہ آنکھیں بند کر کے جو سمجھ میں آ رہا ہے، لکھ رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ مقالہ کھول کر دیکھ لیجئے، اسی کے نیچے لکھا ہوا ہے "عبداللہ بن عمرؓ کے قصے میں دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے جو تفصیل لکھی ہے کہ حضورؐ نے جب عبداللہ بن عمرؓ کو بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے پوچھا، کہ اگر میں اس کو تین طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا تھا۔ فرمایا: لا کانت تبین منک وکانت معصیۃ (نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ فعل معصیت ہوتا)"

آخر یہ کونسا لازمی طریقہ ہے کہ آدمی اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کسی حدیث کا حوالہ دے تو لامحالہ وہ اوّل تا آخر پوری حدیث نقل کرے اور جبکہ بالکل وہی مفہوم آگے کی حدیث میں آ رہا ہو۔

مدیرِ تجلّی کے اعتراضات کا بے لاگ جائزہ

از:- شمس پیرزادہ

ماہنامہ "تجلّی" دیوبند کے فاضل مدیر نے سیمینار کی کارروائی پر تنقید کرتے ہوئے راقم الحروف کے مقالہ پر بھی معارضہ فرمایا ہے۔ اس کے پیشِ نظر ذیل میں چند تصریحات پیش کی جارہی ہیں:-

(۱) میں نے اپنے مقالہ میں رفاعۃ القرظی والی روایت نقل کر کے لکھا تھا:

"صحیح مسلم کی حدیث طلاق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں،

وَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ" (مسلم۔ کتاب الطلاق)

اس پر مدیرِ "تجلّی" نے طلاق نمبر میں یہ اعتراض کیا ہے کہ:

"اب مسلم شریف کھول کر بغور ملاحظہ فرمائیے، اس میں امام مسلم نے سرے سے رفاعہ کی بیوی کا قصہ لیا ہی نہیں ہے۔ اس قضیہ کی کوئی اچھی بُری روایت ہی مسلم شریف میں موجود نہیں کہ اس کے الفاظ کی بحث پیدا ہو۔ قصہ ہے تو فاطمہ بنت قیس کی طلاق کا ہے۔ اس کی ہی ۲۴ روایتوں میں ایک روایت کے اندر راوی نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں آپ نے نقل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس کا تو کوئی تعلق رفاعہ قرظی والے قصے سے ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا خود انصاف فرمایا جائے کہ بہ ایں شانِ ذمہ داری آپ جیسے نکونام محبانِ حدیث فنِ حدیث میں گفتگو کریں گے تو اس غریب فن کا کیا حلیہ بنے گا؟ یعنی حد ہے کہ مسلم میں سرے سے کوئی روایت ہی زیرِ بحث قصے کی موجود نہیں اور آپ استدلال کر رہے ہیں اس کے ایک خاص جملہ سے!" (تجلّی، طلاق نمبر ص ۱۲۸)

رفاعہ قُرظی والی روایت جس کا میں نے حوالہ دیا ہے، صحیح مسلم میں موجود ہے۔ البتہ سہواً کتاب النکاح کے بجائے کتاب الطلاق کا حوالہ درج ہو گیا۔ ذیل میں مکمل حوالہ درج کر رہا ہوں تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

"صحیح مسلم کتاب النکاح میں باب لاتحل المطلّقۃ ثلاثاً لمطلّقہا حتّیٰ تنکح زوجاً غیرہٗ کے تحت حضرت عائشہؓ سے رفاعہ قرظی والی روایت درج ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

انّها کانت تحت رفاعۃ فطلّقھا اٰخر ثلاث تطلیقات فتزوّجت بعدہٗ عبد الرحمٰن بن الزبیر

اس کے متصلاً بعد ہی دوسری روایت بھی رفاعہ قرظی کے بارے میں دوسری اسناد کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ "انّ رفاعۃ طلّقھا اٰخر ثلاث تطلیقات"۔ (صحیح مسلم شرح نووی، جلد ۱ ص ۴۶۳ مطبع اصح المطابع دہلی)

حوالہ دینے میں مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ کتاب النکاح کے بجائے کتاب الطلاق کا حوالہ دے دیا۔ لیکن مدیرِ تجلّی نے قطعیت کے ساتھ دعویٰ کیا کہ یہ حدیث سرے سے صحیح مسلم میں موجود ہی نہیں ہے اور میں نے اصل کتاب دیکھے بغیر اِدھر اُدھر سے جو جی میں آیا حوالہ قلم کر دیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت مجھ سے سرزد نہیں ہوئی۔ میں نے مذکورہ روایت کا حوالہ صحیح مسلم کا مطالعہ کر کے ہی دیا تھا اور یہ بات ثابت بھی ہو گئی کہ مذکورہ روایت صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اب مدیرِ تجلّی ہی فیصلہ فرمائیں کہ اُن کا یہ ریمارک کہاں تک صحیح ہے؟ اور اپنی بات کو عالمانہ سمجھنا اور دوسروں کی باتوں کو جہالت پر محمول کرنا کہاں تک قرینِ انصاف ہے؟

(۲) دوسری بات مدیرِ تجلّی نے طلاقِ بتّہ کے بارے میں فرمائی ہے۔ میں نے رفاعہ والی روایت نقل کر کے لکھا تھا کہ اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ تین طلاقیں یکجا طور پر دی گئی تھیں اور شارحِ بخاری علامہ ابن حجرؒ کی یہ عبارت نقل کی تھی کہ "اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے"۔

اس پر مدیرِ تجلّی نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ابن حجر کو آپ لوگ فرشتہ یا پیغمبر نہ سمجھیں، ان سے استدلال کی جوہری نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی"۔ (طلاق نمبر، ص ۱۳۸)

سوال یہ ہے کہ اگر ابنِ حجرؒ سے غلطی ہو سکتی ہے تو اُن فقہاء سے کیوں نہیں ہو سکتی جن کی تقلید کو وہ دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دے رہے ہیں؟ جس طرح ابنِ حجرؒ کو فرشتہ یا پیغمبر سمجھنا غلط ہے اسی طرح فقہاء اور ائمہ کو بھی فرشتہ یا پیغمبر سمجھنا غلط ہے۔ پھر آپ دلیل کی بجائے تقلید کی بات کیوں کرتے ہیں؟

مدیرِ تجلّی مزید لکھتے ہیں:

"یہاں ابنِ حجر کا ایک سہو تو یہ ہے کہ وہ محاورے کو نظر انداز کر کے ڈکشنری کھول بیٹھے۔ طلاقِ بتّہ خود اُن کے علم میں ہے کہ تین بدعی طلاقوں کو کہا جاتا تھا یعنی جو خلافِ سنّت طریقے پر دی گئی ہوں"۔

طلاق بتہ کیا ہوتی تھی، اس کے بارے میں کوئی بات واضح نہیں ہے۔ مشکوٰۃ میں رکانہ کی روایت پر لمعات سے جو حاشیہ نقل کیا گیا ہے، اُس میں بیان کیا گیا ہے کہ:

وطلاق البتۃ عند الشافعی رجعیۃ لھذا الحدیث وإن نوی اثنین أو ثلثۃ فھو علی ما نوی وعند مالک ثلث وعند أبی حنیفۃ بائنۃ فتأویل الرّد عندہ تجدید النکاح۔
(مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۲۸۴)

"طلاقِ بتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کی رُو سے رجعی ہے۔ اور اگر دو یا تین طلاقوں کی اس نے نیت کی تھی تو نیت کے مطابق واقع ہوں گی۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک (طلاقِ بتہ) تین طلاقیں ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (طلاقِ بتہ) بائن ہوتی ہے اس لئے ان کے نزدیک (حدیث میں رکانہ کی بیوی کے لوٹانے کی جو بات کہی گئی ہے تو وہاں) لوٹانے سے مراد تجدیدِ نکاح ہے۔"

ترمذی میں طلاقِ بتہ کے بارے میں درج ذیل صراحت موجود ہے:

وقد اختلف أھل العلم من اصحٰب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم فی طلاقِ البتۃ فروی عن عمر بن الخطاب أنہ جعل البتۃ واحدۃً وروی عن علیٍّ أنہ جعلھا ثلاثًا، و قال بعض أھل العلم فیہ نیۃ الرّجل إن نوی واحدۃً فواحدۃٌ وإن نوی ثلاثًا فثلثٌ وإن نوی ثنتین لم تکن إلا واحدۃً وھو قول الثوری وأھلِ الکوفۃ وقال مالک بن انسٍ فی البتۃ إن کان قد دخل بھا فھی ثلاث تطلیقاتٍ وقال الشافعی إن نوی واحدۃً فواحدۃٌ یملک الرجعۃ وإن نوی ثنتین فثنتین وإن نوی ثلاثًا فثلثٌ
(ترمذی، ابواب الطلاق)

"طلاقِ بتہ کے بارے میں صحابہ کرام اور دیگر اہلِ علم کی رائیں مختلف ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے طلاقِ بتہ کو ایک قرار دیا تھا۔ حضرت علیؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے تین قرار دیا تھا اور بعض اہلِ علم حضرات کا قول ہے کہ طلاقِ بتہ میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر ایک کی نیت کی تھی تو ایک واقع ہو گی اور اگر تین کی نیت کی تھی تو تین واقع ہوں گی اور اگر دو کی نیت کی تھی تو صرف ایک ہی واقع ہو گی۔ یہ ثوری اور اہلِ کوفہ کا قول ہے اور مالک بن انسؒ کا قول طلاقِ بتہ کے بارے میں یہ ہے کہ اگر مدخول بہا کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر ایک کی نیت کی تھی تو ایک واقع ہو گی اور رجوع کا اختیار باقی رہے گا اور اگر دو کی نیت کی تھی تو دو واقع ہوں گی اور اگر تین کی نیت کی تھی تو تین واقع ہوں گی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ طلاقِ بتہ کسی متعین شکل کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی مختلف شکلیں ممکن ہیں۔

اس کے بعد مدیرِ تجلّی کے اس دعوے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ طلاق بتّہ کا محاورہ تین طلاقوں کے لئے تھا۔ (طلاق نمبر ص ۱۰۲)؟ مزید برآں اُن کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ طلاق بتّہ، طلاقِ بدعی کو کہا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے متعدد واقعات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے، ان میں طلاقِ بتّہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً رفاعہ کا واقعہ، فاطمہ بنت قیس کا واقعہ وغیرہ۔ اگر اس کا اطلاق طلاقِ بدعی ہی پر ہوتا تھا تو ماننا پڑے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کثرت اس بدعت کا ارتکاب ہو رہا تھا اور آپؐ کے سامنے جب یہ واقعات پیش ہوئے تو آپؐ نے اس بدعت پر تنبیہ بھی نہیں فرمائی! اتنی غیر معقول بات کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے؟

درحقیقت طلاقِ بتّہ کے معنی طلاق بائن کے ہیں۔ چنانچہ لغتِ حدیث کی مشہور کتاب نہایہ میں ابنِ اثیر نے مبتوتہ کے معنی ھی المطلقۃ طلاقاً بائناً بیان کئے ہیں یعنی وہ مطلّقہ جسے طلاق بائن دی گئی ہو۔ جس طرح بائن کا لفظ طلاق کی کسی ایک شکل کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب ہر وہ طلاق ہے، جس میں رجوع کا حق باقی نہیں رہتا اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ وہ غیر مدخول بہا کی ہو، مختلعہ کی ہو، یا سُنّت طریقہ پر دی ہوئی تیسری طلاق ہو۔ اسی طرح بتّہ کا لفظ بھی بائن ہی کے مفہوم میں ہے۔ اس کو طلاقِ بدعی کے لئے خاص سمجھنا صحیح نہیں۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ بتّہ کا لفظ محتمل المعنی ہے تو احتمالات کی موجودگی میں حجت کس طرح قائم ہو سکتی ہے؟ لہٰذا جن حدیثوں میں طلاقِ بتّہ کا ذکر آیا ہے اُن سے یکجائی تین طلاقوں کا وقوع ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) راقم الحروف نے اپنے مقالہ میں آیت فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدّت کا لحاظ نہیں کرتا"۔

مدیرِ تجلّی نے اس پر معارضہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیت کا مدّعا سمجھنے میں مَیں ناکام رہا اور یہ کہ ایک دو تین کے فرق سے اِس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ مدیرِ تجلّی کے اس بیان کی تردید کے لئے موطّا مالک کی درجِ ذیل روایت ہی کافی ہے:

عن عبد اللہ بن دینار قال سمعت عبد اللہ بن عمر قرأ (یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ) قال مالکؒ یعنی بذالک اَنْ یطلّق فی کل طُهرٍ مرّۃً۔ (موطّا مالک۔ باب جامع الطّلاق)	"حضرت عبد اللہ بن دینار فرماتے ہیں میں نے عبد اللہ بن عمرؓ کو پڑھتے ہوئے سنا یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ الخ یعنی اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو آغازِ عدّت کے لئے دو۔ مالکؒ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک مرتبہ طلاق دی جائے۔"

یکجائی تین طلاقوں کے بارے میں امام مالکؒ کا مسلک خواہ کچھ ہو، اتنی بات تو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عدّت کا لحاظ کرنے کا مطلب ایک طُہر میں ایک ہی طلاق دینا ہے لیکن مدیرِ تجلّی فرماتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ کا اِس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ ایک طُہر میں ایک طلاق دی جائے یا تین۔

قرآن مجید میں طَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ "عدّت کے لئے طلاق دو" کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی طرح ایک مجمل حکم ہے جس طرح اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ "نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے کے وقت سے رات کے اندھیرے تک" اِس مجمل آیت کی صراحت سُنّت ہی سے ہوتی ہے کہ مراد ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ اسی طرح عدّت کے لئے طلاق دینے کا مطلب بھی سُنّت ہی سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طُہر میں ایک طلاق دینا ہے۔ پھر اس کو آیت سے بے تعلق کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ سے استدلال کرتے ہوئے مغرب کی نماز عصر کے وقت ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ ایسی حرکت کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ مذکورہ آیت کے منشاء کے خلاف ہے۔ اسی طرح جو شخص طُہر کا لحاظ کئے بغیر یک وقت کئی طلاقیں دیتا ہے وہ آیت فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کے منشاء کے صریح خلاف کرتا ہے۔

(۴) میں نے اپنے مقالہ میں آیت فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا:

> یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدّت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جا سکتا ہے یعنی عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، کس نے ساقط کیا؟"

اس کے جواب میں مدیرِ تجلّی نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں: ایک یہ کہ خود قرآن ہی کی نص موجود ہے:

> "پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو اس کے بعد عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔"

اس کے بعد مدیرِ تجلّی نے سوال قائم کیا ہے:

> "زید نے یکم جون ۱۹۶۰ء کی صبح چھ بجے بیوی کو ایک طلاق دی، دوسری دوپہر کو بارہ بجے دی، تیسری شام کو سات بجے دی۔ کیا یہ تین مرتبہ میں تین طلاقیں نہیں ہوئیں؟"

یہی وہ اندازِ فکر ہے جس نے نہ صرف طلاق کے احکام کو بلکہ پوری شریعت کو پیچیدہ اور مشکل بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب اس طرح کی فقہی موشگافیوں پر اعتراض کیا جاتا ہے تو جواب میں اہلِ حدیث ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان فرضی باتوں کا واقعات سے کیا تعلق؟ راقم الحروف کے پاس آج تک جتنے بھی استفتے تین طلاق کے سلسلہ میں آئے ہیں، اُن میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں تھا کہ کسی نے صبح پہلی، دوپہر میں دوسری اور شام میں تیسری طلاق دی ہو اور نہ اس قسم کا کوئی واقعہ کبھی سننے ہی میں آیا۔ اس لئے تین طلاق کے مسئلہ کو فرضی باتوں میں اُلجھانے یا بنی اسرائیل کی گائے ثابت کر دکھانے کی بجائے واقعیت پسندانہ نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینا چاہیئے۔

واقعہ یہ ہے کہ لوگ اسلام کے معاشرتی احکام سے عدمِ واقفیت اور جذبات سے مغلوبیت کے نتیجہ میں بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں اپنے اِس کئے پر پچھتانے لگتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ وہ تین طلاقیں نہیں ہیں جو سوچنے سمجھنے کا موقع اور رجوع کا حق حاصل ہو جانے کے بعد دی جاتی ہیں۔ اس لئے اس کا حکم بھی وہ نہیں ہو سکتا جو تین طلاقوں کا ہے۔ اس میں چند مجلسوں، چند گھنٹوں یا چند دنوں کے وقفہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ "ایک مجلس کی تین طلاق" کے الفاظ تو میں نے ایک عام فہم اصطلاح ہونے کی حیثیت سے استعمال کئے تھے۔ لیکن مدیرِ تجلّی نے اس پر بھی فقہی نکتے پیدا کر دیئے، حالانکہ اس سے مراد ایک طُہر کی تین طلاقیں تھیں۔

قرآن کی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ والی آیت پوری پڑھ جائیے۔ صاف معلوم ہوگا کہ تیسری طلاق کو جو مغلّظہ قرار دیا گیا ہے وہ کوئی ایسی طلاق نہیں ہے جس سے پہلے رجوع کا حق ساقط کر دیا گیا ہو۔ مذکورہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے، پھر معروف طریقہ پر روکے رکھنا ہے یا بھلے طریقہ پر رخصت کر دینا: اس کے بعد خُلع کا ذکر ہے جو ایک طلاقِ بائن ہوتی ہے۔ اس کے بعد فائے تعقیب کے ساتھ تیسری طلاق کا حکم بیان فرمایا ہے: معلوم ہوا کہ اس حکم نے طلاقِ مغلّظہ سے پہلے عورت کے لئے خُلع کا موقع اور مرد کے لئے دو مرتبہ کی طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا موقع باقی رکھا ہے۔ ایک سانس میں تین طلاقیں دینے سے حکم کا منشا کیونکر پورا ہو گا اور قرآن کی بیان کردہ تیسری طلاق کا حکم اس پر کس طرح چسپاں ہو گا؟ — اگر مذکورہ آیت میں ایک طُہر میں ایک طلاق دینے کے لئے عبارۃ النص موجود نہیں ہے تو کیا اشارۃ النص بھی موجود نہیں ہے؟ یہ فائے تعقیب کس طرف اشارہ کر رہی ہے؟ بیک وقت زبان سے تین طلاق کے الفاظ نکل جانے پر یا تیسری مرتبہ طلاق کا فیصلہ کر دینے پر؟

آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ بتاتی ہے کہ دو مرتبہ رجوع کرنے کا موقع حاصل ہے، جب ہی تو "یا تو بھلے طریقہ سے روک رکھنا ہے" فرمایا گیا ہے۔ ایک وقت کی تین طلاقوں کو نافذ مان لینے کے بعد رجوع کا موقع کہاں

باقی رہتا ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں وہ مصلحت فوت نہیں ہوتی جو شریعت نے تیسری طلاق کے سلسلہ میں ملحوظ رکھی ہے؟ کیا قرآن کی اس آیت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ تیسری طلاق وہ طلاق ہے جو دو رجعی طلاقوں کے بعد دی جائے؟ اور یہ کہ اس تیسری طلاق سے پہلے خلع کا موقع بھی حاصل ہے۔ یک کلمہ دی جانے والی تین طلاقوں کے بعد خُلع کا موقع کہاں باقی رہتا ہے؟ کیا آیتِ مذکورہ کے یہ تمام متضمنات سُنّت طریقہ پر دی جانے والی طلاق کی طرف کھلا اشارہ نہیں کر رہے ہیں؟ اس آیت سے مشروع طلاق کا حکم نکلتا ہے یا بدعی طلاق کا؟ اگر مشروع طلاق کا حکم نکلتا ہے تو کیا مشروع طلاق کے لئے ایک طُہر میں ایک طلاق دینے کی قید نہیں ہے؟ آیت کے ان تمام متضمنات اور ان تمام مصالح سے جو اسلام نے اپنے ضابطۂ طلاق میں ملحوظ رکھے ہیں، صرفِ نظر کر کے تیسری طلاق کے اس حکم کو ایک سانس میں دی جانے والی تین طلاقوں پر چسپاں کر دینا اس عاجز کے لئے جو نہ مقلد ہے اور نہ کسی مسلک کا پابند، بالکل ناقابلِ فہم ہے۔

دوسری بات مدیرِ تجلّی نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ:

"جب قرآن ہی سے معلوم ہو گیا کہ عدت میں رجوع کا استحقاق مرد کو صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ طلاقیں دینے میں جلد بازی نہ کرے۔ اگر جلد بازی کرے گا تو عینِ زمانِ عدت میں استحقاق سلب ہو جائے گا، تو کیا آپ کا نص کا مطالبہ اب یہ معنی رکھتا ہے کہ کوئی اور قرآن آسمان سے نازل کرایا جائے؟" (طلاق نمبر ص ۱۲۷)

معاذاللہ! گویا تین یکجائی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر نصِ قطعی موجود ہے لیکن میں اسے تسلیم نہیں کر رہا ہوں! جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو آدمی اپنی بات منوانے کے لئے اسی طرح کی جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نصِ قطعی موجود ہے تو کیا وہ علامہ ابنِ تیمیہؒ اور علامہ ابنِ قیمؒ کو بھی دکھائی نہیں دی یا انھوں نے دانستہ اس سے انکار کیا؟ زاویۂ نظر کی یہ تنگی اختلافات کی خلیج کو ہمیشہ وسیع ہی کرتی رہی ہے۔ کاش ہمارے فقیہانِ حرم بحث و تحقیق کے آداب سے آشنا ہوتے! اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی بات کو ہرگز حرفِ آخر قرار نہ دیتے بلکہ نصوص کی تعبیر اور اجتہاد کے معاملہ میں آراء کا جو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس کے لئے گنجائش تسلیم کر لیتے۔

مدیرِ تجلّی نے جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ہر بات محتاجِ ثبوت ہے۔ بتایا جائے قرآن میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ جلد بازی کی صورت میں رجوع کا حق ساقط ہو گا، یا زمانِ عدت میں رجوع کا استحقاق سلب ہو جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ آیتِ قرآنی کی یہ ایک تعبیر ہے، لیکن دوسری تعبیر وہ ہے جو

فریقِ ثانی کرتا ہے۔ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا کہ اس کی اختیار کردہ تعبیر ہی نصِ قطعی کی حیثیت رکھتی ہے؟ گویا جو کچھ اس نے سمجھا وہ قرآن اور دین ہے اور جو دوسروں نے سمجھا وہ جہلِ مرکب!

(۵) مدیرِ تجلّی نے اگست و ستمبر ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں تین یکجائی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر احادیث اور صحابہ کرامؓ کے متعدد فتوے نقل کئے ہیں۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ان میں سے بیشتر حدیثوں پر میں اپنے مقالہ میں گفتگو کر چکا ہوں کہ تین کے وقوع پر کوئی بھی حدیث ایسی موجود نہیں ہے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی۔ رہی دارقطنی وغیرہ کی حدیثیں تو اولاً اتنے اہم مسئلہ میں دارقطنی جیسی تیسرے درجہ کی کتاب کسی حکم کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ ثانیاً اس قسم کی حدیثوں کے بارے میں علامہ ابنِ تیمیہؒ نے لکھا ہے:

ولم ینقل احدٌ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باسنادٍ منقولٍ أنّ أحداً اطلق امرأتہ ثلاثاً بکلمۃٍ واحدۃٍ فألزمہ الثلاث بل روی فی ذٰلک أحادیث کلّہا کذبٌ باتّفاق أھل العلم ولکن جاء فی أحادیث صحیحۃ أنّ فلاناً طلّق امرأتہ ثلاثاً ای متفرقۃً

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۲، ص ۸۵)

"کسی نے بھی نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اسناد کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ نقل نہیں کیا ہے کہ کسی شخص نے بیک کلمہ تین طلاقیں دی ہوں اور آپؐ نے ان تین طلاقوں کو لازم کر دیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں جو حدیثیں بھی مروی ہیں وہ باتّفاق اہلِ علم جھوٹی ہیں۔ ہاں احادیثِ صحیحہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے متفرق طور سے تین طلاقیں دی تھیں۔"

علامہ ابنِ قیمؒ دارقطنی کی حضرت معاذ بن جبلؓ والی حدیث اَلزمناہٗ بدعتہٗ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد میں اسمٰعیل بن اُمیہ ہیں جن کو دارقطنی نے خود ضعیف اور متروک الحدیث کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

ابنِ قیمؒ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہزار طلاقوں والی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دارقطنی نے اِس حدیث کو بیان کر کے خود لکھا ہے کہ اس کے راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کہ اگر انھوں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو بیوی ان سے جُدا ہو جاتی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صحیح اور سُنن کی حدیثوں میں یہ اضافہ مذکور نہیں ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس کے ایک راوی شعیب ہیں جو لیّن ہیں اور ان پر کلام کیا گیا ہے۔

حضرت حسنؓ کی حدیث کے بارے میں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی عائشہ کو تین طلاقیں دی تھیں، ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہیں جن کو ابو زرعہ نے کذّاب اور ابو حاتم نے منکر الحدیث کہا ہے۔

(ملاحظہ ہو اغاثۃ اللہفان، ج ۱، ص ۳۱۷ تا ۳۱۹)

اس قسم کی ضعیف روایتیں سب مل کر بھی ایک ایسے اہم مسئلہ میں جس کا تعلق نکاح کے لازماً ٹوٹ جانے سے ہو، حجّت نہیں بن سکتیں اور احکامِ دین کے بارے میں ضعیف حدیثوں کا سہارا لینا صحیح نہیں۔

رہے صحابۂ کرامؓ کے فتوے جو مدیر تجلّی نے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کے حق میں نقل فرمائے ہیں، تو اُن کے بارے میں عرض ہے کہ:-

اوّلاً صحابۂ کرام سے جو فتوے منقول ہیں ان میں سے متعدد فتوے بغیر اِسناد کے ہیں، اس لئے ثبوتِ اجماع کے لئے یہ ناکافی ہیں۔

ثانیاً، صحیح مسلم کی حضرت ابنِ عباسؓ والی حدیث جس میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور کے تعامل کا ذکر ہے، اگر قابلِ احتجاج سمجھی جائے تو اس سے اجماع کے دعوے کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں اور اگر قابلِ احتجاج نہ سمجھی جائے جیساکہ مدیرِ تجلّی کا خیال ہے تو اجماع کا دعویٰ بے بنیاد ہو جاتا ہے، کیونکہ ثبوتِ اجماع کے لئے حضرت عمرؓ کا فیصلہ پیش کیا جاتا ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔

ثالثاً، جن روایتوں میں صحابہؓ کے فتوے بیان ہوئے ہیں، ان میں سے متعدد روایتوں کے بارے میں درایۃً کلام کی گنجائش موجود ہے کیونکہ یہ روایتیں بتلاتی ہیں کہ ان کے زمانہ میں لوگ بیک وقت سَو سَو اور ہزار ہزار طلاقیں دینے لگے تھے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ اس طرح بھی طلاق دی جاتی کہ آسمان میں جتنے تارے ہیں اتنی طلاقیں۔ یہ اِکّا دُکّا واقعات نہیں بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات بہ کثرت پیش آتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان روایتوں کو قبول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ قرنِ اوّل کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ اُس وقت شدید معاشرتی بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، لوگ کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے لگ گئے تھے اور بدعی طلاق کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں تو

ہمارا موجودہ معاشرہ بساغنیمت معلوم ہوتا ہے کہ لوگ صرف تین طلاقیں دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک سو اور ایک ہزار طلاق کی بات تو کبھی سننے میں بھی نہیں آتی۔ ظاہر ہے جو روایتیں قرنِ اوّل کی اتنی غلط تصویر پیش کرتی ہوں وہ نہ قابلِ قبول ہو سکتی ہیں اور نہ لائقِ حجت اور نہ اس قسم کی روایتوں کا ڈھیر لگانے سے اجماع ثابت ہوتا ہے۔

رابعًا، صحابۂ کرامؓ کے کتنے فتوے ایسے ہیں جن کو متعدد فقہاء نے تسلیم نہیں کیا۔ مثلاً حضرت علیؓ "تو مجھ پر حرام ہے" کو تین طلاق قرار دیتے تھے لیکن حضرت ابن عباسؓ اس صورت میں کفارہ کی ادائیگی کو کافی خیال کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کہنے والے کی نیت اگر طلاق کی تھی تو طلاق ہوگی، اور اگر ظہار کی تھی تو ظہار ہوگا اور اگر مطلقاً یہ الفاظ کہے ہیں تو نہ طلاق ہوگی اور نہ ظہار، بلکہ صرف قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ کی شرح مؤطا کتاب الطلاق)

میراث کے مسئلہ میں ذوی الفروض پر ردّ (بقیہ مال لوٹانے) کا طریقہ حضرت علیؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے رائج کیا تھا، لیکن امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ لہٰذا تین یکجائی طلاقوں کے مسئلہ میں صحابۂ کرامؓ کے فتووں سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ "اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔"

خامسًا، صحابہؓ کے یہ فتوے اجتہاد پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے معاشرتی حالات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا تھا جبکہ معاشرہ شدید بگاڑ سے دوچار نہیں ہوا تھا، لیکن بعد میں جب بگاڑ میں اضافہ ہوتا چلا گیا تو نظرِ ثانی کی ضرورت ابھر کر سامنے آئی۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں از سرِ نو غور فرمایا۔

آج ہمارے معاشرہ کا جو حال ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مسلمانوں کے موجودہ معاشرتی حالات تقاضا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے اور قوتِ اجتہاد سے کام لے کر اس کا حل نکالا جائے۔ اجتہاد کے لئے اہلیت یقیناً شرط ہے، لیکن یہ شرط ایسی نہیں کہ اس کو پورا کرنا ممکنات میں سے نہ ہو۔

موجودہ دور کے مقلد علماء اجتہاد کو اتنا مشکل بنا کر پیش کرتے ہیں کہ نہ نو من تیل ہوگا والی بات کے مترادف ہو جاتا ہے ۔۔۔ اور مفتی حضرات کا کام بس یہ رہ گیا ہے کہ حالات سے آنکھیں بند کرلیں اور پیش آمدہ مسائل پر کتاب و سنت کی روشنی میں غور کرنے کے بجائے شامی اور درِ مختار جیسی فقہی کتابوں کے حوالے نقل کر کے پیش کریں اور اگر اجتہاد ناگزیر ہی ہو جائے تو تخریج در تخریج کا طریقہ اختیار کریں ۔

آخری بات یہ ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جمہور علماء و فقہاء کا قول ہے ۔ مجھے بھی اس سے انکار نہیں ہے ۔ لیکن یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ جمہور کی ہر رائے صحیح ہو اور گروہِ قلیل کی ہر رائے غلط ۔ کبھی گروہ قلیل کی رائے ہی صائب ہوتی ہے ۔ وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ ۔ اور دین نے ہمیں جمہور علماء کا نہیں بلکہ صرف کتاب و سنت کا پابند بنایا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت کی صحیح طور سے اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

نوٹ :- ایڈیٹر تجلی نے اگست و ستمبر ۱۹۷۲ء کے شمارہ میں مولانا عروج قادری صاحب کے مراسلہ کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ سے استدلال کو غلط ثابت کرنا چاہا ہے ۔ اس سلسلہ کی عجیب بات موصوف نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ "حضرت عمرؓ حاکم وقت تھے نہ کہ قاضی" نیز یہ کہ "اُن کا فیصلہ کسی عدالت میں بطور نظیر بھی پیش نہیں ہوتا تھا، کیونکہ عدالت میں عدالتی نظائر کام آتے ہیں، حکام کے انتظامی، یا سیاسی، یا اصلاحی اقدامات اور فیصلے کام نہیں آتے "۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کے مذکورہ فیصلہ کی حیثیت عدالتی نہیں بلکہ سیاسی اقدام کی تھی تو حضرت عمرؓ کے تین یکجائی طلاقوں کو نافذ کرنے کی جو علماء یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس کا نفاذ محض تعزیراً کیا گیا تھا، اُن کی یہ توجیہ کیوں غلط قرار دی جائے ؟ مزید یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کا فیصلہ عدالتی نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے تو صحابہؓ کے فتوے جن کی حیثیت بھی عدالتی فیصلوں کی نہیں ہے، حجت کس طرح بن سکتے ہیں ؟

از قلم

جناب مولانا محمد کرم شاہ ازہری مدیر ضیائے حرم مہتمم دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

رکن اسلامی نظریاتی کونسل و مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری گزارش

(ع، ح)

صاحب مقالہ مولانا پیر کرم شاہ صاحب ازہری پاکستان کے علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ موصوف علمائے حنفیہ پاکستان کی بریلوی شاخ سے متعلق ایک سربرآوردہ شخصیت اور علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

محترم پیر صاحب کا زیرِ نظر رسالہ مسئلہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں ہے یعنی وہی مسئلہ بیک وقت تین طلاق دینے کا جس میں عوام کو پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور جس کے لیے وہ بسا اوقات سرگرداں پھرتے نظر آتے ہیں۔

مولانا موصوف نے اس مسئلہ میں سب مذاہب اور ان کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور "دعوتِ فکر" کے لیے خصوصاً فقہ حنفیہ کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے احناف کے سامنے پیش کیا تھا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین واطیب الصلاۃ وازکی السلام علی قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین سیدنا و مولٰنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہ ومن تبعہ باحسانٍ الیٰ یوم الدین

اسلام اپنی صداقت کی خود دلیل ہے۔ اس کی تعلیمات، عقائد اور احکامِ شرعیہ کی طویل فہرست سے کوئی سا عنوان لے لیجئے۔ اور اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے۔ آپ بے ساختہ کہہ اُٹھیں گے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم)

مندرجہ سطور میں مجھے آپ کی خدمت میں اسلام کے نظامِ طلاق کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کا وجود مظلومیت کا مجسمہ تھا۔ یہ فرائض کے بارِ گراں کے نیچے دبی چلی جا رہی تھی۔ لیکن جہاں تک اس کے حقوق کا تعلق تھا، کسی کو ان کا احساس تک نہ تھا۔ طلاق کے سلسلے میں اسلام نے جو عادلانہ اصلاح کی اور اس اصلاح پر جو خوشگوار اور دور رس نتائج برآمد ہوئے اگر انہیں پر انسان منصفانہ نگاہ ڈالے تو اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں بلکہ حکیم و علیم خدا کا نازل کردہ دین ہے۔ اس وقت مشرق میں ہندوستان کے نیم براعظم میں بسنے والے لوگوں کے نزدیک ایک دفعہ شادی ہو جانے کے بعد یہ رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح مسیحی دنیا میں بھی جو سارے مغرب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی۔ یہ تعلق اتنا مقدس تھا کہ اس کو توڑنا سخت گناہ تھا۔ چنانچہ انجیل میں ہے "جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے" (متی ۱۹: ۶)

اس کے برعکس عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو ان گنت بار طلاق دے سکتا تھا چنانچہ مفسر کبیر ابن جریرؒ لکھتے ہیں۔ کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی۔ اور ہر بار عدت گذرنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی۔ لا اقربک ولا تحلین منی کہ "نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا۔ اور نہ تو مجھ سے آزاد ہو سکے گی"۔ اس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا اُطَلِّقُکِ حَتّٰی اِذَا دَنَا اَجَلُکِ رَاجَعْتُکِ ثُمَّ اُطَلِّقُکِ فَاِذَا دَنَا اَجَلُکِ رَاجَعْتُکِ "میں تجھے طلاق دوں گا

پھر جب عدت گزرنے کے قریب ہوگی تو میں رجوع کر لوں گا، پھر طلاق دوں گا اور پھر عدت گزرنے سے پہلے پہلے رجوع کر لوں گا۔ اسی طرح طلاق دیتا اور رجوع کرتا رہوں گا۔") وہ اپنے تاریک مستقبل کا تصور کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہ رسالتمآب رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستاں عرض کی۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر وہ آیت نازل فرمائی جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ اور عائلی قانون میں وہ تاریخی انقلابی لیکن عادلانہ اصلاح فرمائی جس نے بڑے بڑے دانشمندوں کو محوِ حیرت کر دیا۔

اسلام کے نزدیک رشتۂ ازدواج ایک مقدس رشتہ ہے۔ یہی وہ خشتِ اول ہے جس پر تمدن وعمران کا قصرِ رفیع اٹھایا جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی وحدت ہے جس سے قومیں معرضِ وجود میں آتی ہیں۔ اس کا جتنا احترام کیا جائے اتنا کم ہے لیکن بعض اوقات حالات اتنے سنگین ہو جاتے ہیں کہ میاں بیوی کا مل کر رہنا دونوں کے لیے شقاوت کا باعث ہوتا ہے۔ مزاجوں میں باہمی اتنا بُعد ہوتا ہے۔ کہ ان کو باہم جکڑے رکھنا دونوں کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اس تعلق کو اس کے تقدس کے باوجود منقطع کرنا دونوں کے لیے بلکہ سارے معاشرہ کے لیے بھی خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے اِس لیے اسلام نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت دی لیکن ساتھ ہی تنبیہ بھی کر دی کہ اِنَّ اَبْغَضَ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ ("طلاق حلال تو ہے لیکن اس کا استعمال اللہ کے نزدیک بہت مبغوض ہے") اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ طلاق دینے کا وہ حکیمانہ طریقہ سکھایا جس کے مطابق عمل کرنے سے اصلاحِ حال کا کوئی امکانی موقعہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اَب آپ وہ طریقہ ملاحظہ فرمائیے:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ الخ (البقرہ)

علامہ ابوبکر الجصاص علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے

لکھتے ہیں۔

قد ذکرت فی معناہ وجوہ احدھا انہ بیان للطلاق الذی تثبت معہ الرجعۃ والثانی انہ بیان لطلاق السنۃ والثالث انہ امر بانہ اذا اراد ان یطلقھا ثلاثا فعلیہ التفریق والدلیل علی ان المقصد فیہ الامر بتفریق الطلاق وبیان حکم ما یتعلق بایقاع ما دون الثلاث من الرجعۃ انہ قال الطلاق مرتان) وذلک یقتضی التفریق لامحالۃ لانہ لو طلق اثنتین معاً لما جاز ان یطلقھا مرتین وکذلک لو دفع رجل الی آخر درھمین لم یجز ان یقال اعطاہ مرتین حتی یفرق الدفع.... فثبت بذالک ان ذکرہ للمرتین انما ھو امر بایقاعہ مرتین ونھی عن الجمع بینھما فی مرۃ واحدۃ (احکام القرآن ج اص ۳۷۸)

اب ذرا تفصیلاً وہ طریقہ جسے قرآن نے بیان فرمایا۔ اور حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جس کی وضاحت فرمائی درج ذیل ہے۔

علماء احناف کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ احسن۔ حسن اور بدعی۔

(۱) طلاقِ احسن تو اس کو کہتے ہیں۔ کہ جب عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو خاوند اس سے مقاربت کرنے سے پہلے صرف ایک طلاق دے اور اس کے بعد اسے کوئی طلاق نہ دے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔

(۲) طلاقِ حسن:۔ جب عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو ایک طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو دوسری طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو تیسری طلاق دے۔ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس پر قطعی حرام ہو جائے گی۔ جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے بالکل ایسا نکاح جیسے اس نے پہلے خاوند سے بسنے کی نیت سے کیا تھا۔ اور پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے۔ اس وقت تک وہ دوبارہ پہلے خاوند کے عقد میں نہیں آسکتی۔

اگر آپ طلاق کے اس طریقہ پر غور فرماویں۔ تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ زوجیت

کا رشتہ اسلام کے نزدیک کتنا اہم ہے اور اسلام اس کی سلامتی اور بقاء کا کتنا خواہاں ہے۔ خاوند کو سوچ بچار کے لیے ایک طویل وقت دیا جاتا ہے۔ کہ تم اپنے آشیانے کو درہم برہم کرنے کا قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار نہیں۔ بار بار خوب سوچ لو۔ تم اپنے ایک ایسے ساتھی کو چھوڑ رہے ہو۔ جو تمہارا جیون ساتھی ہے۔ تم اپنے بچوں کو مہرِ مادری سے محروم کر رہے ہو۔ تم ان سے وہ گود چھین رہے ہو۔ جو ان کے لیے تختِ طاؤس اور قصرِ ابیض سے زیادہ عزیز ہے۔ اسلام چاہتا ہے۔ کہ اس عرصے میں ہنگامی وجوہات کے باعث جذبات میں جو تیزی، تعلقات میں جو تلخی اور مزاج میں جو برہمی پیدا ہو گئی ہے وہ فرو ہو جائے اور اپنی رفیقۂ حیات سے مفارقت کا جو فیصلہ آپ نے کیا ہے اس پر خوب غور کر لیں تاکہ پھر کفِ افسوس نہ ملتے رہیں۔ اور اشکِ ندامت نہ بہاتے رہیں۔ یہ مہلت عورت کے لیے بھی بڑی قیمتی ہے۔ وہ بھی اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل پر غور کر لے۔ اور اگر زیادتی یا قصور عورت کا ہے تو وہ بھی اگر اپنی اصلاح کرنا چاہے تو کر لے۔ اور اپنی وفاداری اور فرمانبرداری کا اپنے شریکِ حیات کو یقین دلا دے اور اس کے آئینۂ دل پر کدورت کا جو غبار جم گیا ہے۔ اسے اپنی سلیقہ شعاری سے اس مدت میں دور کر دے۔ لیکن اگر اتنی مدت دراز میں بھی دونوں میں صلح نہ ہو سکے اور خاوند اپنے فیصلے پر اڑا رہے تو پھر بہتری اسی میں ہے کہ اس رشتہ کو کاٹ دیا جائے تاکہ یہ پھانسی کا پھندا بن کر دونوں کے گلے میں نہ لٹکتا رہے۔ اس کے باوجود بھی یہ ہدایت فرمائی۔ کہ طلاق حیض کے ایام میں نہ ہو۔ کیونکہ ان ایام میں طبعی منافرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور طہر میں بھی مقاربت سے پہلے طلاق دینے کی ہدایت کی تاکہ رغبت میں فتور پیدا نہ ہو جائے۔ اور یہ دونوں عوامل کہیں مفارقت کے جذبہ کو تقویت نہ پہنچائیں۔ اس طریقہ کار سے عورت نہ تو بازیچۂ طفلاں بنی رہتی ہے۔ کہ آپ جب تک چاہیں۔ اس کی قسمت کے ساتھ کھیلتے رہیں چاہے پچاس طلاقیں دے دیں۔ اور ہر بار عدت گذرنے سے پہلے رجوع کر لیا کریں اور اسے اپنے نکاح کی زنجیر میں جکڑے رکھیں۔ اور نہ وہ پابندی کہ میاں بیوی لاکھ چاہیں کہ ہم جدائی اختیار کر لیں۔ اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔ لیکن قانون کا ڈنڈا ان کے سروں پر لٹک رہا ہو۔ اور انہیں بتا رہا ہو کہ تم مرو یا جیو اب تمہیں زندانِ زوجیت سے رہائی نہیں مل سکتی۔ خواہ تمہاری تخلیقی قوتوں کا دم گھٹ جائے خواہ تمہاری تعمیری صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جائیں پریم کا جو پیالہ امرت سمجھ کر تم نے خوشی سے ہونٹوں سے لگایا تھا۔ لبوں سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ خواہ حالات نے اس میں زہر ہلاہل گھول دیا ہو۔

قرآن حکیم میں طلاق کا جو قانون مذکور ہے ۔ اور اس کا جو طریقہ بیان فرمایا گیا ہے ۔ وہ یہی ہے ۔
تقریبًا تمام مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہی بیان فرمایا ہے حنفی علماء میں امام ابوبکر جصاص کی جو شان ہے وہ محتاج بیان نہیں ۔ ان کی مایۂ ناز تفسیر احکام القرآن کا ایک اقتباس آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس خیال کو کہ تین طلاقیں اگر ایک ساتھ ہی دی جائیں، تو جائز ہیں کا رد کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں ۔ حکم الطلاق ماخوذ من ھذہ الآیات ولولاھا لم یکن الطلاق من احکام الشرع فلم یجز لنا اثباتہ مسنونا الا علی ھذہ الشریطۃ وبھذا الوصف وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ادخل فی امرنا مالیس منہ فھو رد ۔ (ص۴۲۹)

یعنی "طلاق کا حکم ان آیات سے ماخوذ ہے اگر یہ آیات نازل نہ ہوتیں تو طلاق کو احکام شرعیہ سے شمار ہی نہ کیا جاتا ۔ اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ان مذکورہ شرائط اور صفات کے بغیر مسنون طریقہ پر اس کا اثبات کریں"۔

امام مذکور دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں ۔ قد روی عن النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہ وسلم فی النھی عن ایقاع الثلاث مجموعۃ بما لا مساغ للتاویل فیہ ۔ (احکام القرآن ج ۱ ص۴۵۱)

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں ۔ وقال آخرون انما انزلت ھذہ الآیۃ علی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعریفا من اللہ تعالیٰ ذکرہ عبادہ سنۃ طلاقھم نساءھم اذا ارادوا طلاقھن (ج ۲ ص۲۷۰)

ان عبارتوں میں سنت کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے، ممکن ہے کسی صاحب کو سنت کا معنی متعین کرتے ہیں کوئی غلط فہمی ہو اس لیے لفظ سنت جس معنی میں یہاں مستعمل ہوا ہے ۔ اس کے متعلق صاحب روح المعانی کی یہ تصریح پیش نظر رہے ۔ وانما السنۃ التفریق لما روی فی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لہ" انما السنۃ ان تستقبل الطھر استقبالا فتطلقھا لکل قرء تطلیقۃ" فانہ لم یرد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من السنۃ انہ یستعقب الثواب لکونہ امرا مباحًا فی نفسہ لامند و بابل کونہ من الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین (ج ۲ ص۱۳۶)

طلاق کی تیسری قسم ۔ طلاق بدعی ۔ یہ اس طلاق کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ بالا طریقہ کے خلاف طلاق دی گئی ہو۔ اب اگر کوئی شخص تین طلاقیں ایک ساتھ ہی دے دیتا ہے۔ تو اسے طلاق بدعی کہیں گے ۔ کیونکہ طلاق کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ۔ اس نے اس کے خلاف طلاق دی ۔

تمام علماء احناف (و علماء مالکیہ و حنبلیہ) اس بات پر متفق ہیں کہ طلاق بدعی حرام ہے لیکن علماءِ اسلام کا اس میں اختلاف ہے ۔ کہ اگر کوئی اس طرح طلاق دے تو کیا تینوں واقع ہو جاتی ہیں ۔ یا ایک طلاق واقع ہوتی ہے ۔ جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں ۔ کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں ۔ اور عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے ۔ اور جب تک حتی تنکح زوجا غیرہ کی شرط پوری نہ کرے ۔ اس کے عقد میں نہیں آ سکتی اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس طرح صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے ۔ باقی لغو ہوتی ہیں ۔ علماء مصر نے جن میں علماء ازہر بھی شامل ہیں زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر قول ثانی کو ترجیح دی ہے اور اب مصر اور کئی دوسرے اسلامی ممالک میں شرعی عدالتیں اسی قانون پر عمل پیرا ہیں ۔ اس سے پیشتر کہ ہم کسی فیصلے تک پہنچیں ۔ بڑی فراخدلی ، انتہائی خلوص اور للہیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر فریقین کے دلائل کا جائزہ لینا چاہیے ۔

اس امر میں تو سب متفق ہیں کہ قرآن حکیم نے طلاق کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ یہی ہے کہ ایک ایک طلاق تین طہروں میں دی جائے اور تینوں طلاقیں ایک طہر میں دینے کا قرآن میں کوئی ثبوت نہیں ۔ بعض حضرات نے مندرجہ آیات سے تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا جواز نکالا ہے ۔

(۱) وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ (۲) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ (۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ ۔

ان کی وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں ہر آیت میں طلاق کا ذکر ہے لیکن یہ تصریح کسی میں نہیں کہ طلاقیں جدا جدا دی گئی ہیں ۔ تو پتہ چلا کہ ایک ساتھ بھی اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں ۔ تو ان کا بھی یہی حکم ہے ۔ تو اس کے جواب میں یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیتیں مطلق ہیں ۔ دوسری آیات اور سنت نبوی نے ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے ۔ اور ان کے احکام اور شرائط کو بیان کر دیا ۔ نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاقیں دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں ۔

اب ہمیں سنّتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور اس ذاتِ اقدس و اطہرؐ کے ارشاداتِ طیبہ سے اس مشکل کا حل طلب کرنا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تفسیر و تشریح کے لیے مبعوث فرمایا۔ اور یہی وہ درگاہِ بیکس پناہ ہے جہاں گم کردہ راہوں کو ہدایت کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ سپہرِ علم و حکمت کا یہی وہ مہرِ درخشاں ہے جس کے سامنے انسانی عقول کے سارے ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔

وہ احادیث جن سے جمہور علماءِ اسلام نے استدلال فرمایا

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انَّ عُوَیمِرَ العجلانی طَلَّقَ امرأتہ ثَلَاثًا بِحَضْرَۃِ رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم (شیخین)

تو معلوم ہوا کہ اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو حضورؐ اسے منع فرماتے۔ حضورؐ کا سکوت فرمانا ان کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ لیکن کیا اس حدیث سے استدلال درست ہے۔ تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ خود ابوبکر الجصاص اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب عویمر اپنی بیوی کے خلاف زنا کا الزام لگاتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور لعان کی آیت نازل ہوئی۔ جب لعان ہو چکا۔ تو اس کے پیشتر کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی تفریق کا حکم صادر فرماتے اس وقت عویمر نے تین طلاقیں دیں۔ جصاص فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جب صرف لعان سے ان کا نکاح ٹوٹ گیا تھا۔ تو اب اگر وہ طلاق دے رہے تھے۔ تو وہ لغو اور بے اثر تھی کیونکہ طلاق کا اثر تو فسخ نکاح ہے۔ جب نکاح پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ تو اب اس طلاقِ ثلاث کا کوئی مقصد نہ تھا۔ کیونکہ یہ بے اثر اور لغو تھی۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکوت اختیار فرمایا۔ جصاص فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی پوچھے کہ تمہارے حنفی مذہب کے مطابق تو جب تک قاضی فسخ نکاح کا فیصلہ صادر نہ کرے صرف لعان سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ تو جس وقت اس نے تین طلاقیں دیں۔ نکاح موجود تھا۔

تو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا سکوت تو صحتِ وقوع اور جواز پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس کے وہ دو جواب فرماتے ہیں۔

قیل له جائز ان یکون ذلك قبل ان یسن الطرق للعدة و منع الجمع بین التطلیقات فی طهر واحد فلذالك لم ینكر الشارع صلی الله علیه وسلم وجائز ایضا ان تکون الفرقة لما كانت مستحقة من غیر جهة الطلاق لم ینكر علیه ایقاعها بالطلاق۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط میں اس کا ایک اور جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ عویمرؓ اس وقت سخت غصے کی حالت میں تھے۔ اگر انہیں کچھ کہا جاتا تو ممکن تھا کہ بارگاہ رسالت میں کوئی نازیبا کلمہ ان کے منہ سے نکل جاتا اور ایمان بھی سلب ہو کر رہ جاتا۔ حضور کریم نے عویمرؓ پر رحم فرماتے ہوئے سکوت فرمایا۔

دوسری حدیث

عن القاسم بن محمد عن عائشة رضی الله عنها ان رجلا طَلَّقَ امرأته ثلاثا فتزوجت فَطَلَّقَتْ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم اَ تَحِلُّ لِلْاَوَّلِ قَالَ لَا حَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ (بخاری)

وجہ استدلال:۔ یہاں بھی تین طلاقوں کا ذکر ہے۔ اگر ان سے حرمت غلیظہ ثابت نہ ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیوں ایسا ارشاد فرماتے تو معلوم ہوا کہ تین طلاقیں اگر ایک ساتھ دی جائیں تو وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تھیں۔ بلکہ طَلَّقَ ثَلَاثًا کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے تین بار طلاقیں دیں۔ اس لیے اس حدیث سے بھی استدلال درست نہ ہوا۔

تیسری حدیث

عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰن ان فاطمة بنت قیس اخبرته اَنَّ زَوْجَهَا اَبَا حَفْصِ بْنَ الْمُغِیْرَةِ المخزومی طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلَی الْیَمَنِ فَانْطَلَقَ خَالِدُ بْنُ وَلِیْدٍ فِیْ نَفَرٍ فَاَتَوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِ مَیْمُوْنَةَ

أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالُوْا اَنَّ اَبَا حَفْصٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَهَلْ لَهَا نَفَقَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْسَ لَهَا نَفَقَةٌ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ ۔

وجہ استدلال :۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں ۔

اس کا جواب طَلَّقَهَا ثَلَاثًا کے الفاظ مجمل ہیں۔ ان کا بیان دوسری حدیث میں موجود ہے۔ جسے امام مسلم رحؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ۔

ان ابا عمرو بن حفص بن المغيرة خرج مع علی بن ابی طالب الی اليمن فَاَرْسَلَ اِلَی امْرَأَتِهٖ فاطمةَ بنتَ قَيْسٍ بِتَطْلِيْقَةٍ كَانَتْ بَقِيَتْ مِنْ طَلَاقِهَا الخ (مسلم صـ۴۸۳)

اس سے صاف واضح ہوگیا کہ اس نے پہلے دو طلاقیں دے دی تھیں یہ آخری طلاق بعد میں یمن سے بھیجی ۔ یہ الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہیں دی گئی تھیں ۔ نیز اس حدیث میں جو حکم صراحۃً مذکور ہے کہ وہ عورت جسے طلاق مغلظہ دی گئی ہو اس کا نفقہ اور سکونت خاوند کے ذمہ نہیں اس حکم صریح کو کسی امام نے بھی تسلیم نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے ۔

چوتھی روایت روی عبد الرزاق فی مصنفه عن یحیی بن العلاء عن عبید اللہ بن الولید الوصافی عن ابراهیم بن عبید اللہ بن عبادة بن الصامت عن داؤد عن عبادة بن الصامت قال طَلَّقَ جَدِّیْ امْرَأَةً لَهٗ اَلْفَ تَطْلِيْقَةٍ فَانْطَلَقَ اَبِیْ اِلٰی رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر له ذلک فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اتَّقَی اللّٰهَ جَدُّكَ اَمَّا الثَّلَاثُ فَلَهٗ وَاَمَّا ۹۹۷ عُدْوَانٌ وَظُلْمٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَذَّبَهٗ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ ۔

وجہ استدلال :۔ یہ نص صریح ہے ۔ کہ اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں ۔ لیکن ایک ساتھ دینے والا گنہگار ہوتا ہے ۔

اس کا جواب اس کے راویوں کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی رائے ملاحظہ فرمائیے اور اس

کے بعد خود فیصلہ کیجئے کہ کیا ایسے راویوں کی روایت سے استدلال درست ہے۔

(۱) یحیی بن العلا :۔ قال ابو حاتم لیس بالقوی وضعفه ابن معین قال الدارقطنی متروك ۔ وقال احمد كذاب يضع الحديث (میزان الاعتدال للذہبی)

(۲) عبيد الله بن الوليد الوصافی :۔ عن يحيى ليس بشيئ ۔ قال ابو ذرعة والدارقطنی وغيرهما ضعيف قال النسائی متروك (میزان الاعتدال)

(۳) ابراهيم بن عبيد الله ۔ (مجہول)

نیز اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عبادۃ کے والد اور دادے کا مشرف باسلام ہونا کسی صحیح یا سقیم روایت سے کبھی ثابت نہیں۔

پانچویں روایت

عن سويد بن غفلة قال كَانَتْ عَائِشَةُ الْخَثْعَمِيَّةُ عِنْدَ الْحَسَنِ بن علی رضی الله عنه فلما قُتِلَ عَلِیٌّ رضی الله عنه قالت لِتَهْنِئْكَ[۱] يعنی ثلاثا قال فتلفعت بثيابها وقعدت حتى قضت عدتها فبعث اليها ببقية بقيت لها من صداقها وعشرة آلاف صدقة فلما جاءها الرسول قالت (متاع قليل من من حبيب مفارق) فلما بلغه قولها بكى ثم قال لولا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی يقول ايما رجل طلق امراته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبهمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره لراجعتها ۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقی ج ۷ ص ۳۳۶)

[۱] ای لأنه قال بقتل علی تظهرین الشماتة اذهبی انت طالق

وجہ استدلال :۔ ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔

اس کا جواب

اس روایت کو علامہ بیہقی نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ ان کے رجال کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی آراء سن لیجئے اور پھر فرمائے کہ کیا ایسی روایت حجت بن سکتی ہے؟

پہلی سند کے بعض رجال

(۱) محمد بن حميد الرازی :۔ قال البخاری فيه نظر و كذب به ابو ذرعة وعن الكوسج قال اشهد انه كذاب قال صالح ما رايت اجرأ على الله منه كان ياخذ احاديث الناس فيقلب بعضه ببعض ۔ (میزان الاعتدال للذہبی)

(۲) سلمہ بن الفضل القرشی:۔ قال ابوحاتم منکرالحدیث وقال ابوزرعۃ لا اعرفہ (میزان) قال علی خرجنا من الری حتی رمینا بحدیثہ (تہذیب التہذیب ابن حجر)

دوسری سند کے ایک راوی کا حال بیان کرنا ہی کافی ہے۔ عمران بن مسلم: قال ابو احمد الزبیری رافضی کانہ جرو کلب۔ جرو کا معنی ہے پلہ اور کلب کتے کو کہتے ہیں۔ نقرہ آپ خود بنالیجئے۔

اُن علماء کے دلائل

جن کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے

پہلی دلیل اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا جو طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہی ہے کہ ایک ایک طلاق ہر طہر میں دی جائے۔ الطلاق مرتان الخ

اور ابوبکر جصاص کی یہ عبارت آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حکم الطلاق ماخوذ من ھذہ الآیات لولاھا لم یکن الطلاق من احکام الشرع الخ

اس آیت کی تفسیر میں انھوں نے لکھا ہے۔

انہ امر بانہ اذا اراد ان یطلقھا ثلاثا فعلیہ التفریق الخ

قرآن کریم میں ہے۔ سنعذبھم مرتین "ہم ان کو دوبارہ عذاب دیں گے"۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے ہم انہیں ایک دفعہ عذاب دیں گے۔ اس کے بعد دوبارہ پھر عذاب دیں گے۔

یا حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر خاتون جنت سے فرمایا تھا کہ بیٹی نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ۔ ۳۳ بار الحمد للہ۔ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔ یہ لونڈیوں سے بہتر ہے۔ اب اگر کوئی شخص سبحان اللہ تینتیس بار (ایک دفعہ) کہہ دے تو کیا وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

یا مثلاً ترمذی کی حدیث ہے:۔

عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال فی دبر صلاۃ الفجر وھو ثان رجلیہ قبل ان یتکلم لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيئ قدير عشر مرات كتب له عشر حسنات الخ

اب اگر کوئی ایک بار یہ الفاظ کہہ کر دس کا عدد ساتھ بڑھا دے تو کیا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

الطلاق مرتان کے متعلق عمدۃ النحاۃ والبلغاء اثیر الدین ابی عبداللہ محمد بن یوسف المعروف بابن حیان کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے وقیل المعنی بذلک تفریق الطلاق اذا اراد ان یطلق ثلاثا وھو یقتضیہ اللفظ لانہ لو طلق مرتین معاً فی لفظ واحد لما جاز ان یقال طلقھا مرتین وکذلک لو رفع الی رجل درھمین لم یجز ان یقال اعطاہ مرتین حتی یفرق الدفع فحینئذ یصدق علیہ ھکذا ابحثوا فی ھذا الموضع وھو بحث صحیح ومازال یختلج فی خاطری انہ لو قال انت طالق مرتین او ثلاثا انہ لا یقع الا واحدۃ لانہ مصدر للطلاق و یقتضی العدد فلابد ان یکون الفعل الذی ھو عامل فیہ یتکرر وجودا کما تقول ضربت ضربتین او ثلاث ضربات لان المصدر ھو مبین لعدد الفعل فمتی لم یتکرر وجودا استحال ان یکون مصدرہ ان یبین رتبۃ العدد فاذا قال انت طالق ثلاثا فھذہ لفظ واحد ومدلولہ واحد والواحد یستحیل ان یکون ثلاثا او اثنین (البحر المحیط ص۱۹۲ ج ۲)

دوسری دلیل والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثہ قروء.... وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا۔ (البقرہ)

یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ تیسری آخری طلاق سے پہلے دو رجعی طلاقیں دی گئی ہوں۔

تیسری دلیل محمود بن لبید سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی گئی۔ کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں۔ **فقام مغضبا ثم قال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھرکم**۔ یعنی "یہ سن کر حضور فرط غضب سے کھڑے ہو گئے اور خشم گیں لہجہ میں فرمایا کہ کیا اللہ

ی کتاب کے ساتھ مذاق کیا جارہا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں"

وجہ استدلال: ۔حضورؐ کا ایسے شخص پر ناراض ہونا جس نے تینوں طلاقیں ایک بار دی تھیں۔ اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ ایسا کرنا حکمِ الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔

چوتھی دلیل

حدثنا سعد بن ابراھیم حدثنا ابی عن محمد بن اسحٰق حدثنی داؤد الحصین عن عکرمۃ مولی ابن عباس عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی مطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزنا شدیدا قال فسأله رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف طلقتها قال طلقتها ثلاثا قال فقال: فی مجلس واحد قال نعم قال انما تلك واحدۃ فارجعها ان شئت قال فراجعها۔ (رواہ احمد واسنادہ صحیح)

علامہ ابن حجر فتح الباری شرح البخاری میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

واخرجه احمد وابو یعلی وصححه من طریق محمد بن اسحٰق و هذا الحدیث نص فی المسئلة لایقبل التاویل ۔

اس حدیث کا جواب

جمہور علماء نے اس حدیث پر جو رد قدح کی ہے۔ اس کو علامہ ابن حجر رحہ نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی بے لاگ رائے بھی ذکر کر دی ہے۔

جمہور کا پہلا اعتراض

اس کے راویوں میں محمد بن اسحاق ہے۔ ان کے متعلق اور ان کے استاد کے متعلق علماء جرح و تعدیل کا اختلاف ہے۔ اس لیے یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ اس کے جواب میں ابن حجر لکھتے ہیں۔

واجیب بانهم احتجوا فی عدۃ من الاحکام بمثل هذا الاسناد کحدیث ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم رد علی ابی العاص زینب بنته بالنکاح الاول ولیس کل مختلف فیه مردودا ۔

جمہور کا دوسرا اعتراض

ابن عباسؓ کی یہ روایت ان کے فتوٰی کے خلاف ہے اس لیے آپ کے فتوٰی کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابن عباسؓ حضور کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت کریں۔ اور پھر اس کے

مخالف فتویٰ دیں علامہ ابن حجر نے یہ کہہ کر اس اعتراض کا بھی اصولی جواب دے دیا۔
اجیب بان الاعتبار بروایۃ الراوی لا برأیہ۔"

تیسرا اعتراض اس واقعہ کے متعلق جو روایت ابوداؤد میں ہے اس میں تین طلاق کے بجائے طلاق البتہ مذکور ہے ممکن ہے اس راوی نے طلاق البتہ سے تین طلاقیں سمجھ لی ہوں۔ اور اپنی سمجھ کے مطابق بیان کر دیا ہو۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے اس حدیث کا جواب ہو سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ مذہب شاذ ہے اِس لیے اس پر عمل نہ ہو گا اس کے متعلق صاحب فتح الباری رقمطراز ہیں۔

واجیب بانہ نقل عن علی وابن مسعود وعبد الرحمٰن بن عوف والزبیر مثلہ نقل ذلک ابن مغیث فی کتاب الوثائق لہ وعزاہ لمحمد بن وضاح ونقل الغنوی ذلک عن جماعۃ من مشائخ قرطبۃ کمحمد بن تقی بن مخلد ومحمد بن عبد السلام الحسنی وغیرھما ونقلہ ابن المنذر عن اصحاب ابن عباس کعطاء وطاؤس وعمرو بن دینار ویتعجب من ابن التین حیث جزم بان لزوم الثلاث لا اختلاف فیہ وانما الاختلاف فی التحریم مع ثبوت الاختلاف کما تری ۱۲ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۷)

پانچویں دلیل عن ابن عباس قال طلق عبد یزید ابو رکانۃ و اخوتہ ام رکانۃ ونکح امرأۃ من مزینۃ فجاءت النبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم فقالت ما یغنی عنی الا کما تغنی ھذہ الشعرۃ لشعرۃ اخذتھا من راسھا ففرق بینی وبینہ فاخذت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حمیۃ فدعا برکانۃ واخوتہ ثم قال لجلسائہ اترون فلانا یشبہ منہ کذا وکذا من عبد یزید وفلانا یشبہ منہ کذا وکذا قالوا نعم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعبد یزید طلقھا ففعل قال راجع امرأتک ام رکانۃ واخوتہ فقال انی طلقتھا ثلاثا

یا رسول اللہ قال قد علمت راجعھا وتلا یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ (رواہ ابوداؤد)

وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے۔ اور یہ بھی نص صریح ہے۔ کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی ہیں۔

اس کا جواب امام ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ اس سے اصح وہ حدیث ہے۔ جسے نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ نے اپنے باپ اور اس نے اس کے دادے سے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔ ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ اور اس کے اصح ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔ لانھم ولد الرجل واھلہ اعلم بہ۔ یعنی "یہ روایت رکانہ کی اولاد سے ہے۔ اور اولاد اپنے باپ کے حالات سے زیادہ خبردار ہوتی ہے۔"

جواب الجواب یہ دو روایتیں دو علیحدہ علیحدہ واقعات کے متعلق ہیں۔ پہلی روایت رکانہ کے باپ عبد یزید کی طلاق کے متعلق ہے۔ اور دوسری رکانہ کی اپنی طلاق کے متعلق ہے۔ اس لیے یہاں کوئی تعارض نہیں۔

اور اگر انہیں ایک واقعہ سے ہی متعلق کیا جائے۔ جس سے حدیث کے الفاظ بالکل انکار کرتے ہیں۔ تو پھر بھی ابوداؤد کے الفاظ سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک ابن عباسؓ کی روایت کی سند بھی صحیح ہے۔ اور کسی راوی پر انہیں اعتراض نہیں ورنہ وہ ضرور اس کی تصریح فرما دیتے صرف گھر والوں کے روایت کرنے سے اصح ہونا محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ کوئی گھریلو اور نجی معاملہ تو ہے نہیں کہ اس سے صرف گھر والوں کو ہی دلچسپی ہو یہ تو احکام شرعیہ سے مہتم بالشان حکم ہے۔ اور مسائل فقہیہ اور امور شرعیہ کے سمجھنے میں جو مقام حضرت ابن عباس بحرالامۃ کو حاصل ہے۔ اس پر حضرات ابن عجیر و علی کی رسائی کہاں۔ اب آپ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی تعبیر میں جو دقت اور صحت ہوگی کیا اس کا مقابلہ وہ صاحبان کر سکتے ہیں۔ اس لیے بجائے اس کے کہ اول الذکر روایت میں تاویل کر کے اسے آخر الذکر کے مطابق کیا جائے۔ اصولِ حدیث کا تقاضا یہی ہے۔ کہ غیر فقیہہ کی روایت میں تاویل کر کے اسے فقیہہ کی روایت کے مطابق بنایا جائے۔ علماءِ اصولِ حدیث نے تصریح کی ہے۔ اور اگر دو حدیثیں متعارض ہوں۔ تو مذکورہ مرجحات میں سے جس میں کوئی ایک مرجح پایا جائے۔ اسی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

چنانچہ علامہ جلال الدین السیوطی تدریب الراوی میں ان مرجحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ثالثها فقه الراوی سواء کان الحدیث مروياً بالمعنى او اللفظ لان الفقيه اذا سمع ما يمتنع حمله على ظاهره بحث عنه حتى يطلع على ما يزول به الاشكال بخلاف العامی۔ (تدریب الراوی ص۱۹۵ مطبع خیریہ مصر)

نیز اہل مدینہ کا عرف یہ تھا کہ طلاق ثلاث کو طلاق البتہ کہا کرتے۔ نہ یہ کہ طلاق البتہ کو طلاق ثلاث۔ اس لیے اہل مدینہ کے عرف کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی معنی درست ہے۔ کہ جن روایتوں میں البتہ کا لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں اس کا معنی ثلاث ہے۔ اور یہ فرض کر لینا کتنا تعسف ہے کہ ابن عباس جیسے فقیہہ اور بحر الامت نے عرف کے خلاف البتہ کو طلاق ثلاث سمجھ لیا ہو۔

چھٹی دلیل

حدثنا اسحٰق بن ابراهيم ومحمد بن رافع واللفظ لابن رافع قال اسحٰق اخبرنا وقال ابن رافع حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن ابن طاؤس عن ابيه عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وعهد ابی بکر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر كانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم (مسلم)

انہیں الفاظ کو امام احمد بن حنبل نے عبد الرزاق سے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ نمبر حدیث ۲۸۷۷ ہے۔ اس حدیث کے راویوں کے متعلق بھی علماء جرح و تعدیل کی شہادتیں سن لیجئے۔

(۱) اسحٰق بن ابراهيم بن مخلد۔ احد الائمة الاعلام ثقة حجة وسئل ابو عبد الله عن اسحٰق فقال هل اسحٰق يسئل عنه۔ اسحٰق عندنا امام من ائمة المسلمين (میزان الاعتدال)

قال النسائی اسحٰق احد الائمة ثقة مامون۔ قال ابن حبان كان اسحٰق من سادات اهل زمانه فقهاً وعلماً وحفظاً۔ (تہذیب التہذیب)

(۲) محمد بن رافع :۔ قال البخاری كان من خيار عباد الله وقال النسائی الثقة المامون۔ قال مسلم بن الحجاج ثقة مامون ۔ (تہذیب التہذیب)

(۳) عبد الرزاق بن همام :۔ احد اعلام الثقات۔ قال ابو زرعة الدمشقی

قلت لاحمد کان عبد الرزاق یحفظ حدیث معمر قال نعم۔ قیل له من اثبت فی ابن جریج عبد الرزاق او البرسانی قال عبد الرزاق
ابو بکر بن زنجویه سمعت عبد الرزاق یقول الرافضی کافر۔ و قال احمد بن صالح قلت لاحمد بن حنبل هل رایت احسن حدیثا من عبد الرزاق قال لا۔ (میزان الاعتدال)

(۴) معمر بن راشد بن ابی عمرو البصری :۔ الامام المحدث المشهور۔ و قال احمد بن حنبل لا یضم معمر الی احد الا و معمر اطلب للعلم منه و اتفقوا علی توثیقه و جلالته (تہذیب الاسماء للنووی ص۱۰۱)

(۵) ابن طاؤس :۔ قال ابو حاتم و النسائی ثقة و قال العجلی ثقة و ذکره ابن حبان فی الثقات و قال کان من خیار عباد الله فضلا و نسکا و دینا و تکلم فیه بعض الرافضة (تہذیب التہذیب)

(۶) طاؤس الیمانی التابعی :۔ هو من کبار التابعین و العلماء و الفضلاء الصالحین و اتفقوا علی جلالته و فضیلته و وفور علمه و صلاحه و حفظه و تثبته و قال عمرو بن دینار ما رایت احدا قط مثل طاؤس۔ (تہذیب الاسماء)

ساتویں حدیث

حدثنا اسحٰق بن ابراهیم قال اخبرنا روح بن عبادة قال اخبرنا ابن جریج و قال و حدثنا ابن رافع و اللفظ له حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی ابن طاؤس عن ابیه ان ابا الصهباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم و ابی بکر و ثلاثا من امارة عمر فقال ابن عباس نعم (مسلم)

اس حدیث کے رواۃ کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی آراء بھی درج ذیل ہیں۔

(۱) اسحٰق بن ابراہیم :۔ ان کا ذکر پہلے گذر چکا

(۲) روح بن عبادۃ :۔ القیسی ثقۃ مشہور حافظ۔ و قال ابن معین وغیرہ صدوق

قال یحیی صدوق ثقة - قال البزار فی مسنده ثقة مامون (میزان الاعتدال)

(۳) ابن جریج - قال عطاء بن ابی رباح سید اهل الحجاز ابن جریج و ذکر مناقبه اکثر من ان تحصی - (تہذیب الاسماء)

(۴، ۵، ۶، ۷) محمد بن رافع - عبدالرزاق ابن طاؤس اور طاؤس ان سب کا ذکر گذر چکا۔

آٹھویں حدیث حدثنا اسحٰق بن ابراهیم قال اخبرنا سلیمان بن حرب عن حماد بن زید عن ایوب السختیانی عن ابراهیم بن میسرة عن طاؤس ان ابا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك الم یكن الطلاق الثلاث علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم وابی بكر واحدة فقال قد كان فلما كان فی عهد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم (مسلم)

اس حدیث کے راویوں میں جن کا ذکر پہلے نہیں آیا - ان کے احوال پیش خدمت ہیں۔

(۱) سلیمان بن حرب :- قال ابوحاتم امام من الائمة - قال یحیی ابن اکثم ثقة حافظ الحدیث - قال یعقوب كان ثقة ثبتا صاحب حفظ - (تہذیب التہذیب)

(۲) حماد بن زید :- هو الامام البارع المجمع علی جلالته قال یحیی بن یحیی ما رایت احدا من الشیوخ احفظ من حماد (تہذیب الاسماء)

(۳) ایوب السختیانی :- واتفقوا علی جلالته وامامته وحفظه وتوثیقه ووفور علمه وفهمه وسیادته (تہذیب الاسماء)

(۴) ابراهیم بن میسرة :- تابعی جلیل واتفقوا علی انه ثقة مامون - قال ابن عیینة كان من اوثق الناس واصدقهم (تہذیب الاسماء)

یہ جلیل الشان حدیث اپنی تین سندوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے اور اس کے راویوں کی جلالت شان بھی آپ نے ملاحظہ فرمالی - یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں ایک ساتھ دیتا تھا، تو اسے عہدِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اور خلافت صدیق اکبر میں ایک طلاق تصور کیا جاتا تھا - یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم کی خلافت کے پہلے دو سال تک جاری رہا - تیسرے سال آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اب خلافِ کتاب وسنت تین طلاقیں ایک ساتھ دینے

لگے ہیں۔ تو آپ نے حکم صادر فرمایا کہ اب اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو اس کی عورت اس پر حرام ہو جائے گی (یہ بحث بعد میں آئے گی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی نوعیت کیا تھی)۔

اس کا جواب

جمہور علماء کرام کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ اگرچہ ان جوابات اور ان پر جو کلام کیا گیا ہے۔ اس کے ذکر میں تطویل ہے لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔

پہلا جواب

یہ حکم غیر مدخول بہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی اگر غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دی جاتیں تو ایک ہی تصور ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک طلاق سے ہی جدا ہو جاتی۔ اور اس جواب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابو داؤد نے ایوب سختیانی سے روایت کی ہے۔ کیونکہ وہاں تصریح ہے کہ یہ حکم غیر مدخول بہا کا تھا۔ اب یہ حکم جو مخصوص ہے اس کو عام حکم بنانا ہرگز درست نہیں۔

اس کا رد:۔ جس حدیث سے آپ نے استدلال کیا ہے۔ اس کے متعلق امام نووی رح نے شرح مسلم میں لکھا ہے "ھذہ الروایۃ لابی داؤد ضعیفۃ رواہ ایوب السختیانی عن قوم مجھولین عن طاؤس عن ابن عباس فلا یحتج بھا فاللہ اعلم۔ (النووی شرح مسلم ص ۲۷۸)

قرطبی نے بھی اس جواب پر اعتراض کیا ہے۔

دوسرا جواب

یہ حدیث منسوخ ہے۔ بعض علماء نے اس جواب کو بہت پسند کیا ہے۔ اور بعض نے اسے ناپسند کیا ہے۔ امام نووی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

قال المازری وقد زعم من لا خبرۃ لہ بالحقائق ان ذلک کان ثم نسخ قال وھذا غلط فاحش لان عمر رضی اللہ عنہ لا ینسخ ولو نسخ وحاشاہ لبادرت الصحابۃ الی انکارہ وان اراد ھذا القائل انہ نسخ فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذلک غیر ممتنع ولکن یخرج عن ظاھر الحدیث لانہ لو کان کذلک لم یجز للراوی ان یخبر ببقاء الحکم فی خلافۃ ابی بکر و بعض خلافۃ عمر فان قیل فلعل النسخ انما ظھر لھم فی زمن عمر قلنا ھذا غلط ایضا لانہ یکون قد حصل الاجماع علی الخطأ فی زمن ابی بکر

والمحققون من الاصوليين لا يشترطون انقراض العصر في صحة الاجماع والله اعلم۔ (النووی شرح مسلم ص۴۷۸)

نیز اگر یہ حکم منسوخ ہوتا . . . . تو منسوخ حکم پر حضور کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ ہمایوں اور صدیق اکبرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سالوں میں اس پر عمل کیوں کر جاری رہتا۔ اور یہ کوئی معمولی بات تو تھی نہیں کہ اس کی پروا نہ کی جاتی بلکہ اس کا تعلق تو حلت و حرمت سے تھا۔

مزید برآں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے الفاظ اس جواب کو قبول نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ شَیْئٍ کَانَتْ لَھُمْ فِیْہِ اَنَاۃٌ۔ ان الفاظ پر غور کیجئے اور بتائیے کہ کیا منسوخ حکم میں بھی کوئی مہلت ہوا کرتی ہے۔ حکم منسوخ تو ختم ہو چکا۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا گیا۔ اب اس میں مہلت کا کیا معنی؟ تو معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہ تھا۔ ورنہ حضرت فاروقؓ یہ نہ فرماتے۔

تیسرا جواب قرطبی نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ ایسا اہم حکم ہو۔ اور صرف ابن عباسؓ اس کی روایت کریں۔ یہ تعجب کی بات ہے۔ لیکن قرطبی خود ہی اس جواب کی تضعیف بھی کر دیتے ہیں۔ قال هذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره ان لم يقتض القطع ببطلانه۔

امام محمد بن اسمٰعیل الیمنی الصنعانی سبل السلام شرح بلوغ المرام میں لکھتے ہیں:۔

هذا مجرد استبعاد فانه كم من سنة وحادثة انفرد بها راو ولا يضر سيما مثل ابن عباس بحر الامة (سبل السلام ص۱۷۲ ج۳)

چوتھا جواب اس حدیث کا مطلب یہ ہے۔ کہ اب جو لوگ تین طلاقیں دینے لگے ہیں حضورؐ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگ تین کی بجائے ایک طلاق ہی دیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں حکم کا ذکر نہیں بلکہ واقعہ کا بیان ہے۔ یعنی لوگ عہدِ رسالت میں یوں کیا کرتے تھے۔

اس کا ردّ:۔ حدیث کے الفاظ اس جواب کے متحمل نہیں:۔ اتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة — قال نعم۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق بنا دیا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں"۔ اگر تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں۔

تو ایک کس کو بنا یا جاتا تھا۔ صاحب روح المعانی اس جواب کے متعلق تبصرہ فرماتے ہیں۔

واعترض علیہ بعدم مطابقتہ للظاہر المتبادر من کلام عمر لا سیما مع قول ابن عباس فہو تاویل بعید لا جواب حسن فضلا عن کونہ احسن۔ (روح المعانی ص ۱۳۷ ج ۲)

پانچواں جواب اس حدیث میں یہ تصریح کہیں نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس بات کا علم تھا۔ دلیل تب ہو سکتی تھی کہ حضور ؐ کو علم ہوتا اور حضور ؐ اس سے نہ روکتے۔

اس جواب کے متعلق علامہ ابن حجر رح نے لکھا ہے۔

بان قول الصحابی کنا نفعل کذا فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حکم الرفع علی الراجح حملا علی انہ اطلع علی ذلک فاقرہ لتوفر دواعیہم علی السؤال عن جلیل الاحکام وحقیرہا۔

چھٹا جواب اجماع:۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں اس بات پر اجماع ہو گیا کہ ایک بار دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی تصور ہوں گی۔ اور ان سے بینونت کبریٰ ثابت ہو گی۔ اس لیے اب اس اجماع کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اس کے خلاف عمل کرے۔ کیونکہ اجماع دلائل یقینیہ قطعیہ سے ہے۔

اگر اجماع ثابت ہو جائے۔ تو بلاشبہ وہ دلیل قطعی ہے لیکن اجماع کا ثبوت محل نظر ہے۔ اس سے پہلے رکانہ کی حدیث کے ضمن میں فتح الباری کا جو اقتباس درج کیا گیا ہے۔ اس میں علامہ ابن حجر رح نے ان لوگوں پر اظہار تعجب کیا ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ اختلاف موجود ہے۔ ابن حجر رح کئی جلیل القدر صحابہ ؓ تابعین ؒ اور ان کے بعد ائمہ اور علماء کے اسماء ذکر کرتے ہیں۔ جو ایک وقت میں دی گئی۔ تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔

علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں ایک مستقل فصل کے عنوان سے اس چیز کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

وذکر احمد بن محمد بن مغیث الطیطلی ہذہ المسئلۃ فی وثائقہ ثم اختلف اہل العلم بعد اجماعہم علی انہ مطلق لم

يلزمه عن الطلاق۔ فقال علی بن ابی طالب وابن مسعود يلزمه
طلقة واحدة وقاله ابن عباس ــــــ وقال الزبير بن العوام
وعبدالرحمٰن بن عوف رض روينا ذلك كلهٗ عن ابن وضاح
وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع شیخ هدى ومحمد
بن تقي بن مخلد ومحمد بن عبد السلام فريد وقته وفقيه
عصره واصيغ بن الحباب وجماعة سواهم۔

جس مسئلہ میں ہر زمانہ کے ائمہ اسلام اختلاف کر رہے ہوں۔ اسے کہنا کہ یہ مجمع علیہ ہے۔ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

علامہ نظام الدین حسن بن محمد النیشا پوری اپنی تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم من هؤلاء من قال لو طلقها ثنتين او ثلاثا لا يقع الا واحدة
وهذا هو الاقيس واختاره كثير من علماء اهل البيت لان
النهي يدل على اشتمال المنهي عنه على مفسدة راجحة والقول
بالوقوع سعي في ادخال تلك المفسدة في الوجود (تفسیر نیشا پوری علی ہامش
ابن جریر ص۱۳۶ ج ۲)

اس سے بھی اجماع کی نفی ثابت ہوئی۔

بالکل اسی طرح علامہ ابن حیان الاندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں تحریر کیا ہے۔

ساتواں جواب۔ اقوال صحابہ کرام رضؓ

اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے۔ کہ صحابہ کرام رضؓ کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ راوی حدیث کا فتویٰ بھی اس کے خلاف ہے۔ تو اس روایت پر عمل کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔

ان ابن عباس وابا هريرة وعبد الله بن عمرو رضي الله عنهم سئلوا
عن البكر يطلقها زوجها ثلاثا فكلهم قال لا تحل له حتى تنكح
زوجا غيره۔

ایک روایت میں ہے۔ جاء رجل الی ابن مسعود فقال انی طلقت

امرأتی تسعا و تسعین فقال له ابن مسعود ثلاث تبینها منک و سائرھن عدوان۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں جو اس قول کی تصدیق کرتی ہے۔ اس لیے اس حدیث پر عمل کرنا اور سارے صحابہؓ کے عمل کو چھوڑ دینا خلافِ انصاف ہے۔
اس کے متعلق مختصراً یہ گذارش ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالیشان کے سامنے کسی کا قول حجت نہیں۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے بھی دو روائتیں آئی ہیں۔ ایک وہ جو اوپر گذری دوسری وہ جسے مسند میں امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ فکان ابن عباس یری انما الطلاق عند کل طھر حدیث ۲۳۸۷ دوسرے صحابہ کرام رضؓ کے اقوال کا ذکر پہلے جا بجا گذر چکا ہے۔ نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے۔ ان الاعتبار لروایۃ الراوی لا برأیہ "اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے کا" اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں رائے کے مقابلے میں روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔ تو ہم آپ کو فقہ کے بیسیوں مسائل دکھا سکتے ہیں۔ کہ فقہاء نے راوی کی روایت پر عمل کیا ہے۔ اور اس کی رائے کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ہی ایک مثال ملاحظہ فرماویں۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امر اصحابہ ان یرملوا الاشواط الثلاثۃ۔

اور آپ کا قول یہ ہے۔ کہ لیس الرمل بسنۃ۔ اب عمل روایت پر ہے ان کی رائے پر نہیں اس روایت کے خلاف اور اس کے حق میں جو کچھ علماء کرام نے کہا وہ آپ کے سامنے ہے۔ اور آپ آسانی سے فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ اور حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔
لیکن ایک خلجان ابھی تک موجود ہے۔ جس کا ازالہ از حد اہم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب طلاق ثلاث ایک طلاق شمار کی جاتی تھی تو الناطق بالصدق والصواب الفاروق بین الحق والباطل حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے برعکس حکم کیوں دیا۔
تو اس کے متعلق گذارش یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ لوگ طلاق ثلاث کی حرمت کو جانتے ہوئے اب اس کے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو آپ کی سیاست حکیمانہ نے ان کو اس امر حرام سے باز رکھنے کے لیے بطور سزا حرمت کا حکم صادر فرمایا۔

www.sirat-e-mustaqeem.com

اور خلیفہ وقت کو اجازت ہے۔ کہ جس وقت وہ دیکھے کہ لوگ اللہ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں کی قدر نہیں کر رہے ہیں اور ان سے استفادہ کرنے سے رک گئے ہیں۔ اور اپنے لیے عسر و شدت پسند کر رہے ہیں۔ تو بطور تعزیر انہیں ان رخصتوں اور سہولتوں سے محروم کرنے کے بعد وہ اس سے باز آجائیں۔

حضرت امیر المومنین رضؓ نے یہ حکم نافذ کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوں ارشاد گرامی ہے۔ بلکہ کہا۔

فلو انا امضیناہ علیھم۔ ("کاش ہم اس کو ان پر جاری کر دیں")

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آپ کی رائے تھی اور امت کو اس فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے یہ تعزیری قدم اٹھایا گیا تھا۔ اس تعزیری حکم کو صحابہ کرام نے پسند فرمایا۔ اور اسی کے مطابق فتوے دیئے۔

لیکن حدود کے علاوہ تعزیرات اور سزائیں زمانہ کے بدلنے سے بدل جایا کرتی ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی مقررہ تعزیر سے بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہو۔ اور مصلحت کی جگہ فساد رونما پذیر ہونے لگے۔ تو اس وقت اس تعزیر کا بدلنا ازحد ضروری ہو جاتا ہے۔

غیر شادی شدہ زانی کی حد کا ذکر تو آیۂ حکم میں موجود ہے۔ کہ انسے سو دُرّے لگائے جائیں۔ لیکن حدیث میں ہے۔ مائۃ جلدۃ و تغریب عام یعنی "سو دُرّے لگائے جائیں اور ایک سال جلاوطن کر دیا جائے"۔ جب چند آدمیوں کو جلاوطن کیا گیا تو وہ کفار کی صحبت سے متاثر ہو کر مرتد ہو گئے۔ اور علماء احناف نے یہ کہہ کر جلاوطنی کی سزا کو ساقط کر دیا۔ کہ یہ تعزیر ہے اور اب اس سے بجائے اصلاح کے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اس لیے اب یہ تعزیر ساقط کرنی ضروری ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس تعزیر کو آج باقی رکھنے سے جو مفاسد اسلامی معاشرہ میں رونما ہو رہے ہیں کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہیں اور کونسا دل ہے جو دردمند نہیں۔

لوگوں میں شرعی احکام کے علم کا فقدان ہے۔ انہیں یہ پتہ ہی نہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا کتنا بڑا جرم ہے۔ اور یہ تلعب بکتاب اللہ کے مرادف ہے۔ وہ غیظ و غضب کی حالت میں منہ سے بک جاتے ہیں۔ انھیں تب ہوش آتا ہے۔ جب انھیں بتایا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے ایک جنبش لب سے اپنے گھر کو برباد کر دیا۔ اس کی رفیقۂ حیات اور اس کے ننھے

بچوں کی ماں اس پر قطعی حرام ہوگئی اس کی نظروں میں دُنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ یہ ناگہانی مصیبت اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ پھر وہ علماء صاحبان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو باستثناء چند حضرات بڑی معصومیت سے انہیں حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں۔ اس وقت انہیں اپنے غیور رسولؐ کی وہ حدیث فراموش ہو جاتی ہے لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ۔ "حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی لعنت اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر بھی اللہ کی لعنت۔"

اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی سن لیں۔ اس کا ترجمہ حلالہ کی اجازت دینے والے علماء خود کر لیں۔ (عوام کی تفہیم کے لئے ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے۔ ناشر)

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالتَّیْسِ الْمُسْتَعَارِ قَالُوْا بَلٰی یارسولَ اللہِ قَالَ ھُوَ الْمُحَلِّلُ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ۔ (رواہ ابن ماجہ) "کیا میں تمہیں کرائے کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے کہا ضرور اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر بھی اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔"

ان علماء ذی شان کے بتائے ہوئے حل کو اگر کوئی بدنصیب قبول کر لیتا ہو گا۔ تو اسلام اپنے کرم فرماؤں کی ستم ظریفی پر چیخ اٹھتا ہو گا۔ اور دین بسنر گنبد کے مکیں کی دہائی دیتا ہو گا۔

اب حالات دن بدن بدتر ہو رہے ہیں۔ جب بعض طبیعتیں اس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشۂ عافیت کی ویرانی بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ پریشان اور سراسیمہ ہو کر ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنجہ ان کی طرف بڑھاتے ہیں۔ اور انہیں اپنے دامِ تزویر میں بھی پھنسا لیتے ہیں۔ اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے لیکن دولتِ ایمان لوٹ لی جاتی ہے۔ میرے بچشم دید واقعات ہیں کہ کتنے کے کتنے مرزائی اور رافضی ہو گئے۔ جب حالات کی سنگینی کا یہ عالم ہو۔ جب یہ تعزیر بے غیرتی کی محرک ہو بلکہ اس کی موجودگی سے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہو ان حالات میں کیا علماء اسلام کا یہ فرض نہیں کہ امت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء پر درِ رحمت کشادہ کریں۔ اسی قسم کے حالات سے مجبور ہو کر حکومت مصر نے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل کی جس کے ارکان مندرجہ ذیل حضرات مقرر ہوئے۔

صدر .... الاستاذ الاکبر شیخ الجامع الازہر

ارکان .... (۱) رئیس المحکمۃ العلیاء الشرعیہ

(۲) شیخ المالکیہ

(۳) مفتی الدیار المصریہ

(۴) نائب السادۃ المالکیہ

(۵) ان کے علاوہ دیگر علماءِ کرام

اوران کے مشورہ اور تحقیق کے مطابق احوال شخصیہ کے قوانین میں مناسب اصلاحات کرکے ۱۹۲۰ء میں قانون ۲۵ شائع کیا گیا۔ یہ سلسلہ تحقیق جاری رہا۔ اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں ایک دوسرا قانون ۲۵ منظور ہوا جس میں طلاق کے احکام میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ جسے علماءِ مصر نے منظور کیا شرعی عدالتوں میں اب اسی قانون کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ اور جامع ازہر کے کلیۃ الشریعۃ کے درجہ تخصص القضاء میں داخل نصاب ہے۔ اس قانون کی دفعہ ۳ یہ ہے۔

الطلاق المقترن بعدد لفظا و اشارۃ لا یقع الا واحدۃ (الدلیل المرشد فی القوانین والاوامر للمحاکمۃ الشرعیہ ص۳۸۳)

(اسی کتاب کے صفحہ ۳۸۶ پر اس قانون کے متعلق ایک توضیحی نوٹ (مذکرۃ ایضاحیۃ) درج ہے جس میں اس قانون کے دلائل مذکور ہیں۔

طلاق کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔

فالآیۃ الکریمۃ "الطلاق مرتان" الخ تکاد تکون صریحۃ فی ان الطلاق لا یکون الا مرۃ بعد مرۃ وجعلت دفعات الطلاق ثلاثا لیجرب الرجل نفسہ بعد المرۃ الاولیٰ والثانیۃ و یروضہا علی الصبر والاحتمال ولتجرب المرأۃ نفسہا ایضا حتی اذا لم تفد التجارب ووقعت الطلقۃ الثالثۃ علم انہ لیس فی البقاء خیر وان الانفصال البات بینھما احق واولیٰ ـــــ ولو ان الناس لزموا حدود اللہ واتبعوا شریعتہ لما وقعت الشکوی من قواعد الطلاق ولبقیت العائلۃ الاسلامیۃ متینۃ العری یرفرف علیہا الھناء ولکن ضعف الاخلاق وتراخی عری المروءات اوجد فی العائلۃ الاسلامیۃ وھنا وجعل ھناءھا یزول

بنزقة من طيش

والمرأة المسلمة مهددة على الدوام بالطلاق لا تدرى متى يحصل وقد لا يدرى الرجل متى يحصل — ومن الواجب حماية الشريعة المطهرة وحماية الناس من الخروج عليها وقد تكفلت بسعادة الناس دينا واخرى وانها باصولها تسع الامم فى جميع الازمنة والامكنة متى فهمت على حقيقتها وطبقت على بصيرة وهدى۔

ومن السياسة الشرعية ان يفتح للجمهور باب الرحمة من الشريعة نفسها۔

لهذا فكرت الوزارة فى تضييق دائرة الطلاق بما يتفق مع اصول الدين وقواعده ويوافق اقوال الائمة واهل الفقه فيه ولو من غير المذاهب الاربعة فوضعت مشروع القانون بما يتفق مع ذلك۔

وليس مانع شرعى من الاخذ باقوال الفقهاء من غير المذاهب الاربعة خصوصا اذا كان الاخذ باقوالهم يؤدى الى جلب صالح عام او رفع ضرر عام بناء على ما هو الحق من آراء علماء الاصول (الدليل المرشد ص۳۸۶)

ابھی ایک سوال جواب طلب باقی ہے وہ یہ کہ کیا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہوتے ہوئے اصول شریعت ہمیں اجازت دیتے ہیں۔ کہ ان ناگزیر مجبوریوں میں ہم کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کریں؟

اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد علی وجہ البصیرت کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ علامہ محقق کمال بن ہمام الحنفی اپنی کتاب التحریر اور امیر الحاج التحریر کی شرح التقریر والتحبیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

فلو التزم مذهبا معينا كابى حنيفة والشافعى فهل يلزمه الاستمرار عليه فلا يعدل عنه فى مسئلة من المسائل فقيل يلزمه لانه بالتزامه يصير ملزما به كما لو التزم مذهبه فى حكم

حادثة معينة ولانه اعتقدان المذهب الذی انتسب الیه هوالحق
نعلیه الوفاء بموجب اعتقاده (وقیل لا) یلزم وهوالاصح۔
(التقریر والتحبیر علی التحریر ص۳۵۰ ج ۳)

اب کتب فقہ پر غور فرمایئے وہاں آپ کو تصریحات ملیں گی۔ کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق فقہاء احناف نے فتوے دیئے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

علامہ شامی زوجہ مفقود الخبر کے متعلق لکھتے ہیں۔

قال القهستانی لوافتی یقول مالك فی موضع الضرورة لابأس به
علی ما اظن ۔ وقلت نظیر هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر
التی بلغت برؤیة الدم ثلثة ایام ثم امتد طهرها فانها تبقی فی
العدة الی ان تحیض ثلاث حیض وعند مالك تنقضی عدتها
بتسعة اشهر وقد قال فی البزازیة الفتوی فی زماننا علی قول
مالك (شامی ص۳۶۲ ج ۳)

اسی طرح طحطاوی میں مذکور ہے۔

فتاوی مولانا عبدالحیؒ سے بھی دو مثالیں سُن لیجئے۔

سوال:۔ زید نے اپنی عورت سے غصہ کی حالت میں کہا۔ میں نے طلاق دی۔ میں نے طلاق دی۔ میں نے طلاق دی۔ اس تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی مذہب میں واقع نہ ہوں۔ تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس خاص صورت میں عمل کرنے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو۔ اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو۔ اگر تقلید کسی امام کی کرے گا۔ تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا۔ اس کی نظیر مسئلہ نکاح زوجہ مفقود وعدت ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے۔ کہ وہ شخص کسی شافعی عالم سے پوچھ کے اس کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔ (حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی
مجموعۃ الفتاویٰ اردو ص۶۸ ج ۲)

دوسری مثال :-

سوال :- زید کو عمرو دھوکہ دے کر اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ اور چند آدمیوں کو بلا کر زید سے اس کی بیوی کو جبراً تین طلاقیں دلائیں۔ چونکہ زید اور اس کی بی بی میں محبت بہت ہے۔ اب جدائی از حد شاق ہے۔ لہٰذا بضرورت بہ تقلید مذہب شافعی نکاح جائز ہے یا نہیں۔

جواب :- ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی تقلید درست ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ص۲۳۰ ج ۲)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے۔

ان المتأخرین افتوا بتحلیف الشھود اقامۃ له موقع التزکیۃ علی مذھب ابن ابی لیلی۔

مسئلہ کے سارے پہلو آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی عقلی اور نقلی دلیلیں اور ان پر ہر طرح کی رد و قدح بھی آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ اب آپ خود اس کے متعلق فیصلہ فرما سکتے ہیں اس ناچیز کی ناقص رائے میں تو ان حالات میں علماء مصر اور علماء جامع ازہر کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا ارجح ہے۔

معیاری اور خوبصورت جدید مطبوعات